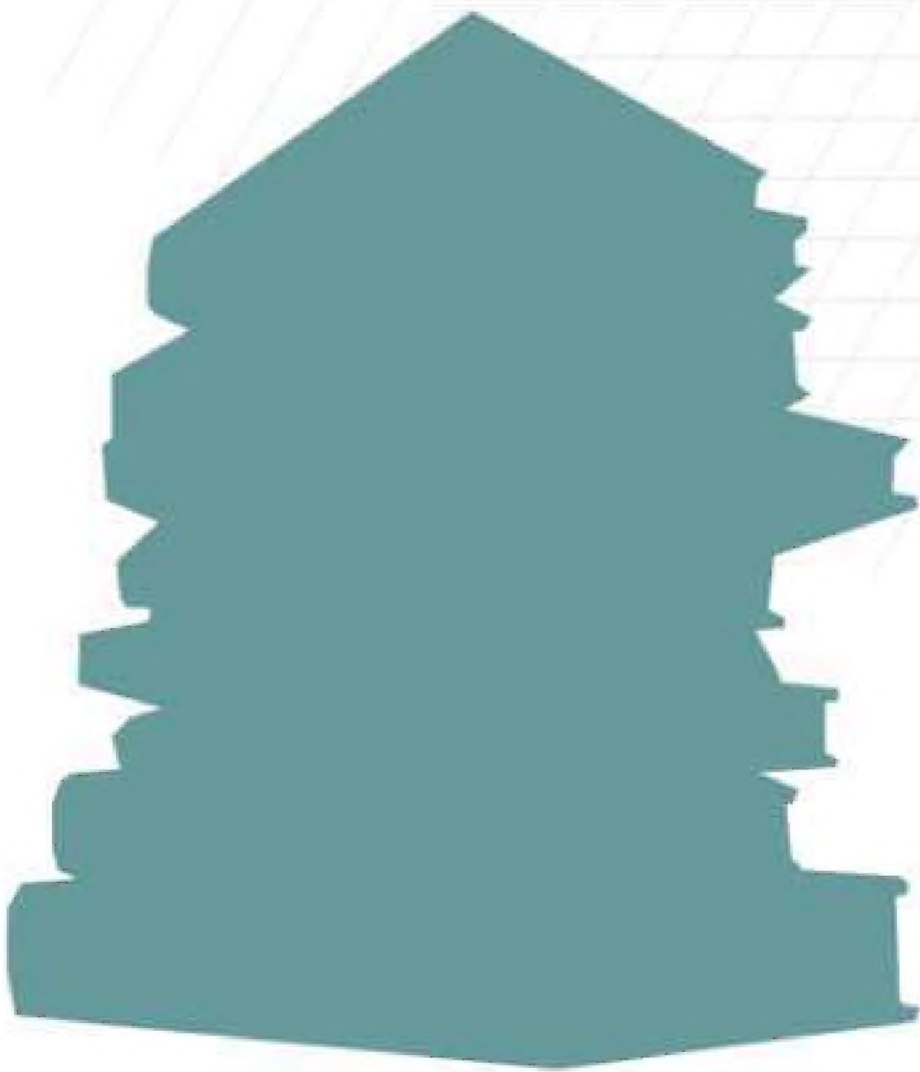
چو فقر اندر لباس شاہی آمد
بہ تدبیر عبید اللٰہی آمد

حضرت خواجہ باقی باللہ، حضرت مجدّد
الف ثانی سرہندی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہم اللہ
کے جدِّ طریقت
حضرت سلطان الاولیاء

خواجہ عبید اللہ احرار نقشبندی

مولفہ حافظ نقی انور علوی کاکوروی



چو فقر اندر لباس شاہی آمد
بہ تدبیر عبید اللہی آمد

حضرت خواجہ باقی باللہ، حضرت مجدد الف ثانی سرہندی،
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہم اللہ کے جدّ طریقت

حضرت سلطان الاولیا خواجہ عبید اللہ
احرار نقشبندیؒ



مؤلفہ

حافظ مولوی محمد تقی انور علوی کاکوروی
تکیہ شریف کاظمیہ کاکوری ضلع لکھنؤ

یہ کتاب فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی حکومت اترپردیش کے مالی اشتراک سے شائع ہوئی

12864

کتاب کا نام	حضرت سلطان الاولیا خواجہ عبید اللہ احرار نقشبندیؒ
مؤلف کا نام	حافظ مولوی محمد تقی انور علوی کاکوروی
ناشر	مؤلف
سن طباعت	۱۴۰۶ھ سنہ ۱۹۸۶ء
تعداد اشاعت	۶۰۰
قیمت	۵۰ روپیے
طابع	نشاط آفسیٹ پریس ٹانڈہ ضلع فیض آباد (یوپی)

ملنے کا پتہ

کتب خانہ انوریہ تکیہ شریف کاظمیہ کاکوری ضلع لکھنؤ

انتساب

سیدی وسندی مرشدی ومولائی حضرت مولٰنا شاہ محمد مصطفٰی حیدر صاحب قلندر (سجادہ نشین تکیۂ شریفہ کاظمیہ کاکوری) وابی وشیخی معاشی و معادی حضرت مولٰنا حافظ شاہ محمد مجتبٰی حیدر صاحب قلندر دام اللہ ظلا لہما کی خدمت میں جن کے فیضانِ علم وتربیت کے طفیل میں یہ چند سطور لکھنے کے قابل ہوا ؎

یا رب ایں سایہ الٰہی را　　　آفتابِ سپہر شاہی را
بر سریرِ بقا ممکن دار　　　بر سپہرِ خلود روشن دار

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"حرفِ آغاز"

بہ نام خدا ایزدِ ذوالجلال — فروزندہ مہر سپہر کمال
ہمہ پاک و پاکیزہ از عیب و شین — معرّا ز تقیید و از کیف و این
بہ تنزیہہ گوہر ز تشبیہ پاک — فروغ جہاں گوہر تابناک
بہ داد و دہش ہمچو باران وجہ — بہ مہر و وفا چیرہ بالائے قہر
محمد کہ سلطانِ کون و مکاں است — گزیں بندۂ خالقِ انس و جاں است
ظہورِ خدا از ظہورِ نبیؐ است — عیاں نور ذاتش ز نورِ نبی است
اگر او نہ بودے نہ بودے جہاں — نمی گشت اسرار ہستی عیاں
چراغِ ہدایت برا فروختہ — بہ ما بندگاں شرع آموختہ

درودِ خدا باد بر جانِ او
بر اولاد و احفاد و یاران

میری خاص غرض اس سوانح حیات کے مرتب کرنے کی یہ ہے کہ اس دورِ مادیت میں جب کی دنیا سے وابستگی۔ زر و سیم کے پیچھے دیوانہ وار بھاگ دوڑ۔ دولت کے حصول کی ہوس کہ ذریعۂ حصول جائز ہے یا ناجائز روزی اکلِ حلال ہے کہ ناجائز طور پر بٹوری جا رہی ہے۔ ہر شر خیر بن چکا ہے اور صالح قدریں۔ ہمدردی دلسوزی۔ دردمندی یافت حق کا ذوق۔ حبِّ انسانیت اور مآل بینی کا خوف کہ اس دنیا کے بعد میں کوئی دوسری دنیا ہے جس میں ہمیں اپنی بداعمالیوں کا حساب دینا ہے ذہنِ انسانی نے یکسر محو کر دیا ہے۔ اعمال زشت کی کثافت نے روحِ انسانی کو اس بری طرح مجروح کر دیا ہے کہ انسان اپنی رفعتوں کو

چھوڑ کر پستی اور پست ہمتی کا شکار ہو گیا ہے۔ تمام عالم ایک میدانِ حشر ہے جہاں ہر شخص اپنی ذات میں گم ہے۔ اور اسکی خود مطلبی اور ذاتی مفاد پسندی اس کا موقعہ نہیں دیتی کہ دوسروں کے دکھ۔ درد اور غم میں شریک ہو۔ ہر شخص اپنی صلیب خود اٹھائے خونچکاں ہاتھوں اور زخمی قدموں کے ساتھ رہگذر حیات کے کٹھن کوس طے کر رہا ہے۔ وہ اپنے غم میں تنہا ہے اور یہ احساسِ تنہائی اسکے لمحاتِ ہستی کو تلخ سے تلخ تر بناتی جا رہی ہے۔ سفّاکی ظلم اور جذبہ استحصال دِل پر ڈیرہ ڈالے ہیں۔ ہر طرف معصیت کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہے۔ زندگی تلاطم اور طوفان کی زد پر الاماں والحفیظ کے نعرے لگا رہی ہے۔ کہیں اقدار کی روشنی کی ہلکی سی کرن بھی نظر نہیں آتی جس سے دل کی دنیا روشن ہو سکے۔ بڑی طاقتیں اقتدار کی ہوس میں کمزور قوموں کو معاشی غلامی میں جکڑ کر ان کو یہ موقع ہی نہیں دے رہی ہیں کہ وہ بھی اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر اپنے معاشرہ کو مضبوط اور توانا بنا سکیں۔

یہ روحانی بامِ عروج پر پہنچی ہوئی ہستیاں ہم کو حوصلہ دیتی ہیں ہمارے کمزور اور کم ہمت دِلوں میں جرات و ہمت کے جذبات پیدا کرتی ہیں۔ ان کی زندگیاں اور اٹل اصول زبانِ حال سے یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ اگر تم اعلیٰ صفات سے متصف ہونا چاہتے ہو تو ہم کو دیکھو۔ ہم نے مادیت کا جوا اتار پھینکا ہے ہم نے اپنے دلوں کو انسانیت کی محبت سے معمور کر دیا ہے اس لئے ہم سے سیکھو کہ نامساعد حالات کا مقابلہ کس جیوٹ اور بہادری سے کیا جاتا ہے۔ دنیوی جاہ و جلال سے بے نیاز ہو کر بھی کس طرح دلوں کو اپنے کردار کی بلندی اور اپنے اوصاف کی خوبیوں سے مسخر کیا جا سکتا ہے اور شیطانی قوتوں کو کس طرح شکست دی جا سکتی ہے۔ جب روح میں نکھار پیدا ہوتا ہے تو زندگی فلاح و صلاح کی راہ اختیار کر لیتی ہے اور معاشرہ کی سطح بلند ہو جاتی ہے۔ ایثار رواداری۔ وسیع النظری اور وسیع القلبی سب جذبہ محبت کا مآل اور نتیجہ ہیں۔ جب ہم اپنی ذات اور نفس کے تقاضوں کو یکسر محو اور فراموش کر کے عالم انسانیت کا درد اور دوسروں کے جگر کی چوٹ کو اپنے دل میں محسوس کریں۔ ان کے غموں کو اپنی ذات میں سمو کر ان کیلئے جراحت ہائے گوناگوں کا مداوا مہیا کر سکیں۔ اپنی بصیرت کے کحل الجواہر سے ان کی آنکھیں روشن کریں اور ایسے

نور سے معمور دِل کی تجلیوں کی چھوٹ سے ان کے تاریک دلوں میں معرفت کی روشنی پیدا کریں۔

یہ اس امتِ مرحومہ کی جو کسی زمانہ میں خیرالامم کے خطاب سے نوازی گئی تھی بڑی سعادت اور خوش قسمتی ہے کہ زمانہ کے ہر دَور اور ہر صدی میں اس میں ایک گروہ حق بیں و حق آگاہ کا موجود رہا جس نے تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کا سامان مہیا کیا اور وادیِ ضلالت میں گم گشتہ مسافروں کو راہِ مستقیم پر لگاتا رہا۔ ان کی کیمیا اثر نگاہ نے دلوں کی دنیا بدل دی۔ شیشۂ ہستی میں وہ جلا کی کہ چمک اٹھا۔ انھیں مبارک ہستیوں میں ایک ذات حضرت ناصرالدین خواجہ عبیداللہ احرارؒ کی بھی تھی (جن کا مختصر تعارف مقدمہ میں پیش ہے) جنھوں نے اقلیم روحانی پر حکمرانی کی اور ایک قوی و قادر ذات سے وابستگی قائم کر کے قوت و ہمت کی وہ دولت بیدار حاصل کی جس نے ہزاروں کو نہ صرف راہِ معرفت دکھائی بلکہ امور مملکت میں بھی شاہانِ وقت کی رہنمائی کی۔ ان کو ظاہری جنگ و جدال سے بچا کر مظلوموں کو امن و امان کی پناہ گاہیں عطا کیں۔ میری محنت سوارت ہو جائے گی اگر اسکے قارئین تاریخ عالم کے تیرہ و تاریک دَور سے عبرت حاصل کریں۔ اخلاق بلند کو اپنائیں عزتِ نفس۔ خودداری۔ انسانیت دوستی رواداری کے ایسے اخلاقِ حمیدہ کو شعار بنا کر دنیائے حاضرہ کی پُر الم زندگی کیف و مسرت کی جنت سے ہم کنار کریں اور جب اس دنیائے فانی سے کوچ کریں تو اس احساس طمانیت و مسرت کے ساتھ کہ ہم نے دنیا کو جیسا پایا تھا اس سے بہتر چھوڑا کہ حیاتِ انسانی کا حاصل یہ ہے کہ خود اپنی ذات کی تکمیل کرے اور دوسروں کو بھی لذتِ عرفان سے بہرہ ور کرے۔

موجودہ دَور اگر مادیت کی پستی کی آخری منزل پر ہے لیکن رحمتِ تمام سے ناامید ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ پامردی۔ ہمت اور جرأتِ اخلاقی سے اپنی ذلت گرامی کو مزیّن کیجیے۔ تائید ایزدی آپ کو ایک باعزت اور باوقار زندگی کی بشارت دیتی نظر آئے گی۔ جینے کے لیے مرنے کا سلیقہ چاہیئے اور زندگی ایسی بنایئے جیسا ایک مجاہد آزادی نے کہا ہے ؎

وہ مرد نہیں جو ڈر جائے ماحول کے خونیں منظر سے
جس حال میں جینا مشکل ہے اس حال میں جینا لازم ہے

یہ بات میں نے اپنی تالیف "تذکرہ گلشنِ کرم" میں بھی اشارۃً کہی تھی اور اس موقع پر ذرا وضاحت سے عرض کروں گا کہ موجودہ دَور قہرِ تاتار کی تاراجی سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ تاتاری تو آگ لگائے۔ شہروں اور قریوں کو تاخت و تاراج کرتے یا سلطنتوں کو برباد کرتے گذر گئے لیکن آج کی سفاکی کا تو نقطۂ تنزلی اپنے آخری درجہ پر پہنچ چکا ہے۔ آج کا انسان یا تو بہیمیت کی چلتی پھرتی تصویر بن گیا ہے یا پھر وہ ہمہ وقت آنے والی خلائی جنگ کے تصور سے لرزاں و ترساں ایک خوف کے عالم میں زندگی بسر کر رہا ہے اسکے اعصاب مستقبل کے خوف سے بکھر چکے ہیں اس کا ذہن ماؤف ہو چکا ہے۔ اور وہ بہ زبان حال تجسّس کن نگاہوں سے انسان۔ نیک دِل انسان۔ دردمند انسان دل سوز انسان کی تلاش میں ہے اور یہ کہہ رہا ہے ؎

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گردِ شہر
کز دیو و دَد ملولم و انسانم آرزو ست

لہٰذا اب ہوشمند انسان کیلئے اور کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ اس کثافت مادیت میں لطافتِ روحانی کے جوہر کو اپنائے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ پُرفتن اور محشر بداماں اَدوارِ وقت کی تاریخ کا مطالعہ کرے اور یہ دیکھے کہ اس دَور کے مَردانِ حق آگاہ حق شناس حق کیلئے اپنی زندگی سے کیا مثال قائم کرتے رہے کس طرح انھوں نے اپنی تزئینِ روح سے اَور تنویر اخلاص و خلوص سے ایک بے حال دنیا کو ڈھارس۔ ہمت اور حوصلہ عطا کیا۔ بہتوں نے روحانی دولت کے ساتھ دنیوی جاہ و جلال کو بھی مصلحتاً اپنایا کہ وہ اپنی جاہ و ثروت سے معتبر اَور پُروقار بن کر انسانوں کی رہنمائی کر سکیں اور جس طرح علاج بالمثل ہوتا ہے وہ مادیت کی کاٹ مادی وسائل رکھ کر کریں اور دنیا کو دکھا دیں کہ دولت اگر بربادی اخلاق کا ذریعہ بن سکتی ہے تو اسی مالِ دنیا سے ہزارہا بندگانِ خدا کی امداد بھی کی جا سکتی ہے

اور دولت رکھ کر دولت کی آلائشوں سے دامن کشاں ہوکر صرف اس ذات کیلئے سب کچھ کریں جو ہیشرده ہزار عالم کا خالق ہے اور جس کی مخلوق کی نفع رسانی اصل اسلام اور خدمتِ اسلام ہے۔

یہ گروہِ عارفاں ہمیشہ مظلومِ ستم وجور سے خونچکاں انسانیت کیلئے پیکر رحمت ورافت بنے رہے اور ان کے رِستے زخموں کیلئے مرہم شفا مہیا کرتے رہے۔ وہ ظالم وجابر بادشاہوں کو نڈر ہوکر مردِ مومن کی بیباکی شان کے ساتھ ان کے مظالم سے روکتے رہے ان کو عاقبت کا خوف دلاتے رہے اور ان کی قوتِ روحانی کے سامنے یہ سلاطین باحشمت اور بادشاہان تخت وتاج سرِ نیاز خم کرتے رہے۔ ان کی ایک نگاہ نے قلوب کی دنیا بدل ڈالی۔

اِن صوفیائے پاک طینت کی زندگیوں کا مطالعہ کیا جائے تو ہر دور میں ایسے حضرات اپنی خانقاہوں میں مدارج روحانی طے کرتے ہوئے نظر آئیں گے جو مخلوق خدا کے دکھ۔ درد سے غافل نہیں رہے بلکہ وہ اپنے متوسلین۔ مسترشدین اور نیاز مندوں کے ذریعہ خراب وخستہ مخلوق کے دکھوں کو دور کرتے رہے ان کے مریدوں اور نیازمندوں میں صاحبِ ثروت واقتدار حضرات بھی رہے جن کے رسوخ اور اثرات کو ان حضرات باصفا نے خدمتِ خلق کا ذریعہ بنایا۔

زمانۂ طالب علمی سے ہی مجھے سلسلۂ علیہ نقشبندیہ کے بزرگوں سے طبعی موانست وکشش محسوس ہوتی رہی۔ کتب تصوف کے درس کے دوران حسب دستور الطاف القدس (مولفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) سبقاً سبقاً پڑھائی گئی۔ تعلیم اذکارِ سلاسل میں اذکار بلکہ تفکرِ نقشبندیہ میں خاص لذت وقلبی سکینت حاصل ہوتی تھی۔ جب میرے مربی ومرشدانِ طریقت سیدی وسندی ومرشدی ذخیرہ یومی وغدی حضرت مولینا شاہ محمد مصطفٰی حیدر قلندر روحی وشیخی وقبلتی وظیفۂ نومی ویقظتی والدی واستادی حضرت مولٰنا حافظ شاہ محمد مجتبٰی حیدر قلندر متع اللہ العٰلمین بطولِ حیاتہم وبقاہم نے مجھ ایسے نااہل کو اپنے کرم ومرحمتِ خاص سے اجازت وخلافت سلاسلِ ثمانیہ کی سند سے سرفراز فرمایا۔

می نہ جوید لطفِ عامِ اُو سند　　　آفتابے برحدِ شہامی زند
کلاہِ گوشہ احقر بہ آسماں برسید

اسمیں سلسلۂ نقشبندیہ کی اجازت مختلف طرق سے ہے جسکو انہاج ثمانیہ کہتے ہیں ان میں ایک سلسلہ تو حضرت شاہ علم اللہ رائے بریلوی کا ہے جسکو سلسلۂ احسنیہ کہتے ہیں دوسرا سلسلہ حضرت مسندالوقت شاہ ولی اللہ محدثؒ دہلوی کا ہے جسمیں حضرت مجددؒ الف ثانی سرہندی اور حضرت خواجہؒ باقی باللہ بھی ہیں۔ اس سلسلہ میں بھی مختلف طرق ہیں غرضکہ اس سلسلہ علیہ کی بیشتر شاخیں حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ قدس سرہٗ کی ذاتِ گرامی سے ہی منسلک ہیں. گویا آپ کی ذاتِ مقدس ولایت و معرفت کا ایک ایسا بحرِ ناپید کنار ہے جس سے ہی یہ ولایت و عرفان کے چشمے و نہریں جاری ہیں۔

مجھے حضرت خواجہ صاحبؒ کے حالات کی عرصہ سے تلاش و جستجو رہی چنانچہ میں نے مختلف کتابوں۔ تاریخوں۔ مخطوطوں۔ مطبوعہ و غیر مطبوعہ ملفوظات کو پیش نظر رکھ کر آپ کی حیاتِ طیبہ کا بغور مطالعہ کیا اور واقعاتِ حیات کا جائزہ لینے کے بعد آپ سے اس درجہ متاثر ہوا کہ آپ کی حیاتِ مقدسہ پر ایک بسیط مضمون لکھکر ماہنامہ "برہان" دہلی میں اشاعت کیلئے بھیجا۔ میرے محترم مولانا سعید احمد اکبرآبادی مرحوم نے مضمون کو نہ صرف پسند کیا بلکہ میری ہمت افزائی فرماکر اپنے موقر رسالہ میں سب سے پہلے جگہ دی اور تین اقساط میں شائع فرمایا۔ میں ان کی وسیع القلبی اور روشن خیالی سے بحد متاثر ہوا کہ وہ دوسروں کی آراء سے جس سے وہ یک گونہ اختلاف بھی رکھتے تھے اپنے جریدہ میں اس کا موقعہ دیتے تھے کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کریں۔ مجھے اس سے بڑا حوصلہ ملا اور میں نے مختلف مطبوعہ و غیر مطبوعہ ماخذات سے استفادہ کرکے ان کی سوانح حیات پر زیرِ نظر کتاب مرتب کی۔

مولانا کے محترم کی دلی آرزو یہ رہی اور انھوں نے متعدد بار زبان سے اس کا اظہار بھی کیا کہ دو کتابیں ایک قول الجلی کا ترجمہ دوسرے حضرت خواجہ عبیداللہ احرار کی سوانح حیات جو میں نے مرتب کی ہیں شایع ہوجائیں۔ خصوصاً القول الجلی میں جو انقلاب

آفریں خیالات اور علمائے ظاہر کے مفروضہ نظریات کے جوابات میں جو اشکال اور مسائل تھے ان کو وہ برسرِ عام لانے کے خواہشمند تھے۔ اور انھوں نے یہ تک فرمایا تھا کہ وہ ان کتابوں کو خصوصاً القول الجلی کے ترجمہ کو ندوۃ المصنفین سے خود شائع کریں گے۔ افسوس کہ ان کے غیر متوقع سانحہ ارتحال سے ان کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔ آج اگر وہ حیات ہوتے تو یقیناً میری اس کاوشِ ذہن و قلم سے محظوظ و مسرور ہوتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس عالم میں شاداں شاد رکھے اور درجاتِ علیا عطا فرمائے۔

بہر حال حیات خواجہ علیہ اللہ احرارؒ حاضرِ خدمت ہے۔ انشاء اللہ العزیز القول الجلی کا ترجمہ بھی جلد ہی منظرِ عام پر آکر نظر افروز ناظرین و اہلِ تحقیق ہوگا۔

آخر میں ناظرین سے یہ گذارش ہے کہ اگر ترجمہ یا عبارت میں کوئی سہو یا خامی ملاحظہ فرمائیں تو الانسان مرکب من الخطاء والنسیان کو مدنظر رکھتے ہوئے چشم پوشی فرمائیں اور دعائے خیر میں فراموش نہ فرمائیں

احقر تقی انور غفرلہٗ
تکیہ شریفہ کاظمیہ کاکوری
۲۰ ؍ محرم الحرام ۱۴۰۶ھ بروز یکشنبہ

تمہید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی ھو الواحد لا احد فی وحدانیتہ، الفرد المتفرد بفردانیتہ، العزیز المتعزز بالعزۃ والجبروت، القدیر المتفرد بالقدرۃ وھو حی لا یموت، الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد، والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین، خاتم النبیین حبیب رب العٰلمین وعلیٰ آلہ واصحابہ ھداۃ طرق الحق والیقین، وسفن بحار الدین، وجعل الاولیاء والعارفین، وارث مقامات الانبیاء والمرسلین مربی المسترشدین، روح اللہ ارواحھم الطاھرۃ وعطر اللہ مزایجھم المبارکۃ

حضرت سرورِ کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن حکیم فرماتا ہے کہ "لقد منّ اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم" (یعنی اللہ نے مومنین پر احسان کیا کہ انھیں میں سے ان میں رسول بھیجا جو انھیں آیتیں سناتا اور ان کو سنوارتا ہے۔) حضور اقدس ؐ امراض روحانی کے طبیب کامل اور نبض فطرت کے سب سے بڑے نباض تھے۔ اپنی امت اور اپنے صحابہ کرام کے ہر فرد کے مزاج فطرت اور اقتضائے طبیعت۔ ہر ایک کا عین ثابت معائنہ فرما کر اور انھیں ہر طرح سے جانچ و پرکھ کر ان کا علاج تجویز فرماتے تھے۔ چونکہ ہر فرد کا مزاج اس کی افتادِ طبع اس کی طینت و فطرت بیشتر دوسرے سے مختلف اللہ نے تخلیق فرمائی ہے۔ اسی لئے طریقہ علاج اور دوا بھی مختلف ہوتی ہے۔ گرم مزاجوں کیلئے گرم دوائیں نقصان رساں ثابت ہوتی ہیں۔ اور سرد و بلغمی مزاج والوں کیلئے سرد دوائیں مضر پڑتی ہیں۔ انگریزی مثل بھی ہے کہ ایک شخص کیلئے جو دوا تریاق ہوتی ہے وہی دوسرے کیلئے زہر بن جاتی ہے۔ حضورؐ کی حیاتِ طیبہ و نیز اکابرین صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم کے حالات کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حضورؐ نے ان کی اصلاحِ نفس، تزکیۂ باطن اور تجلیۂ روح کے مختلف طریقے ان کی فطرت اور طینت کے مطابق اختیار فرمائے۔ اگر کچھ صحابۂ کرام کیلئے فقر و فاقہ و عسرت کی زندگی بسر کرنے میں ان کی فلاح و روحانی ترقی تجویز فرمائی۔ اور اس طریقہ کو ان کیلئے پسند فرمایا تو دوسری طرف بعض اکابر صحابہؓ کو دولت و ثروت کے حصول کی توفیق عطا فرما کر اس کیلئے اُن کی ہمت افزائی فرمائی۔ اگر ایک طرف حضورؐ نے الفقر فخری (فقر میرے لئے فخر ہے) ارشاد فرما کر صحابۂ کرام کے قلوب کو حرص مال و حُبِ جاہِ دنیا سے بے نیاز کر دیا

تو دوسری طرف کا دا انفقر ان یکون کفراً (مجھے خوف ہے کہ فقر کہیں کفر تک نہ پہنچادے) ارشاد فرما کر ان کو متنبہ فرمایا کہ ناقابل برداشت عسرت اور تنگدستی بعض اوقات انسانوں کو اتنا زائد پریشان اور تنگ دل کر دیتی ہے کہ وہ مائل بہ کفر ہو جاتے ہیں اور اس پریشاں حالی میں مضطرب ہو کر وہ اعتقاداتِ کفریہ کی جانب مائل ہو کر ایسے کلمات کہہ جاتے ہیں جو کفر کی حدوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس مؤخر الذکر حدیث کی عملی توضیح و تشریح اس طرح فرمائی کہ ایک دولت مند صحابی کو آپؐ نے دیکھا کہ صاحب حیثیت و ثروت ہوتے ہوئے بھی وہ معمولی حیثیت سے رہتے ہیں ۔ایک بار وہ حاضر تھے کہ حضورؐ نے نہ صرف اظہارِ ناگواری فرمایا بلکہ ان کو تنبیہ کی اور فرمایا کہ تم کو اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر گذار ہونا چاہیئے۔ اس طرح رہو کہ اس کی نعمتوں کا اظہار لوگوں پر ہو۔ اور اس کے شکر گذار بندہ بنو۔ چنانچہ انھوں نے آپؐ کے فرمانے کے مطابق اپنا طرز ماندو بود تبدیل کیا۔ قیمتی لباس پہن کر حاضر ہوئے۔ حضورؐ خوش ہوئے۔ خود حضورؐ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں فاقوں۔ پیوند لگے کپڑوں اور جھونپڑے نما مکان میں مسرور شکرانہ زندگی گذارتے تھے۔ وہاں کبھی کبھی لباس فاخرہ و رنگین میں مجمعِ اصحاب میں منبر شریف پر جلوہ فگن ہوتے تھے اور اس عہد کے عرب کے مروجہ بہترین اور لذیذ غذاؤں سے کام و دہن کو محروم و نا آشنا نہ فرماتے تھے۔ واقعہ ایلا کی تفصیل پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کاشانۂ نبوت اگرچہ خام تھا لیکن دو منزلہ تھا۔ اپنے محبوب و مستجاب الدعوات چچا حضرت عباسؓ بن عبد المطلب کو شان و شوکت و ناز و نعم میں بسر کرنے میں مالی اعانت فرماتے تھے۔ جانشینِ رسولؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دولت و ثروت اور مالی خدمات کو حضورؐ نے کیسا سراہا ہے اظہارِ تشکر میں فرماتے ہیں کہ "ما نفعنی مال احد کم کما نفعنی مال ابی بکرؓ" (یعنی تم میں سے کسی ایک کے مال و دولت نے مجھے اتنا نفع نہیں دیا جتنا ابوبکر کے مال نے) حضرت عمر فاروقؓ کے حصولِ معاش کا اصل ذریعہ تجارت تھا جو ہجرت کے بعد بھی جاری رہا اور ساتھ ہی ساتھ اپنی محصولہ ملک اراضی پر زراعت بھی کرتے تھے۔ بعد کو خلافت کے بارِ گراں اور اس کی عدیم النظیر مصروفیات و خدمات نے آپ کو بیحد مصروف و محتاط بنا دیا تھا دور خلافت کا عہد گویا آپ کا اختیاری فقر تھا۔ حضرت عثمان غنیؓ کی دولت و ثروت اور امیرانہ طرزِ معاشرت اور اس سے اسلام و مسلمانوں کی نفع اندوزی کی ہزار ہا داستانیں ہیں۔ مدینہ میں جس وقت مسلمان شیریں پانی کے ایک ایک قطرہ کو ترس رہے تھے تو آپ نے ہی بیر رومہ (جس کا مالک دشمن یہودی تھا) بیش ہزار میں خرید کر توحید کے تشنہ لبوں کو سیراب کیا یا جیش عسرہ (بے سر و سامان لشکر) آراستہ کرنے کیلئے

آپ نے حضورؐ کے قدموں میں اپنے مکسوبہ مال و دولت کے انبار لگا دیئے۔ اس وقت حضورؐ کی مسرت و خوشی کا یہ عالم تھا کہ درہم و دینار کو دونوں ہاتھوں سے اچھالتے اور حضرت عثمانؓ کو دعائیں دیتے جاتے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضورؐ نے اپنا نفس (متحد الذات والصفات) فرمایا اس لئے اُن کے حسب فطرت و طینت صرف لباس الفقر فخری عطا فرمایا۔ یعنی فقر و فنا و ہستی کی لذتوں میں ہمہ وقت مست و الست رہ کر انہوں کے ہاتھوں ناکامیوں میں بسر کرتے ہوئے مشاہدۂ ذات میں مستغرق رہتے سہ

غیرِ ناکامی دریں رہ کام نیست　　　راہِ عشق است ایں رہِ حمام نیست

اسی لئے مسند الوقت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے آپ کو امتِ محمدیؐ کا سب سے پہلا مجذوب لکھا ہے۔ (یعنی جس کی جزئیت کو ذاتِ حق نے اپنی کلیت میں جذب کر لیا) گویا حضورؐ نے ان کو اپنا نقشِ ملال بنا دیا۔ دوسری طرف شاہزادگان رسولؐ حضرات حسنین علیہما السلام کی مبارک زندگی پر نظر ڈالئے تو ان کی داد و دہش کے صدہا قصے سیرؔ تاریخ میں مذکور ہیں۔ حضرت امام حسنؑ کے جاہ و ثروت کا یہ رنگ تھا کہ ایک ایک وقت میں لاکھوں صرف ایک سائل کو دیدینا معمولی بات تھی۔ آپ کا دسترخوان بہت وسیع اور لذیذ کھانوں سے پُر ہوتا تھا۔ وہ ایسا خوانِ نعیما تھا جس پر دوست و دشمن سب کے ہی کام و دہن بلا استثنا لذت یاب ہوتے تھے اور ہزارہا فاقہ زدہ لوگ شکم سیر ہوتے تھے۔ سرکار دو عالمؐ کے بہت ہی محبوب و حواری حضرت زبیرؓ (پھوپھی زاد بھائی) کی زراعت و باغبانی (کھجور و انگور کے باغات) اتنے بڑے رقبہ میں تھی کہ ایک ایک وقت میں ہزارہا مزدور کام کرتے تھے۔ نہایت فارغ البالی اور بڑی شان سے زندگی بسر فرماتے تھے۔ حضرت طلحہؓ و حضرت عبدالرحمٰن ابن عوفؓ اور حضرت سعد بن وقاصؓ کی جاہ و ثروت کا حال عالی شان محلات اور مال و دولت کی اتنی فراوانی کہ ورثا میں لاکھوں کروڑوں بصورت درہم و دینار تقسیم ہوئے اور سونے کے اتنے بڑے بڑے ڈلے تھے جو کلہاڑی سے کاٹ کر تقسیم کئے گئے۔ میں نے صرف خانوادہ نبوت اور حضرات عشرہ مبشر رضوان اللہ علیہم کے حالات سے چند مثالیں دی ہیں۔

حضورِ سرورِ عالمؐ نظام معیشت کی اصل روح سے واقف کر لئے گئے تھے۔ آپ اکمل ماہر نفسیات بھی تھے۔ آپ نے طبقاتی جنگ کو پسند نہیں کیا۔ امراء و غرباء کو ایک دوسرے سے صف آرا نہیں ہونے دیا۔ غریب و نادار اپنی غربت میں خوش تھا۔ محنت و مزدوری سے کسب حلال میں

معروف رہنا۔ اور دولتمندوں کی دولت کی طرف للچائی نظروں سے دیکھنا خودداری اور عزتِ نفس کے منافی سمجھتا تھا اسی طرح دولتمندوں کے قلوب سے دولت کی لالچ، حرص و محبت اس طرح دور کی کہ ان کے دل میں اپنی توجہ اور تصرف باطنی سے یہ بات بٹھادی اور یہ حقیقت نقش کردی کہ دولت وثروت امانتِ الٰہی ہے۔ وہ اس کے امین ہیں۔ حسبِ احکام الٰہی اس کا برمحل صرف کرنا۔ حقوق العباد کا ملحوظ رکھنا۔ مخلوقِ خدا کے ساتھ معاملات میں سچا رہنا۔ ان کا اولین فرضِ منصبی ہے۔ حضورؐ نے ان کے قلوب سے دنیا کی محبت و حرص کا زنگ دور کردیا۔ ان کے آئینہ قلب پر ایسی صیقل کردی کہ اس میں رُخِ یار کا عکس جھلک اٹھا۔ جب قلب نورِ الٰہی سے معمور ہوگیا تو دولت وثروت ان کی نظروں میں ہیچ پوچ ہوگئی۔ نصرتِ اسلام کے وہ نامور بنے۔ اپنی دولت راہ خدا میں لٹائی اور اس سے اساسِ اسلام کو استحکام عطا فرمایا۔ اصحابِ صفہ تنگ دستی اور فقر میں مست رہے۔ اور سازو برگِ ہستی سے ہمہ تن بے نیاز رہے۔ عاشقِ رسولؐ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ایک بار اصرار سے عرض کرتے رہے کہ کسی مقام کے حاکم بنا کر بھیج دیئے جائیں لیکن نازبردار محبوب نے کسی طرح منظور نہ فرمایا۔ ارشاد ہوا "اے ابوذر! تم کو ایک غلام کی ماتحتی اور سرداری میں اس کا محکوم بن کر رہنا مفید ہے۔ کبھی حاکم بننے کی کوشش نہ کرنا"۔ چنانچہ جب آپ نے ربذہ میں قیام فرمایا تو ایک حبشی غلام نے جو وہاں کا نگراں تھا آپ سے امامت کی درخواست کی۔ آپ کو ارشادِ محبوب یاد آیا آپ نے اس ارشاد کی اتباع فرمائی۔ یہ اختلافِ تعلیم بوجہ اس حکمتِ الٰہیہ کے ہے۔ "عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئاً وھو شر لکم" (جس چیز کو تم بُرا سمجھتے ہو ہوسکتا ہے وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور جس چیز کو تم بہتر سمجھتے ہو ہوسکتا ہے وہ تمہارے لئے بری ہو)

کلام پاک میں کہیں تو اس طرح تعلیم ہے "الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار سرًّا و علانیۃ فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون" (جو لوگ اپنا مال رات و دن چوری چھپے اور کھلم کھلا خرچ کرتے ہیں تو ان کا اپنے رب کے پاس بڑا اجر ہے نہ ان پر خوف طاری ہوگا اور نہ وہ رنجیدہ ہونگے۔) دوسری جگہ اس انداز میں تعلیم فرما کر متنبہ فرماتا ہے "ان اللہ لایحب المسرفین" یا "ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین" (یعنی خدا اسراف کرنے والوں یا فضول خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ فضول خرچ کرنے والے

شیطانوں کے بھائی ہیں) ایک جگہ خود حضور اکرم فرماتے ہیں کہ "لیأتین علی الناس زمان لا ینفع فیھا الا الدرھم والدینار" (یعنی ایک وقت ایسا آئے گا کہ لوگوں کو دولتِ سیم وزر سے زائد کوئی چیز نفع بخش نہ ہوگی") یعنی عزتِ نفس۔ اخلاقی جرأت انسان میں اسی وقت قائم رہ سکتی ہے جب وہ دوسروں کی مدد و استمداد سے بے نیاز ہو بلکہ رشد و ارشاد کیلئے دوسرے حاجتمند لوگوں کیلئے طعام و قیام کا سامان مہیا کر کے ان کو طلبِ حق میں یکسوئی سے مشغول رکھ سکے۔

قرآن نے متقیوں کے جو فضائل و خصائص بیان کئے ہیں اس میں ایک مابہ الامتیاز خصوصیت یہ بھی بتائی ہے "وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ یُسْرِفُوْا وَلَمْ یَقْتُرُوْا وَکَانَ بَیْنَ ذٰلِکَ قَوَامًا" (یعنی متقی وہ لوگ ہیں کہ جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ اپنی حیثیت سے زائد خرچ کرتے ہیں اور نہ کم۔ نہ اپنا پیسہ فضول اڑاتے ہیں اور نہ کنجوسی کرتے ہیں بلکہ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔) اللہ کے نزدیک سب سے مبغوض چیز یہ ہے کہ امتِ رسولؐ دوسروں کے سامنے دستِ سوال دراز کرے۔ گداگر بنے اور آبرو بگڑے۔ انسان کی عزت اسی وقت تک ہے جب تک اس کی مٹھی بند رہے۔ اور اس کا ہاتھ کسی کے سامنے نہ پھیلے۔ جہاں پھیلا عزت ختم ہوئی مال کا تحفظ آبرو کا بہترین ذریعہ ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ بہترین مال وہ ہے جس سے عزت و آبرو کا تحفظ کیا جائے۔ روپیہ قرآنی الفاظ میں زینتِ حیات ہے۔ "بے زر بے پر ہے"۔ جو شخص آئندہ تحفظ کیلئے محنت کر کے روپیہ پیدا کرتا ہے۔ وہ گویا اللہ کی راہ میں محنت کرتا ہے۔ عبداللہ ابن عمرو بن العاص اور عنبسہ ابن ابی سفیان سے جاگیر کے متعلق کچھ جھگڑا ہوا۔ صورتِ حال کی نزاکت دیکھتے ہوئے حضرت خالد ابن العاص نے سمجھانا چاہا۔ حضرت عبداللہ نے بے باکانہ فرمایا کہ خالد! کیا تمہیں علم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو آدمی اپنے مال کی حفاظت میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے۔[1]

حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کپڑے کے بہت بڑے تاجر اور دولتمند تھے۔ انھوں نے حضرت امام محمدؒ کی صلاحیتوں کو پرکھ کر ان کی ساری کفالت اپنے ذمہ لے لی۔ اور وہ ان کے مایۂ ناز شاگردوں میں شمار ہوئے۔ اگر امام صاحبؒ اتنے دولتمند نہ ہوتے تو کس طرح ہونہار شاگردوں کی صلاحیتوں کو بار

---

[1] مسند احمد ج دوم۔ ص ۲۰۶۔

آور ہونے کا موقعہ دیتے۔ ایسی ہزارہا مثالیں عہد رسالت۔ عہد خلفائے راشدین۔ عہد تابعین و تبع تابعین میں ملتی ہیں کہ جب دولتمند علماء۔ صلحاء۔ فقراء نے دولت کو برتا۔ اس سے خود فائدہ اٹھایا۔ اپنے وقار و معاشرت میں اپنی عزت کو برقرار رکھا اور دولت کو ذریعہ عمل خیر سمجھا نہ کہ صرف اپنے لئے آلۂ لذتِ نفس وعیش و عیاشی بنایا۔[1] قرآن کریم کی یہ آیت بھی "رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ۔ اور وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ (ان لوگوں کو نہیں غافل کرتی تجارت اور فروخت اللہ کے ذکر سے) اور جو ہم نے ان کو دیا ہے اسے وہ خرچ کرتے ہیں۔ اسی بات کی شاہد ہے۔ حضرت مولانائے رومؒ نے بھی اس کی تفسیر کی جو حضرات انبیائے علیہم السلام تعلیم فرما گئے ہیں ؎

چیست دنیا از خدا غافل بُدن　　　نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

(یعنی دنیا سے مراد اللہ تعالیٰ سے غافل رہنا ہے نہ کہ لباس فاخرہ۔ سیم و زر اور اہل و عیال کی طرف مشغول ہونا)

حضرت امام احمد غزالیؒ کی دولت و ثروت اور جاہ و حشم کے معیار کو دیکھ کر مخالفین اور معترضین نے شدت سے ان کو ہدفِ ملامت بنایا۔ اور آخر کو دل کی بات زبان پر لا کر اعتراض داغ ہی دیا کہ "حضرت آپ اپنے کو درویش سمجھتے ہیں اور اس قدر اونٹ و گھوڑوں کے مالک ہیں"۔ آپ نے یہ سنکر فرمایا کہ "میخ طویلہ در گِل زدہ ام نہ در دِل"۔ یعنی یہ تمام دنیاوی لوازمات میرے قلب کی یکسوئی کے مانع نہیں (بلکہ معاون ہیں)۔ "میں نے طویلہ کی میخیں مٹی میں گاڑی ہیں نہ کہ اپنے دل میں"۔

صوفیائے کرام میں حضرت غوث الاعظم سیدنا شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے عہد رشد و ہدایت میں نہایت شان و جلال اور کر و فر سے رہتے تھے۔ آپ کا ملبوس نہایت قیمتی کپڑے سے بنتا اور آپ نہایت اعلیٰ قسم کا کھانا بھی نوش فرماتے تھے۔ ایک بار آپ کے ٹھاٹ باٹ و طرزِ رہائش پر کسی نے اعتراض کیا تو آپ نے فرما کر اس کا خطرہ دور کیا کہ مردے کا کفن بھی قیمتی ہی ہونا چاہیئے گویا جس نے اپنے نفس کو مردہ کر دیا اس کیلئے دیبا و حریر۔ ٹاٹ و صوف یکساں ہیں۔ حافظؒ ؎

گر طہارت نبود کعبہ و بت خانہ یکے است　　　خیر ہا شد نہ دراں خانہ کہ عصمت نبود

یہ حفظ عصمت اور صفائی قلب ہی اصل الاصول ہے۔ جب قلب تمام دنیوی آلودگیوں سے پاک ہو کر خلوت خانۂ محبوب ہو گیا۔ تو اس نور و نورانیت کے مقام میں سیم و زر۔ لعل و جواہر کی چمک دمک

---

[1] صحاح ستہ۔ مسند امام احمد ابن حنبلؒ۔ طبقات ابن سعد۔ اسد الغابہ۔

بے حقیقت و بے نور ہو جاتی ہے۔ لیکن ظاہر بیں حضرات جو باطن کی کیفیات اور صوفیاء کے حال و مقام سے بے خبر ہیں۔ بقول حضرت جگرؔ سے

ناصح کم نگاہ سے کون یہ کہہ کے سر کھپائے　　　رازِ شکستگی سمجھ۔ رنگ شکستگی نہ دیکھ

ان حام کار موٹی عقلوں کے خاکی پتلوں کو کون سمجھا سکتا ہے یہ تو اس گروہ میں ہیں بقول حضرت سعدیؒ سے

شور بختاں بہ آرزو خواہند　　　مقبلاں را زوالِ نعمت وجاہ

یعنی یہ بدبخت و بے نصیب تو ہر وقت بوجہ حسد اسی آرزو و تمنا میں رہتے ہیں کہ کسی طرح مقبولانِ بارگاہ کی جاہ و نعمت کا زوال ہو۔ خواہ ان کو خود اس سے کچھ نفع نہ حاصل ہو۔ اس کینہ خصلت سے جس کا شمار بدترین صفاتِ ذمیمہ میں ہے۔ خو. حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد پناہ مانگا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مَحْسُوْدًا وَلَا تَجْعَلْنِیْ حَاسِدًا (یعنی اے اللہ مجھے محسود بنانا لیکن حاسد نہ بنانا) یہ دولتِ دنیا بھی ان حضرات کیلئے ایک نوع کا رنگِ شکستگی ہے۔ جب یہ تیرہ بخت ظاہر بیں عیب جو نظروں سے ان کے عزت و وقار۔ جاہ و جلال۔ دولت و ثروت کو دیکھتے ہیں تو حسد سے جل اٹھتے ہیں اور مقدور بھر طنز و تعریض اور حاسدانہ تبسم کے تیر و نشتر سے ان کے دلوں کو چھلنی کرنے میں کوشاں رہتے ہیں یہی ان کی شکستگیِ دل کا باعث بن جاتا ہے۔ اور وہ اپنے صبر و تحمل سے بہرحال فائدہ میں رہتے ہیں۔ اَنَاعِنْدَ الْمُنْکَسِرَۃِ قُلُوْبُھُمْ لِاَجْلِیْ (حدیث قدسی) (یعنی میں شکستہ دلوں کے قریب رہتا ہوں۔

ماضی بعید کے حضرات صوفیاء کرامؒ کے علاوہ ماضی قریب و حال میں بھی اکثر صوفیائے کرام کا تموّل زباں زد خاص و عام رہا ہے اور ان کے رموزِ باطنی سے ناواقفیت و جہالت کی بنا پر طنز و مزاح اور روبہ طعن و تشنیع رہا ہے۔ ان کے خانقاہی اخراجات کے باعث ان کو ہمیشہ ہدفِ ملامت بنایا گیا۔

حضرت نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کا لنگر دیگر صوفیاء کی طرح نہیں تھا کہ بندھی کی دال روٹی کا تبرک تقسیم ہو جائے۔ اور سب ملکہ آئندہ و روند اور دائمی قیام کرنے والوں کو ان کی حسبِ خواہش و فرمائش کھانا ملا کرتا تھا۔ اور آپ کا خود یہ عالم تھا کہ دو تین تولے تناول فرما کر آب دیدہ ہو جاتے اور یہ خیال ان کو تڑپا دیتا تھا معلوم اس وقت کتنے بندگانِ خدا دہلی میں بے آب و دانہ بیتاب و مضطرب ہو گئے۔ فیض و کرم کا بحرِ ناپید اکنار لاکھوں حاجتمندوں کی حاجت روائی کا سامان مہیّا

کیا کرتا اور ان کو سیر و سیراب کیا کرتا۔

حضرت قطب الدین بنیا دل قلندر جونپوریؒ اور ان کے مابعد سلسلۂ علیہ قلندریہ کے اولیاء اللہ بڑے پیمانے پر کاشتکاری کرتے تھے۔ اور اسی پیشہ کے ذریعہ طالبین کا کشود کار فرماتے تھے۔ صدہا طالبین شہر کی مساجد میں آپ حضرات کے مہمان ہو کر قیام کرتے اور سلوک طریقت طے کرتے۔ حضرت شاہ مجتبیٰ معروف بہ شاہ مجا قلندر لاہر پوریؒ (شاہجہاں اور دارا شکوہ کے معتقد علیہ) قادری الطریقت و قلندری المشرب بزرگ تھے۔ میرے علم میں سلسلۂ علیہ قلندریہ میں باقاعدہ خانقاہی نظام کے آپ ہی بانی تھے۔ بہت بڑی جاگیر د جائداد کے مالک تھے۔ ایسا کہ ہر طالب صادق کو ان کے اہل و عیال کے کفالت کی ذمہ داری اور فکر سے آزاد و بے نیاز رکھنے کیلئے کم از کم دو سو روپیہ سالانہ عطا فرماتے تھے تاکہ وہ فکر دنیا سے آزاد و بے نیاز ہو کر ان کی خدمت میں قیام کر کے مدارجِ سلوک طے کر سکیں۔

الغرض فیض عالم کے سامان کیا دولت کے رہین منت نہیں۔ کیا جذبۂ خدمتِ خلق اور فکر رفاہِ عام بروئے کار آسکتا تھا اگر اولیاء اللہ حسبتاً للہ یہ جائز کسب دولت نہ کرتے۔ ظاہری شان و ٹھاٹ رکھتے ہوئے بھی وہ دل کو گنجینہ معرفت و خزینۂ محبتِ حق بنائے تھے۔ ان کے دل حرصِ مال وحُبِّ دنیا سے پاک اور ان کے قلوب ہمہ وقت جلوہ گاہِ حق بنے رہے۔ باوجود کسبِ معاش میں مشغول رہنے اور دولتمند ہونے کے ان کا رابطۂ مع اللّٰہی اسی طرح قائم رہا اور قلب جلوۂ محبوب کی طرف منجذب رہا۔ جس طرح لوہا جس وقت بھی مقناطیس کے مقابل ہوتا ہے اس کی طرف کھنچ جاتا ہے۔

کیا یہ سب حصولِ دولت صرف اپنی آسودگیٔ نفس کیلئے تھا؟ ہرگز نہیں۔ ان صوفیاء کی ذاتی زندگی سادگی کی ایک نمونہ تھی۔ وہ اس دنیا میں مسافرانہ زندگی گزارتے تھے۔ رسول اللہ کا حکم ہر وقت ان کے دل و دماغ میں رچا بسا تھا "کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل فلا تو اخذ کر اللہ و طاعتہ (یعنی دنیا میں ایک مسافر (پردیسی) یا راہ گیر کی طرح رہو اور اللہ کا ذکر اور اس کی اطاعت لازم کر لو) حصولِ دنیا کے پاپڑ وہ صرف اس لئے بیلتے رہے کہ دکھے ہوئے اور زخمی دلوں کے لئے سامان مرہم فراہم کرتے رہیں۔ سہ

چاہتا ہے عشق رازِ حسن عریاں کیجئے یعنی خود کھو جائیے انکو نمایاں کیجئے

مسند الوقت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ "شیخ وقت اور کامل کیلئے با اقتدار و مہذب و متمدن ہونا ضروری ہے[1]"۔ دوسری جگہ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ بزرگؒ (والد محترم) نے یہ اشارۂ غیبی مجھے ہمراہ لے کر یہ دعا مانگی کہ "اللھم اعطنا مالا وولدا و شرح صدر فی الدنیا و اسلاما عند الموت و مغفرۃ بعد الموت و فردوسا فی الجنۃ"۔ (اولیں دعا مال و دولت کی طلب ہے)

رازِ درون پردہ ز رندان مست پرس اے مدعی نزاع تو با پردہ دار چیست

وہ پردہ دار جو اپنی خوبیوں۔ اپنے روحانی و باطنی مقامات کو برسرِ عام و عامی نظروں سے چھپائے ہوئے ہیں۔ جو نیک نامی و شہرت کی ہوس سے کوسوں دور حالتِ اخفا و کتمان میں اپنے حال و مقام کو صیغۂ راز میں رکھنے کی کاوشوں میں مشغول ہیں۔ ظاہر بیں نگاہیں کیا جانیں کیا سمجھیں کہ یہ اس دولتِ دنیا کے حصول اور دنیاوی کاروبار میں ظاہری انہماک سے کیا کیا باطنی اور روحانی مصالح ہیں۔ "دل بہ یار و دست بہ کار" رہنے کو خصوصاً حضرات نقشبندیہ خاص روحانی عمل قرار دیتے ہیں جس کیلئے سر حلقۂ نقشبندیاں خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ نے "خلوت در انجمن" کی خاص اصطلاح ایجاد فرما کر اپنے مسترشدین کو اس کی خاص تعلیم فرمائی۔ سطحی نظریں اور ظاہر پر ٹھہر جانے والی بصیرت سے عاری آنکھیں کیا جانیں کہ ان اولیاء اللہ کا کیا طریقۂ سلوک اور کیا مسلک رہا ہے۔ اور اپنے پیرووں کو باطنی دولت سے مالا مال کرنے کے کیا کیا طریقے اختیار فرمائے۔ صرف عبادتِ بدنی اور جسمانی مجاہدے اور ریاضتیں کافی نہیں بلکہ عبادتِ مالی اور دیگر بیشتر طریقے ہیں۔ جن کے ذریعہ مسترشدین کی اصلاح نفس و باطنی ترقی ہوتی ہے۔ اور یہ ہر شخص کے حسبِ حال و حسبِ مزاج و فطرت ہوتا ہے۔

آج یہ رفاہِ عام کی جو جلوہ نمائیاں ہیں خانقاہوں میں اوقاتِ مقررہ کا اہتمام لاکھوں روپیہ حاضرین و طالبین حق مہمانوں کے قیام و طعام پر خرچ کرنا اور طالبین کو جذب و سرمستی و عرفان و اخلاق کی تعلیم دینا۔ یہ آج ہزارہا دینی مدارس ہیں علوم و فنون کی ترویج اور یہ نئی نئی سائنسی ایجادات جن سے انسانی زندگی کو مادی سکون دیا جا سکے، کیا دولت کی بدولت نہیں؟ ہاں یہ سب موقوف ہے دولت کے صحیح و صائب استعمال پر۔ ان صوفیاء کرام کیلئے اس کسب دولت کی علتِ غائی یہ تھی کہ عام

---

[1] الصوالح الجلی

لوگ یہ جاننے اور سمجھنے کی کوشش کریں کہ اگر دولت باعثِ صد زحمت ہے تو بے شمار رحمتوں کا ذریعہ بھی ہے۔ اور ان میں یہ بصیرت پیدا ہو جائے کہ وہ اس رمزِ اکتسابِ دولت کو پالیں۔ اور ظاہر سے ترقی کر کے باطن کی حقیقت کو سمجھیں اور پائے نظر کو آزادی دیں۔ اور خود بینی اور خودی کی زنجیروں کو توڑ کر ان اولیاء اللہ کی کاوشوں اور کوششوں کا عرفان حاصل کر کے عارف اور حقیقت بین بن سکیں۔ یوں تو ہمیشہ سے صوفیائے کرام ہدفِ ملامت بنتے رہے۔ مگر فی زمانہ اس گروہ کے صوفیاء جن کو اسباب معیشت میسّر تھے یا ہیں ان پر طعن و طنز عام شعار اور فیشن ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم بلا استثنا طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں سے

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی　　　گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن

یہ طنز ان کی ذہنی و دماغی کاوش ہے جو مستشرق فلسفی نطشے کے دل کو مومن اور دماغ کو کافر کہتے ہیں۔ سے

قلبِ اُو مومن دماغش کافر است

حالانکہ مومن کا قلب ہی عرش اللہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم اپنے فلسفیانہ ذہن و دماغ کو ہی اپنا رہبر بنائے رہے لہٰذا وہ کیوں عیب جوئی میں اپنے کو اوروں سے پیچھے رکھتے جن کیلئے بجلی کی روشنی اور کلبۂ ریاضت کی تاریکی ایک ہو۔ جسے جلوۂ حق کا نور ہمہ وقت اندھیرے اجالے نظر آتا ہو۔ اس کی نگاہ میں ہزاروں واٹ بجلی کے بلب کی روشنی کی کیا حقیقت۔ یہ شعر مریدین کیلئے سامانِ عبرت فراہم کرتا ہے۔ مرید کا یہ خطرہ کہ وہ پیر کے ظاہری اسباب پر حسد کرے اس کی محرومی و خسران الآخرۃ کا باعث ہو گا کیونکہ اس قسم کے خطرات اس کی ارادت کو سوخت کرتے ہیں۔ جب ارادت ہی نہ رہی تو پھر سوا منافقت و تیرگی کے اس کے دل میں کیا باقی رہا۔ سے

مے کہ بدنام کند اہل خرد را غلط است　　　بلکہ مے می شود از صحبتِ ناداں بدنام

اگر دولت کو امانت و ملکِ الٰہی سمجھ لیا جائے۔ اگر دولت کے حصول کا مقصد حکمرانوں و اُمراء پر خود سے بے نیازی ہو اگر ذرائع و وسائل دنیاوی حاصل ہونے کے بعد جراتِ اخلاقی اور جذبۂ معرفت و خدا شناسی۔ تعلق مع اللہ زندہ و تابندہ و بیدار رہے۔ تو باعثِ برکت و سعادتِ اخروی ہے۔ اربابِ ظاہر پرست جو صوفیاء کرام کے حال و مقام سے بے خبر ہیں ان کو اس کا استحقاق نہیں کہ وہ ان حضرات

پر حرف گیری کریں۔ اور ہدفِ ملامت بنائیں۔ سے

زاہدِ ظاہر پرست از حالِ ما آگاہ نیست — در حقِ ما انچہ گوید جائے ہیچ اکراہ نیست

میرا مقصد ہرگز موجودہ دور کے خود ساختہ و نام نہاد بلکہ نقال پیروں کی تائید اور ان کے افعالِ بد کی توجیہہ نہیں ہے جو صوفیار کے لباس میں اپنی نااہلی و عاقبت فروشی کے ساتھ اپنے اسلاف کرام کی استخوان فروشی کر رہے ہیں جن کا نہ سلسلۂ طریقت صحیح و متصل ہے اور نہ جن کو اجازت و خلافت و جانشینی کی اصلیت و اہمیت کا بوجہ جہالت و نفسانیت علم ہے۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ صوفیار کرام نے کیا اصول و قواعد اس کیلئے مقرر و مرتب فرمائے ہیں جو صرف دعا و تعویذ کا پیشہ اختیار کرکے اپنی چرب زبانی و پرفریب باتوں سے اور بھوت پریت۔ آسیب۔ جادو۔ ٹونا کی جھوٹی کہانیاں سنا سنا کر عوام کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں۔ "لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل[1]" (آپس میں ایک دوسرے کا مال دغا و فریب سے نہ کھاؤ) کی خدائی تنبیہ و تہدید سے اپنے کو دیدہ و دانستہ اندھا بنائے ہیں۔ دعا۔ تعویذ و اعمال کو بعض متاخرین صوفیار نے صرف رفاہِ عام کیلئے اختیار کیا لیکن اس میں بھی ان کو سخت مجاہدات کرنے پڑتے ہیں۔ جلب منفعت و تجارت ہرگز مقصد نہ تھا۔ ان چیزوں کو تصوف یعنی علمِ طریقت و معرفت و درویشی سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ افسوس و شرم سے اس بات کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ موجودہ دور کے بیشتر نام نہاد فقیر صوفی اپنے اسلافِ کرام کے اصولوں کو پامال کرکے خود بھی موردِ طعن و طنز بن رہے ہیں اور دوسروں کو بھی بدنام کر رہے ہیں۔ سے

پیراہن رنگیں سے شعلہ سا نکلتا ہے — غافل ہیں وہ کیا جانیں دامن کہیں جلتا ہے

مگر یہ کلیہ بھی ماننا پڑے گا کہ "تعرف الاشیاء باضدادھا" (یعنی اشیار کی شناخت انکی ضد سے ہوتی ہے) اگر نقل نہ ہو تو اصل کیسے پہچانا جائے۔ اگر کفر نہ ہوتا تو اسلام کیسے پہچانا جاتا۔ اگر بدیوں و برائیوں کا وجود نہ ہوتا تو اچھائیوں و نیکیوں کا لفظ بے معنی ہو جاتا۔

زیرِ نظر اوراق میری اسی تمہید کا ایک عکس ہیں جو نقشبندیوں کے قافلہ سالار حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے حالات پر مشتمل ہے وہ بیک وقت بوریا نشین فقیر بھی تھے اور صاحبِ اورنگ و سریر بھی۔

---

[1] بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ جو شخص جھوٹ بول کر فریب دیکر دوسرے کا مال کھاتا ہے اس کی نماز روزہ کوئی بھی عبادت قبول نہیں ہوگی۔ وہ دوزخ کے انگارے کھاتا ہے۔

12868

واضح رہے کہ یہ وہی ممتاز اور عظیم المرتبت شخصیت ہیں جن کے سلسلہ میں آپ کے معاصر حضرت مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامیؔ نے اپنی ہر تصنیف میں حمد و نعت کے بعد ایک عنوان قائم کیا ہے اور ان کی بزرگ شخصیت پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کو خوب سراہا ہے۔ ان کی عظمت و جلال کا ذکر بڑی شد و مد اور کروفر سے کیا ہے اور ان کو اپنا استاد اور مخدوم لکھا ہے۔ مثنوی تحفۃ الاحرار میں تحریر کرتے ہیں ؎

زد بہ جہاں نوبتِ شاہنشہی — کوکبۂ فقر عبید اللّٰہی

آنکہ زحریتِ فقر آگہ است — خواجۂ احرار عبید اللہ است

گشتہ ملائک مگسِ خوانِ او — راتبہ خوار از شکرستانِ او

تاریخ کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ بادشاہوں اور امراء کے حالات کو مکمل تاریخ کہنا اگرچہ اس علم کی جائز وسعت کو بے جا طریقہ سے محدود کر دینا ہے۔ جو تصنیفات دورِ ماضیہ کے حکمرانوں بادشاہوں کے حالات اور ان کے عہد کے چند حیرت انگیز واقعات تک محدود ہوں۔ مؤرخ کیلئے یقیناً ناکافی ہوتے ہیں اسی لئے ضرورت ہوتی ہے کہ وہ دوسرے ذرائع سے تفتیش و تحقیق کر کے دنیا کے سامنے تاریخ کا ایک حد تک مکمل خاکہ پیش کرے۔

صوفیاء کے ملفوظات اور تذکروں کا مطالعہ ایسے واقعات کیلئے نہایت ہی مفید ثابت ہوا ہے۔ اس لئے کہ اکثر ایسے واقعات کا ان سے انکشاف ہو جاتا ہے جن پر اکثر و بیشتر مورخین نے توجہ دینا ضروری نہیں سمجھا۔ ملفوظات اور تذکروں سے روزمرہ کی زندگی کا طریقہ اور عوام کی معاشرتی و تمدنی ترقی کا بھی پتہ چلتا ہے۔ جو علم تاریخ کا جزوِ اعظم ہے مگر ان تمام امور سے الگ ایک وجہ اور بھی ہے جس سے ملفوظات اور تذکرے تاریخی حیثیت سے انتہائی قابلِ قدر ہیں۔ فقراء کی خدمت میں امیر و غریب۔ شاہ و گدا ہر طبقہ کے لوگ اپنی اپنی حاجتیں لے کر آتے ہیں تھے۔ اور ضرورتاً بر سبیلِ تذکرہ بکثرت واقعات اور صحیح حالات و معاملات بیان کر جاتے تھے۔ جن میں سے اکثر ملفوظ نگار اور تذکرہ نویس نے محفوظ کر لئے۔ یہ واقعات عام طور پر یقیناً صحیح ہوتے تھے۔ اس لئے کہ غلط بیانی تو شے دیگر ہے۔ پیر و مرشد سے قلبی کیفیات کا اخفا بھی اس عہد میں اعتقادی حیثیت سے گناہِ کبیرہ سمجھا جاتا تھا۔

سلاطینِ خلجیہ کے دور کا واقعہ ہے۔ سلطان جلال الدین خلجی شہنشاہِ ہند کے جاہ وجلال کا وقت تھا۔ حضرت امیر خسرو اس کے خاص معتمد تھے۔ اور حضرت نظام الدین اولیاء کے قلب ونظر میں سمائے ہوئے تھے۔ ایک بار شہنشاہ نے بلا اطلاع حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ حضرت محبوب الٰہی بادشاہوں کی ملاقات سے حتی الامکان گریز فرماتے تھے۔ بادشاہ نے حضرت امیر خسرو سے معلوم کر لیا کہ حضرت کس وقت مل سکتے ہیں اس کے ساتھ یہ بھی تاکید کردی کہ میرے اس ارادے کی اطلاع خبردار حضرت کو نہ ہونے پائے۔ حضرت امیر خسرو کو اس وقت تو بادشاہ سے وعدہ کرنا پڑا مگر گھر پہنچ کر عقیدت ومحبتِ مرشدی نے سخت گیری کی۔ نفسِ لوامہ نے گرفت کی۔ اپنے محرم راز سے رازِ شاہی کا اخفا کچھ پسند نہ آیا۔ حضرت کی خدمت کی حاضر ہوئے اور بلا خوف بادشاہ کے ارادے سے مطلع کردیا۔ چنانچہ آپ وقت مقررہ پر دہلی سے باہر تشریف لے گئے اور بادشاہ کو مایوس ودل گرفتہ واپس جانا پڑا۔ دوسرے روز جب امیر خسرو دربارِ شاہی میں حاضر ہوئے تو بادشاہ نے ان سے سخت باز پرس کی اور پوچھا کہ یہ جرأت تم نے کیسے کی؟ انھوں نے بلا خوف لومۃ لائم صاف صاف کہہ دیا کہ گھر پہنچ کر دل نے ملامت کی کہ پیرومرشد سے جو بادشاہِ حقیقی کا مَظہر ومُظہر ہے کچھ چھپانا نارضامندی کا باعث ہوگا۔ بخلاف اسکے ظاہر کر دینے میں آپ کی ناراضگی وخفگی کا اندیشہ ہے جس سے صرف دنیاوی سزا اور تکالیف جھیلنا پڑیں گی اسی لئے میں نے آپ کی خفگی کو بہت آسان سمجھا اور حضرت کو اطلاع کردی۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عقیدت مند امرا اور درباریوں کی زبان سے جن واقعات کا تذکرہ اپنے معتقد علیہ صوفیاء کے سامنے ہوتا تھا ان کی صحت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں اسی لئے ملفوظات وتذکرے جس حد تک تاریخی واقعات کا پتہ دیتے ہیں ان کی شہادت بڑی وقیع اور قابلِ قدر ہے۔

زیرِ نظر تذکرہ کا ماخذ دراصل چار مخطوطات ہیں جن میں سے اصل ماخذ مقاماتِ عالیہ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار (حصہ اول معروف بہ سلسلۃ العارفین وحصہ دوم تذکرۃ الصدیقین) ہے۔ یہ شیخ محمد قاضی خلیفۂ خاص حضرت خواجہ صاحبؒ کی تالیف ہے۔ یہ کتاب سمرقند کے شاہی کتب خانہ میں رہی ہے۔ دونوں حصوں پر شاہی کتب خانہ کی مہر ہے۔ ۱۰۵۹ھ پڑھا جاتا ہے۔ سنہ کتابت نہیں درج ہے۔ صفحات ۵۲۴۔ بخط خفی خوشخط۔

دوسرا ماخذ فقرات خواجہ عبیداللہ احرار ہے۔ صفحات ۱۲۷۔ سطریں ۱۷۔ بخط خفی خوشخط۔ یہ نسخہ حضرت شیخ محمد معصوم لاہوری خلیفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی و شیخ عبیداللہ صدیقی (خالِ کبیر حضرت شاہ صاحب) نے اپنے دوست خواجہ محمد امین ولی اللہی کی فرمائش پر شاہ صاحبؒ کے سفر حج ۱۱۴۱ھ میں لکھ کر پیش کیا تھا۔

رشحات عین الحیات تالیف علی بن حسین الواعظ الکاشفی المشتہر بالصفی۔ مالکِ ایں رشحا علی بن محمد نصیر الدین الحسینی الواعظ۔ رباعی ملا جامی در مدح "رشحات"

من ناحیۃ الوصال جبت نفحات	فالتاح فوادنا بتنۃ النفحات
در وادیِ ہجر تشنہ لب مردیم	آمد ز سحاب لطفِ جاناں رشحات

۹۰۹ھ

مہر علی بن محمد نصیر

یہ چھوٹی تقطیع میں ۴۰۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں فہرست بھی درج ہے۔ جس میں صدہا عنوانات قائم کیے ہیں۔ بہت خوشخط اور مطلا ہے۔ یہ نسخہ مولفِ کتاب کی ملک اور مطالعہ بھی رہا ہے جس پر ان کے دستخط اور مہر بھی موجود ہیں۔ ان کے ہی ہاتھ کا لکھا ہوا وہ مذکورہ بالا قطع تاریخ بھی ہے جو راقم الحروف کی نظر سے اب تک کسی دوسرے مطبوعہ وغیرہ مطبوعہ نسخہ میں نہیں گذرا۔

رشحات کا دوسرا نسخہ بہت خوشخط و مطلا و محشی بھی ہے۔ اور بہت صحیح ہے۔ یہ بھی یقیناً تاشقند یا سمرقند کے شاہی کتب خانہ کا ملک تھا۔ جو بعد کو دیگر امرا کے پاس پہنچتا رہا۔ اس نسخہ میں آٹھ عدد مہریں بھی ہیں جن کو سیاہ روشنائی سے مٹایا گیا ہے۔ صرف ایک مہر پر سنہ ۹۱۰ھ پڑھا جاتا ہے۔ یعنی سال تصنیف سے ایک سال بعد۔ نام نہیں پڑھا جاتا۔ دوسری مہر پر نام محمد نور پڑھا جاتا ہے۔ سن نہیں پڑھا جاتا۔ آخری صفحہ پر ختم کتاب کے بعد ایک قرآنی آیت کا عمل کسی دوسرے کاتب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ جس کے آخر میں راقم نے لکھا ہے۔ "تمت رابع رجب کتاب کے آخری صفحہ پر دو مہریں اور ہیں وہ بھی سیاہ روشنائی سے مٹا دی گئی ہیں۔ جلی قلم سے یہ عبارت ہے۔ "در سنہ ۹۲۰ھ دار السلطنت تاشکند"۔ نیچے کی مہر مٹی ہوئی ہے۔ دوسری جگہ لکھا ہے۔ "در تاریخ ...... سنہ ۱۰۲۹ھ در دار الملک کابل بقیمت شش روپیہ خرید شد"۔

اکابرِ صوفیائے کرام کے ملفوظات کی بکثرت تعداد دستیاب ہوتی ہے۔ ہم اس وقت ان

میں سے صرف انھیں چار کو سامنے رکھ کر تبصرہ کر رہے ہیں تاکہ سلسلہ نقشبندیہ کے ایک مشہور و معروف بلکہ سرحلقۂ اولیائے عہد بزرگ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ سمرقندی کے تاریخی واقعات اور حالات ناظرین کے سامنے پیش کریں جن کو خاص طور بادشاہوں اور امراء کی اصلاح کیلئے اللہ نے مقرر فرمایا ہے۔ ان کی ہی اتباع و پیروی حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے کی۔ حضرت کے مفصل حالات۔ واقعات۔ ملکی خدمات۔ سیاسی اثرات اور تعلیمات کی مکمل سوانح حیات کو ایڈٹ کرنے سے پیشتر یہ ضروری ہوگا کہ پہلے ان کی تاریخی حیثیت ناظرین کے سامنے پیش کر دیں تاکہ واقعات کی صحت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔ اس موقعہ پر بھی بغرض تعارف یہ یاد دلا دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار وہی امیر الامراء بزرگ ہیں جن کے نام سے حضرت مولانا جامیؒ نے اپنی بیشتر تصانیف میں حمد و نعت کے بعد ایک عنوان آپ کی منقبت میں قائم کیا ہے۔ اور ۳۵ اشعار صرف "یوسف و زلیخا" میں نظم کئے ہیں جن میں سے یہ شعر ؎

چو فقر اندر قبائے شاہی آمد — بہ تدبیر عبید اللّٰہی آمد

بہت زباں زد ہوا ہے۔ آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے طریقتاً جد ہیں۔ تاریخ کی بہت سی کتابوں میں آپ کا تذکرہ ہے۔ بابر نے اپنے چچا سلطان احمد مرزا بادشاہِ سمرقند کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے مرید تھے۔ بادشاہِ مذکور کو اتنی بڑی سلطنت آپ نے ہی اپنے تصرف و قوت باطنی سے عطا فرمائی جس کا دلچسپ و مفصل واقعہ سلسلۃ العارفین میں مذکور ہے۔ وہ حضرت کے سامنے نہایت درجہ کا ادب و احترام کا لحاظ رکھتے تھے۔ حضرت کی محفل میں کبھی انھوں نے ایک زانو دوسرے زانو پر نہیں رکھا۔ تمام عمر میں اپنی عادت کے خلاف صرف ایک مرتبہ سلطان احمد بادشاہ کی محفل میں پیر جوڑ مؤدب بیٹھا۔ اس کے واپس جانے کے بعد حضرت کے اشارہ سے اسکی نشست کی جگہ دیکھی گئی تو وہاں ایک بڑی نوک دار ہڈی ملی جس کی وجہ سے مجبوراً سلطان احمد کو خلاف معمول کرنا پڑا۔ وہ دو زانو نہ بیٹھ سکا۔ بادشاہ سلطان احمد کے باپ سلطان ابو سعید مرزا کو بھی حضرت خواجہ سے نہایت عقیدت تھی۔ صاحب تاریخ حبیب السیر لکھتے ہیں کہ۔

سلطان ابو سعید کہ در تمشیت امور ملک و	سلطان ابو سعید ملکی اور مذہبی معاملات
ملت پیوستہ با حضرت خواجہ مشورت می کرد	میں حضرت خواجہ عبید اللہ سے مشورہ کرتا تھا

وازغایتِ نیازمندی گاہے پیادہ برابر آپش رفتہ لوازم کمالِ ارادت بجامی آوردے

اورنہایت نیازمندی سے آپکی سواری کے ساتھ پیدل چلکر اپنی کمالِ عقیدت مندی کا ثبوت پیش کرتا تھا

رشحات میں جہاں مولنا جامی کے اور معنوی استادوں کا ذکر ہے وہاں ان کے پیرومرشد یعنی خواجہ ناصر الدین عبیداللہ سے نہایت ہی بے پناہ محبت وعقیدت کے رشتہ سے وہ اپنے آپ کو آخر عمر تک منسلک کئے رہے۔ علی اصغر حکمت اپنی کتاب موسومہ بہ جامی" میں لکھتے ہیں کہ

"خواجہ ناصر الدین عبیداللہ[1] خراسان اور ماوراءالنہر میں طائفہ نقشبندیہ کے رہبر ومرشد اور مولنا جامی کے ہم عصر تھے ۔۔۔۔۔ سلطان ابوسعید گورکان اپنے تمام ملکی معاملات ان کی ہی رائے اور ہدایت سے کرتا تھا۔ نیزان کی ہی وساطت وشفاعت سے اس کو ہر کام میں مقبولیت اور فتح حاصل ہوتی تھی۔ ایک بار محض خواجہ کے فرمانے اور پھر تقاضا کرنے پر سمرقند وبخارا کے لوگوں سے ٹیکس معاف کردیا تھا[2]"

جب اس نے اپنے دارالسلطنت کو سمرقند سے ہرات منتقل کیا تو دوبار خواجہ کو خراسان سے تشریف لانے کی دعوت دی۔ چنانچہ اسکی درخواست پر آپ پہلی بار ہرات تشریف لائے اور دوبارہ مرو۔

معین الدین اسفزاری اپنی مؤلفہ کتاب تاریخ ہرات میں آپ کے سفر کے بارہ میں لکھتے ہیں کہ"

"درامضائے عزیمت عراق ازباطنِ آفتاب اشراق حضرت ولایت پناہ خواجہ ناصر الدین عبیداللہ قدس سرہٗ طلب صواب نمائی نمود۔ وحضرت خواجہ ازماوراءالنہر متوجہ خراسان شدٗ۔ چوں بہ مرو رسیدہ سلطان ابوسعید ازمراسم اعزاز وشرائط تعظیم استقبال یک نکتہ نامرعی نہ گذاشت چنانچہ دو نوبت خواجہ بہ مجلس او می آمد۔ بعدازمساورہ ومشاورہ بسیار خاطر بہ عزیمت عراق قرار گرفت بہ حکم آیہ کریمہ وما تدری نفس

جب (سلطان ابوسعید نے عراق جانے کا عزم کرلیا تو حضرت خواجہ ناصر الدین عبیداللہ کے نورِ باطن سے رہنمائی کا طالب ہوا اور اپنے اس سفر کے سلسلہ میں آپ سے مشورے کے لئے عرض کیا۔ آپ (اسکی عرضداشت پر) ماوراءالنہر سے خراسان روانہ ہوئے جب مرو پہنچے تو سلطان ابوسعید نے باہر نکل کر تمام مراسم اعزاز واکرام ادا کئے اور تعظیم استقبال میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا دوبار خواجہ صاحب اسکی مجلس میں تشریف لائے۔ اور باہمی مذاکرہ صلاح ومشوروں کے بعد موافق حکم آیہ کریمہ وما تدری نفس بای

---

[1] جامی ... علی اصغر حکمت۔ تہران (بہمن ماہ) ۱۳۲۰۔ چاپخانہ بانک ملی۔ ایران
[2] تاریخ حبیب السیر جلد سوم۔ جزو سوم صفحہ ۲۲۰

بای ارضٍ تموت رایات فرقد فرسا به جانب عراق نهفت فرمود و حضرت خواجه قدس سرهٗ به طرفِ ماوراءالنهر به سعادت معاودت فرمود[1]"

ارض تموت (ہر نفس اس بات سے لاعلم ہے کہ کس جگہ وہ انتقال کریگا) اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ عراق کی جانب روانہ ہوا۔ اور حضرت خواجہ ماوراءالنہر واپس تشریف لے گئے۔

مولنٰا جامی نے بھی سلسلۃ الذہب کے دفترِ اول میں خواجہ کا مرو تشریف لانا اور بادشاہ کا ان کی تعظیم و تکریم کرنا اور وہ نصائح جو اس سفر میں انھوں نے خود مولنٰا جامی کو کی تھیں نہایت مخصوص انداز میں نظم کیا ہے ؎

خواجۂ بندگانِ کار آگاہ — قبلۂ مقبلاں عبیداللہ
روّح اللہ روح اسلافہ — طوّل اللہ عمر اخلافہ
تافت از التماسِ شاہجہاں — از سمرقند سوئے مروعناں
چوں فرشتہ کہ اند ابرِ خوش آب — خواجہ می راند بارگی بہ شتاب
الحق آں شاہ مسندِ ارشاد — خبر از حالِ خویشتن می داد الخ

اور اس نظم میں اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ کی بارگاہ اربابِ حاجت کی ملجاء و ماویٰ تھی اور آپ ماوراءالنہر و خراسان میں لوگوں کی مشکلات حل فرمایا کرتے تھے اور نیازمندوں کی خواہش پر (بادشاہوں کو) خطوط وغیرہ بھی لکھ دیا کرتے تھے۔

اہلِ حاجت چو حاجیاں پیوست — زدہ در حلقۂ درِ اُو دست
بردہ از جوئبارِ فضلش بہر — چہ خراساں چہ ماوراءالنہر
دستِ فیاضِ اُو بہ رشحِ قلم — شستہ از لوحِ ملک حرفِ ستم
صورتِ کلکِ اُو کلیدِ نجات — معنیِ خطِ اُو کفیلِ حیات
رقعۂ اُو بہر کہ شد واصل — آیتے یافت ز آسماں نازل
باشد آں چوں نشانِ شاہ شجاع — مایۂ دفعِ ظلم و رفعِ نزاع
ساخت حکمِ شریعت و دیں را — طوقِ گردن ہمہ سلاطیں را

---

[1] جامی۔ ص ۴۷

سعیش از ذیل دیں برائے درست داغ تمنا و لوثِ یر غوشست
آرے او ہست ابرِ رحمت بار ابر راشست و شوئے باشد کار

اپنی مثنوی تحفۃ الاحرار میں جامی نے اپنے انتساب کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے اور ایک قطعہ میں خواجہ صاحب کے ان اقدامات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جو انہوں نے ٹیکس وغیرہ کی منسوخی کے سلسلہ میں کئے ہیں اور مظلوموں کی شاہانِ وقت سے حمایت کی ہے ؎

دادہ چونم کلک گہر ریز را شسۂ ستم نامۂ چنگیز را
خامۂ او کردہ ز نسخ رقاع محو خطِ نامۂ ظلم از بقاع
رقعۂ او نور دہِ ہر سواد بقعۂ او ثانی خیر البلاد
حلقۂ اصحاب کہ گردِ وبند بہرہ وراز ذکرِ زورِ دوبند

اپنی شہرہ آفاق کتاب "نفحات الانس" میں سلسلۂ نقشبندیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ اشعار تحریر فرماتے ہیں اور ان اشعار سے مخاطب دراصل خواجہ عبیداللہ ہی ہیں ؎

نقشبندیہ عجب قافلہ سالا رانند کہ برند از رہِ پنہاں بحرم قافلہ را
از دلِ سالکِ رہ جاذبۂ صحبت شاں می برد وسوسۂ خلوت و فکرِ چلہ را
قاصرے گر زند ایں طائفہ را طعن قصور حاش للہ کہ برآرم بہ زباں ایں گلہ را
ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

(ترجمہ) یعنی حضرات نقشبندیہ عجیب قافلہ سالار ہیں کہ باطن کی راہ سے پورے قافلہ کو حرم ذات تک لے جاتے ہیں۔ ان کی صحبت کے جاذبہ سے سالک کے دل سے خلوت اور چلہ کشی کی فکر کے وسوسے محو ہو جاتے ہیں (یعنی وہ خلوت اور چلہ میں اپنے پیرو مرشد کے حضور کی بدولت کسی وسوسہ میں نہیں پھنستے) اگر کوئی اعتراض کرنے والا اس طائفہ پر طعن کرے تو میری زبان پر اس کا کوئی گلہ نہ آئے گا۔ سارے قلندرانِ عظام یا انسان کامل اس سلسلہ سے وابستہ ہیں۔ لومڑیاں اپنے مکر سے اس سلسلہ میں کیسے دخل انداز ہوں گی۔

اگرچہ شہنشاہ بابر کے بچپن میں ہی حضرت خواجہ صاحبؒ کی وفات ہو چکی تھی لیکن پھر بھی اپنے بزرگوں کے ادب و احترام اور عقیدت کے باعث قدم بہ قدم اسکو بھی آپ سے نہایت درجہ عقیدت

تھی۔ شاہانِ مغلیہ سب ہی آپ کے اور آپ کے جانشینوں کے معتقد رہے۔ چنانچہ بابرنامہ میں ۶؍ نومبر ۱۵۲۸ء روز جمعہ کے واقعات میں بابر لکھتا ہے کہ "ایک بار میرے جسم میں اس قدر حدت بڑھ گئی تھی کہ میں جمعہ کی نماز بڑی مشکل سے پڑھ سکا تھا۔ ۲۷ صفر بروز منگل کو میں نے یہ منت مانی کہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے رسالۂ والدیہ کو نظم کروں اور میں نے دل میں یہ خیال کیا کہ اگر حضرت کی توجہ روحانیت سے مجکو صحت ہوگئی تو میں یہ سمجھوں گا کہ میری یہ نظم بارگاہِ عبید اللہی میں اسی طرح مقبول ہوئی ہے جیسی صاحب قصیدۂ بردہ کی۔ کہ قصیدۂ بردہ کی مقبولیت کے انعام میں ان کو لقوہ و فالج سے صحت ہوگئی تھی۔ چنانچہ میں نے مولنا جامی کی "سبحۃ الاحرار" کے وزن پر نظم کرنا شروع کر دیا۔ گذشتہ سال ایک مہینہ یا چالیس روز گرفتار رہا تھا مگر اس سال خدا کی عنایت اور حضرت کی توجہ سے مجھ کو ۲۹ صفر روز چہار شنبہ کو چھٹکارا مل گیا صرف معمولی سا کسل باقی رہا۔

رشحات اور سلسلۃ العارفین

تاریخ کی کتابوں سے حضرت خواجہ کے متعلق ہم کو ایسے جستہ جستہ حالات ملتے ہیں۔ آپ کی مفصل سوانح حیات اور ملکی و سیاسی خدمات سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے اس کی ضرورت ہے کہ ہم ملفوظات کا بغور مطالعہ کریں۔ بابرنامہ کی مترجم مسز بو برج نے بھی غالباً اسی وجہ سے آپ کے صرف مطبوعہ ملفوظ یعنی رشحات کا مطالعہ کیا تھا جو اسکو دستیاب ہوسکا ہوگا اس نے اپنے ترجمۂ بابرنامہ میں اس سے جا بجا نوٹ بھی لئے ہیں۔ رشحات مطبوعہ صورت میں ۳۰۶ صفحہ سے زائد کی کتاب ہے۔ صرف حضرت خواجہ کا ملفوظ نہیں ہے بلکہ اسمیں عام طور پر سلسلۂ نقشبندیہ کے بیشتر بزرگوں کے حالات ہیں۔ ملا فخر الدین علی بن حسین الواعظ الکاشفی (یعنی خلف الصدق مصنف انوار سہیلی) اس ملفوظ کے جامع ہیں۔ سبب تالیف یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت خواجہ کے آستانہ پر آخر ماہِ ذیقعدہ ۸۸۹ھ اور اوائل ماہِ ربیع الثانی ۸۹۳ھ میں صرف دو مرتبہ وہ حاضر ہوسکے۔ روزانہ جو کچھ آپ کی زبان سے سنتے اسکو اپنے دماغ میں محفوظ کر لیتے اور پھر گھر آکر لکھ لیتے تھے۔ حضرت خواجہ کی وفات کے بعد اس روزنامچہ کی ترتیب شروع کی تاکہ مفارقت کی تکلیف آپ کی یاد سے کم ہوجائے اور دوسروں کو بھی استفادہ کا موقع ملے مگر یہ ملفوظ اپنی موجودہ حالت میں سولہ برس بعد مرتب ہو پایا۔ چونکہ اصل غرض حضرت خواجہ کے حالات کے بیان سے تھی اس لئے بعض بزرگانِ نقشبندیہ

کے کرامات اور ارشادات کے ساتھ بعض دیگر خاندانی حالات بھی اس میں اضافہ کئے گئے۔ کتاب کے خاتمہ پر ایک فارسی تاریخ بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رشحات تاریخی نام ہے ؎

یا بند محاسبانِ سنجیدہ صفات　　تاریخ تمامش ز حروف رشحات

رشحاتِ مطبوعہ میں کتابت کی اتنی زائد غلطیاں ہیں کہ بعض جگہ تو عبارت کا صحیح مفہوم لہٰذا ممکن ہی نہیں۔ رشحات میں دو مزید ملفوظات کا حوالہ ملتا ہے جن سے ہی مولف مذکور نے مدد لی ہے۔ حضرت خواجہؒ کے مخصوص خلفاء واصحاب کے حالات میں حضرت مولٰنا محمد قاضیؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے مصنف رشحات لکھتے ہیں کہ مولٰنا نے حضرت خواجہ کے مناقب میں دو کتابیں تالیف کی ہیں ایک کا نام سلسلۃ العارفین اور دوسری کا تذکرۃ الصدیقین ہے۔ ہر دو کتابیں مطبوعہ نہ ہونے کی وجہ سے نادر الوجود ہیں[1]۔ راقم الحروف کو وہ دونوں کتابیں حضرت مولٰنا حافظ شاہ مجتبٰی حیدر صاحب قلندر قبلہ مدظلہ العالی نے مطالعہ کیلئے مرحمت فرمائیں اور حکم دیا کہ ان کو بغور مطالعہ کرکے شائع کردو ان کے ہی ہمت اور شوق دلانے پر نیز ان کی ہی اعانت اور علمی مدد سے یہ تذکرہ مرتب ہوا۔ چونکہ کتاب پر مصنف کا نام ہے اور کتاب کا نام درج نہیں ہے اس لئے یہ خیال ہوا کہ رشحات سے اس کا مقابلہ کیا جائے۔ رشحات میں حضرت مولٰنا محمد قاضی عبداللہ کے حالات میں لکھا ہے کہ:۔

حضرت مولٰنا محمد قاضی خواجہ صاحب کے جلیل القدر اصحاب میں ہیں۔ انھوں نے حضرت خواجہ صاحب کے فضائل و مناقب میں دو کتابیں تالیف کی ہیں جن کا نام سلسلۃ العارفین اور تذکرۃ الصدیقین ہے۔ اسمیں انھوں نے لکھا ہے کہ حضرت کی خدمت میں میری حاضری کی ابتداء یوں ہوئی کہ کرمان کے ایک طالب علم مولٰنا نعمت اللہ کے ساتھ سمرقند سے ہرات جانے	حضرت مولٰنا محمد قاضی اجل اصحاب حضرت ایشاں قدس سرہ در مناقب و شمائل و خصائص و فضائل آں حضرت کتابہا تالیف کردہ اند مسمّی بہ سلسلۃ العارفین و تذکرۃ الصدیقین در آنجا آوردہ اند کہ ابتدائے ملازمتِ من حضرتِ ایشاں آں بود کہ طالب علم کرمانی مولانا نعمت اللہ از سمرقند

---

[1] حضرت خواجہ صاحب کے حالات جن جن کتابوں میں دیکھے ان سے علم ہوا کہ سب کا اصل ماخذ یہی مجموعہ "سلسلۃ العارفین و تذکرۃ الصدیقین" ہے۔ حضرت خواجہ صاحب کے خلیفہ و داماد میر عبدالاول نے بھی ایک رسالہ "مسموعاتِ خواجہ عبید اللہ احرار" تحریر فرمایا تھا اس کا بھی ماخذ یہی مجموعہ ہے۔

به عزیمتِ ہرات بیروں آمده بودیم چوں بدِہِ "شادماں" رسیدیم و بواسطہ گرمی ہوا توقف کردیم نمازِ دیگر بود کہ حضرتِ ایشاں رسیدہ به ملازمت رفتم پرسیدند از کجائی۔ گفتم از سمرقند۔ بعد ازاں به حکایت مشغول شدند وانچہ درخاطر بود ہمہ را اظہار فرمودند۔ ازاں جملہ سخنے بود کہ فقیر را سرگشتہ ساختہ ازیں ولایت می برد آں را بروجہے اظہار کردند کہ خاطرِ فقیر بجانبِ ایشاں قوی منجذب شد۔[1]

کے ارادہ سے ہم نکلے۔ جب شادماں گاؤں پہنچے تو لوہ اور گرمی کی شدت کی وجہ سے ہم رک گئے۔ ظہر کی نماز کا وقت تھا کہ حضرت خواجہ پہنچے۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا کہاں سے آرہے ہو۔ عرض کیا سمرقند سے۔ پھر آپ گفتگو میں مشغول ہو گئے اور جو کچھ میرے دل میں تھا سب کا بغیر میرے کہے اظہار فرمادیا۔ منجملہ ان کے ایک بات ایسی تھی جو فقیر کو دربدر پھرا رہی تھی اس کا اس طرح اظہار فرمادیا کہ فقیر کا دل آپ کی جانب منجذب ہو گیا۔

تلاشِ بسیار کے بعد اس قلمی ملفوظ میں بعینہ یہ واقعہ ان الفاظ میں مل گیا۔

در ابتدائے آں کہ ایں فقیر جامع ایں جمع و تالیف بخدمتِ حضرتِ ایشاں مشرف شدم آں بود کہ بہ مولٰنا نعمت اللہ طالب علمے کرمانی از سمرقند بہ عزیمتِ ہرات متوجہ شدہ بیروں آمدہ بودیم بہ قریۂ شادماں رسیدیم۔ بمولٰنا نعمت اللہ گفتم کہ ہوا بہ غایت گرم است ...... لحظہ درباغ حضرت خواجہ توقف کنیم تا ہوا بہ اعتدال شود چناں کردیم۔ نماز دیگرے بود کہ شخصے آمد کہ حضرت خواجہ می آیند۔ توقف کردیم لحظہ بود کہ حضرتِ ایشاں آمدند۔ بہ ہماں جائے کہ ما بودیم متوجہ ایں مکینہ شدند و فرمودند کہ از کجائی و بہ حکایت مشغول

فقیر مؤلف کتاب ہذا کی حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضری کی ابتداء یوں ہوئی کہ کرمان کے ایک طالب علم مولٰنا نعمت اللہ کے ساتھ سمرقند سے ہرات جانے کے ارادہ سے ہم نکلے۔ جب شادماں گاؤں پہنچے تو مولٰنا نعمت اللہ سے میں نے کہا کہ ہوا نہایت گرم ہے.......... تھوڑی دیر حضرت خواجہ کے باغ میں ہم رک جائیں تاکہ ہوا قدرے کم ہو جائے۔ ظہر کی نماز کا وقت تھا کہ ایک شخص نے آکر بتایا کہ حضرت خواجہ آرہے ہیں یہ سن کر ہم رک گئے۔ اتنے میں آپ آئے اور میری طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ کہاں سے آرہے ہو۔ پھر گفتگو میں مشغول ہو گئے اور جو کچھ میرے دل میں تھا بغیر میرے کچھ کہے اظہار فرمادیا

---

[1] رشحات ۱۹۳

شدند وانچہ بہ خاطر ما بود ہمہ را اظہار کردند۔ از انجملہ (سخنے بود) کہ فقیر را سرگشتہ ساختہ از ین ولایت برد آں را بروجہے کردند کہ خاطر فقیر بجانب ایشاں قوی نگراں شد[1]

منجملہ ان باتوں کے ایک بات ایسی تھی جو فقیر کو پریشان کئے ہوئے تھی اور شہر شہر پھرا رہی تھی اس آپ نے اس طرح اظہار فرمایا کہ میرا دل آپ کی جانب مکمل طور پر مائل ہو گیا۔

سوائے چند الفاظ کے تغیر و تبدل کے بعینہ وہی عبارت ہے اس کے بعد حضرت مولانا محمد قاضی جامع ملفوظات کے مزید حالات کی تلاش ہوئی۔ اگرچہ مؤلف رشحات نے مختصر حالات لکھے ہیں لیکن اس سلسلہ میں چند واقعات "بابرنامہ" اور "حبیب السیر" کے مطالعہ سے بھی دستیاب ہوئے۔ یہی حضرت خواجہ مولانا محمد قاضی ہیں کیونکہ اس نام کا خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے مخصوص خلفاء و اصحاب میں آپ کے سوا دوسرا نہ تھا۔

ان کا اصل نام عبد اللہ تھا اور یہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے مرید و خلیفۂ خاص تھے اور انھیں کے تربیت یافتہ بھی تھے۔ آپ حضرت خواجہ صاحبؒ کے آخر عہد میں توٹھارہ سال شب و روز خلوت و جلوت میں حاضر رہے اور حضرت کے حکم سے ہی ان کے حالات اور چشم دید واقعات اور ارشادات قلمبند فرماتے رہے ہیں۔ "گلزار ابرار" میں حضرت ملا محمد غوثیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ "حضرت خواجہ صاحبؒ جب حقایق و معارف بیان فرماتے تو اصل مخاطب حضرت مولانا محمد قاضی ہوتے تھے"۔ اس میں شک نہیں کہ آپ ولی کامل تھے کیونکہ آپ کے قتل میں سعی و کوشش کرنے والے اور قاتل چند ہی دنوں میں نیست و نابود ہو گئے۔

بابرنامہ میں ایک جگہ تو سمرقند کو پہلی مرتبہ چھوڑ کر آنے کے بیان میں شہنشاہ بابر نے لکھا ہے کہ میرے استاد اور پیر حضرت مولانا محمد قاضی کے خطوط آئے جن میں سمرقند واپس آنے کی فرمائش تھی اور دوسری مرتبہ اپنے لشکر کے خجند پہنچنے اور دشمنوں کے اندجان پر قابض ہونے کے واقعات میں تذکرہ کرتے ہوئے بابر لکھتا ہے کہ:۔

"آہ۔ دشمنوں نے میرے حضرت خواجہ و مولانا قاضی کو شہید کر ڈالا اور بڑی بے حرمتی سے ان کی لاش قلعہ کے دروازہ پر لٹکائی گئی"۔

---

[1] مقامات عالیہ ۱۲۴

تاریخ حبیب السیر میں بھی یہ واقعہ اسی نوعیت سے درج ہے: جس کے چند الفاظ نقل کئے جاتے ہیں :۔

"خواجہ مولانا قاضی را کہ موسوم بہ عبداللہ بود	خواجہ مولانا قاضی جو عبداللہ کے نام سے موسوم تھے
وبدستور معہود در دولت خواہی حضرت پادشاہی سعی	اور بادشاہ کی خیر خواہی میں ہمہ وقت کوشاں
می نمود بر دروازہ ارک شہید ساختند حالانکہ	رہتے تھے قلعہ کے دروازے پر شہید کر دیئے
آنحضرت از جملہ یافتگان حضرت ولایت پناہ	گئے ....حالانکہ وہ حضرت
خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار بود"[۱]	خواجہ عبید اللہ احرار کے خاص تربیت یافتہ تھے۔

تاریخ کی کتابوں سے صرف اسی قدر پتہ چلتا ہے کہ مولانا محمد قاضی حضرت خواجہ صاحب کے جلیل القدر خلفاء واصحاب میں سے تھے۔ ان کا جامع ملفوظات ہونا ہم کو علاوہ "گلزار ابرار"، "بحر زخار" "رشحات" اور اب آپ کے ملفوظات سے معلوم ہوا۔ دوسرے حصہ موسوم بہ "سلسلۃ العارفین" کے ایک حصہ کے خاتمہ پر اس عبارت کا موجود ہونا

"وجمع من ھو مقبول و منظور لحضرۃ العالی .... المشھور بین الخلائق .... لمولانا محمد قاضی"

اس خیال کی تائید کرتا ہے کہ یہ وہی بزرگ ہیں۔ ان کی شہادت کا واقعہ "رشحات" میں نہ ہونا باطل ترین قیاس ہے اس لئے کہ "رشحات" کے مرتب کرنے کے وقت وہ یقیناً زندہ تھے جیسا کہ ان کے حالات کی عبارت سے پتہ چلتا ہے شہنشاہ ہند ظہیر الدین بابر نے "بابر نامہ" بعد کو لکھا ہے۔ تاریخ حبیب السیر جلد دوم جزو سوم صفحہ ۳۰۴ پر بابر کا خواجہ صاحب کو خواب میں دیکھنا اور ان کے اشارہ پر سمرقند کو فتح کرنے کا واقعہ بھی بڑے شد و مد سے لکھا ہے۔

---

[۱] تاریخ حبیب السیر جلد سوم۔ جزو سوم ص ۲۹۲

احرار؟

انسان کی فکری ارتقاء کیلئے زندگی کے ہر موڑ پر۔ قید و بند کی ہر کڑی پر مبصرؔ۔ مفکرؔ۔ دانشور اور مذہبی رہنما کی ضرورت ہے جو گوشۂ عزلت میں رہ کر کارہائے نمایاں دے اور اپنی اشاعت و تشہیر نہ چاہنے کے باوجود بھی نہ صرف عہد ساز بن جائے بلکہ اسکی ہر آواز زمانۂ قدیم و جدید کیلئے صدائے وقت اور نوائے سروش بھی بن جائے اور صدیاں گذرنے کے باوجود بھی اس کے کارنامے کانوں میں جلترنگ بن کر گونجتے رہیں اور وہ ع نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پرواسے یکسر عاری ہو اور دقیق مسائل۔ پرُپیچ مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کیلئے اسکے دامن سے تمسک لابدی ہو۔ ایسا ہی شخص صحیح معنوں میں قیادت کا اہل۔ اسلام کا امین اور قومیت کی تعمیر کا اصل عنصر ہے اور اسکی باعمل زندگی ہر حیثیت سے دوسروں کیلئے قابل تقلید ہے۔

تاریخ عالم کے وسیع و عریض مطلع فلک پر ہزاروں کواکب تاباں و درخشاں ہوئے۔ کہیں پر عقدِ ثریّا کا جھرمٹ۔ کہیں ماہِ تاباں کی خنک اور جانفزا چاندنی۔ کہیں قطب ستارہ کا استحکام اور اس کا اپنے مسلک پر ڈٹے رہنا اور گم کردہ راہ انسانوں کی اور جہازوں کی رہنمائی کرنا یہ وہ تمثیلی حقیقتیں ہیں جو کشتگانِ خنجرِ تسلیم اور جاں دادگانِ حسنِ ازل پر بھی صادق آتی ہیں۔ فلکِ اول پر اور آسماں کے نیلگوں بساط پر جو نقش و نگار اور طلسم آرائی ہے وہی کارخانۂ عالم میں بھی بصد حسن و رعنائی جلوہ نما ہے۔ تقدیروں کے پلٹنے والے۔ دلوں کی دنیا بدلنے والے عشق و حسن سے ربطِ خاص پیدا کرنے والے۔ نیاز کو ناز کی مسند قبولیت پر بٹھانے والے۔ آئے۔ چمکے۔ دمکے۔ لپکے اور دلوں کو چمکا کر اپنی ذات کے حسن سے ذرہ ہائے خاکِ راہ کو جمال ہم نشینی سے جمیل بنا کر اپنا مقصدِ اعلیٰ اور اقدارِ بلند کو دلوں میں جاگزیں کر کے جہاں اور جہانیانِ عالم کو فنا میں بقا کی خلعت عطا کرتے ہوئے ذاتِ حق سے واصل ہو گئے۔ ان کی مبارک و مقدس زندگیاں زبانِ حال سے یہ کہتی ہوئی نظرِ تصور کو آئینۂ حیراں بنا رہی ہیں کہ ؎

حاصلِ عمر نثارِ رہِ یارے کردم
شادم از زندگیِ خویش کہ کارے کردم

وہ نفوسِ قدسیہ جو اس جہانِ آب و گل کے جانہائے تمنا رہے ان میں مولانا رومؒ ہیں جن کی مثنوی "ہست قرآں در زبانِ پہلوی" ہے۔ فریدالدین عطارؒ ہیں جن کی مثنوی "منطق الطیر" ہے۔ مولانا جامیؒ ہیں جن کی "یوسف زلیخا" ہے۔ امیر خسروؒ ہیں جن کی "لیلیٰ مجنوں" ، میں حقایق و معارف اور پند ونصائح کے وہ رموز و نکات ہیں جنھوں نے مردہ دلوں میں جانِ تازہ ڈال دی ہے۔ ان میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ہیں جو نائبِ رسولؐ بن کر اس ظلمت کدۂ عالم میں آئے اور اپنے نورِ عرفان سے ہزاروں دلوں کی قلب ماہیت کر کے بقعۂ نور بنا دیا۔ شاہی اقتدار کی کلائی مروڑ کر رکھ دی اور تنِ تنہا اس جہاد کا بیڑا اٹھایا جس نے تاجِ شاہی کو خاک مذلت پر سرنگوں کر دیا۔ بادشاہِ وقت کو عارفِ کامل بنا دیا اور اپنے کرامات اور اخلاقِ حسنہ سے دل موہ لئے۔ انھیں عارفانِ کامل کے چمنستان اور گلشنِ رنگیں میں ایک بزرگ ہستی گلِ سرسبد کی طرح کتمِ عدم سے منصۂ شہود پر بصد آب و تاب جلوہ نما ہوئی۔ جس نے خودگری۔ خودنگری اور خودشکنی کے تمام مراحل طے کئے اور جریدۂ عالم پر نقشِ دوام ثبت کر گئی۔ ہاتفِ غیب نے اولٰئك هم الوارثون کی ندا دی بشر المؤمنین کا حکم دیا اور اولٰئك هم المقربون فروح وريحان وجنة نعيم کی بشارتِ عظمیٰ سے سرفراز اور وعلمناه من لدنا علما کی خلعتِ فاخرہ سے مزین فرمایا۔ یہ تھے خواجہ ناصرالدین عبیداللہ۔ احراریوں کے قافلہ سالار۔ نقشبندیوں کے رُوحِ رواں۔ عوام و خواص کے دلوں کی دھڑکن۔ اور اقلیمِ ولایت کے تاجدار۔

زیرِ نظر سطور لکھنے سے قبل لفظِ احرار کی وجہِ تسمیہ کو بھی واضح کر دینا ضروری ہے تاکہ ناظرین اسکی اہمیت سے لاعلم نہ رہیں چنانچہ جدید تقاضوں کے پیشِ نظر احرار کے لغوی اور اصطلاحی معنوں کے علاوہ روحانی مفہوم کو بھی تحریر کیا جاتا ہے۔

لفظ احرار کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مقاماتِ سلوک میں ایک مقام حفظ العہد ہے (یعنی عہد کی پابندی) اور صوفیائے کرام کی اصطلاح میں اس سے مراد ہے "هو الوقوف عند ما حدّه الله تعالى لعباده" (یعنی اس مقام پر ٹھہرنا جسکو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے محدود کر دیا ہے) اور حفظ کی دو قسمیں ہیں ایک حفظ عہد الربوبیۃ (یعنی ربوبیت کے عہد کی پابندی) دوسری حفظ عہد العبودیۃ (یعنی عبودیت کے عہد کی پابندی) ربوبیت کے عہد کی پابندی کا مطلب یہ ہے کہ تمام

کمالات رب کی طرف منسوب کیۓ جائیں اور عبودیت کے عہد کی پابندی یہ ہے کہ تمام نقصانات بندہ کی طرف منسوب کیۓ جائیں جیسا کہ قرآن پاک کی تعلیم ہے کہ "مَا اصابك من حسنةٍ فمن الله ومَا اصابك من سيئةٍ فمن نفسك"۔ (یعنی اے میرے بندے اگر تجھکو کوئی فائدہ پہنچے تو سمجھ لے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر نقصان پہنچے تو یہ سمجھ لے کہ یہ تیرے نفس کی طرف سے ہے) اور یہی وہ عہد تھا جس کی پابندی حضرت آدم علیہ السلام نے ربنا ظلمنا انفسنا کہہ کر کی جب ان سے ان کے رب نے اپنے فاعلِ حقیقی ہونے کی دلیل پیش کی۔

جس وقت موحد اور باصفا صوفی میں اذکار و اشغال اور ریاضات و مجاہدات کی بدولت حفظ العہد کا حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے اور اسکے آثار اسکے احوال و عادات اور اوقات کا احاطہ کر لیتے ہیں تو حکمتِ اجمالی کا جمال اسکی چشم بصیرت کو نظر آنے لگتا ہے۔ اور حکمتِ اجمالی سے مراد ہے "هي العلم بحقائق الاشياء و اوصافها و احكامها على ما عليه و ارتباط الاسباب بالمسبب و اسرار انضباطِ نظام الموجودات و العمل بمقتضاه" (یعنی اجمالی حکمت کے مفہوم میں امورِ ذیل داخل ہیں۔ اول اشیاء کی حقیقت اور ان کے اوصاف و احکام کا علم جیسی وہ ہیں دوم اسباب کا سبب کے ساتھ ربط کا علم۔ سوم اس بات کا علم کہ نظام موجودات کس طرح منضبط ہے۔ چہارم علم کے مقتضا کے مطابق عمل کرنا۔ اور "ومن يؤتى الحكمة فقد اوتي خيرا كثيرا" کے مطابق حکمتِ مذکور کی مفصلہ ذیل چاروں قسموں پر بھی صوفی کو اطلاع دی جاتی ہے یہ چاروں قسمیں ترتیب وار خیر کثیر میں داخل ہیں۔ پہلی حکمت حکمتِ منطوق ہے

الحكمة المنطوق وهي علوم الشريعة و الطريقة۔ یعنی جس حکمت کے سلسلہ میں کلام کیا جا سکتا ہے وہ شریعت و طریقت کے علوم ہیں۔

دوسری حکمت:۔ الحكمة المسكوت عنها وهي اسرار الحقيقة۔ یعنی وہ حکمت جس کے سلسلہ میں سکوت اولیٰ ہے وہ حقیقت کے اسرار ہیں۔

چونکہ استدلال و تقلید اور منطقی موشگافیوں میں الجھے اور گرفتار لوگ اس کو سمجھ نہیں سکتے اور عقل کے معیار پر اس کو پرکھتے ہیں اور عقل کے چراغ سے خدا کی راہ نظر نہیں آتی لہٰذا اس سلسلہ میں کلام کرنے کے مقابلہ میں سکوت زائد بہتر ہے۔ روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ

کے ایک راستہ سے اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف لئے جا رہے تھے اثنائے راہ میں ایک عورت سامنے آئی اور آپؐ کو قسم دیکر معہ صحابہؓ کے اپنے گھر تشریف لیچلنے کو عرض کیا۔ آپ وہاں گئے دیکھا کہ ایک آگ بھڑک رہی ہے اور اس عورت کے بچے اس آگ کے اِرد گرد جمع ہیں اس عورت نے عرض کیا کہ "یارسول اللہؐ۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر زائد مہربان ہے یا میں اپنے بچوں پر۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ زائد رحیم ہے (تجھ سے) بلکہ جتنے رحم کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ان میں سب سے زائد رحم کرنے والا ہے۔ پھر اس نے عرض کیا کہ کیا آپؐ یہ کہہ سکتے ہیں کہ میں اپنے کسی بچہ کو آگ میں ڈالنا گوارا کروں گی اور اگر میں گوارا نہ کروں گی تو اللہ کیسے اس بات کو گوارا کرے گا کہ اپنے غلاموں اور بندوں کو آگ میں ڈال دے وہ تو ارحم الراحمین ہے"۔ راوی کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی یہ بات سن کر رو دیئے اور فرمایا کہ میرے پاس بھی اسی طرح کی وحی آئی ہے (یعنی سبقت رحمتی علی غضبی)

تیسری حکمت حکمتِ مجہولہ ہے اور وہ ایسی حکمت ہے جس کی وجہ ہم لوگوں سے مخفی ہے جیسے بعض بندوں کی تکلیفات۔ اطفال کی موت۔ دوزخ میں ہمیشہ رہنا۔ اس حکمت پر ایمان لانا اور اسکے وقوع پر راضی رہنا اور اسکو عدل اور سراسر حق سمجھنا نسخہ ایمان کا جزوِ اعظم ہے اور اس پر عقیدہ رکھنا واجب اور عینِ ایمان ہے۔

چوتھی حکمت حکمتِ جامعہ ہے اور اسمیں یہ باتیں داخل ہیں (۱) حق کی معرفت اور اس پر عمل کرنا۔ (۲) باطل کی معرفت اور اس سے اجتناب (پرہیز) جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اَللّٰھم ارنا الحق وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل وارزقنا اجتنابہ انک مجیب الدعوات (اے اللہ ہم کو حق دکھا اور اس کا اتباع نصیب کر اور ہم کو باطل کا علم دے اور اس سے بچا بیشک تو دعاؤں کا قبول فرمانے والا ہے)[لہ]

اس ساری تمہید کا مطلب یہ ہے کہ دونوں مرتبوں کے تحفظ کاملہ اور چاروں حکمتیں حاصل ہونے کی بدولت صوفی مذکور حجۃ الحق علی الخلق ہو جاتا ہے جس سے مراد انسانِ کامل ہے اور مرتبہ خلافت پر فائز ہو کر حریت کا لباس پہن لیتا ہے اور حریت کے لغوی معنی آزادی کے ہیں اور حضراتِ صوفیہ کی اصطلاح میں حریت سے مراد ہے غیر کی غلامی سے آزاد ہونا ہے ھی "الطلاق عن

لہ اذکارِ ابرار ۱۶۶

غلام ہمتِ آنم کہ زیرِ چرخِ کبود ز ہرچہ رنگِ تعلق پذیرد آزاد است

اور حریت کی بھی تین قسمیں ہیں۔ پہلی حریتِ عامہ یعنی خواہشاتِ نفسانی سے رہائی پانا۔ دوسری حریتِ خاصہ یعنی اپنے مقاصد و مرادات سے آزاد ہو کر حق کے ارادہ میں فانی ہو جانا۔ بفناء ارادۃ العبد فی ارادۃ الحق۔ تیسری حریت خاص الخاصہ یعنی سالک کو جو انوار و تجلیات میں اپنے کو ہلاک کر دینے کی آرزو اور اس کے لوازمات و آثار سے دلبستگی رہتی ہے اس سے بھی نجات و رستگاری پانا ؎

نامرادی کی بھی طلب نہ رہے یہی پایانِ نامرادی ہے

اب صوفیاء کی اصطلاح میں یہ ہے کہ جو شے محض بخششِ الٰہی سے قلب پر وارد ہوتی ہے جیسے غلامی۔ آزادی۔ غم۔ خوشی۔ قبض۔ بسط وہ شے نفسانی صفات کے ظہور سے زائل ہو جاتی ہے خواہ اسکے عقب میں میلان ہو یا نہ ہو۔ یہ چیز اگر دوام کے ساتھ قائم ہو تو اسکو مقام کہتے ہیں جس پر بقدرِ مشیت سالک قیام کرتا ہے۔

اس سب سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ چاروں مذکورہ بالا حکمتوں اور تینوں حریتوں کا بیک وقت ایک ہستی میں اجتماع اور اس مقام پر فائز ہونے کا نام انسانِ کامل ہے کامل وہ نہیں ہے جو صرف کشف و کرامات میں کامل ہو بلکہ کامل وہ ہے جسکی ہر بات بر وجہ کمال ہو۔ حکمت سے تصوراتی دنیا کا تفکر مراد ہے تصورات کی دنیا میں بھی حقیقت کے متعدد درجے ہیں سب سے اہم تصور خیرِ اعلیٰ کا نام ہے خیرِ اعلیٰ کی بھی متعدد اقسام ہیں یعنی عدل۔ شجاعت۔ اعتدال۔ سخاوت تواضع۔ فروتنی۔ اور ایثار وغیرہ وغیرہ۔ یہی خیرِ اعلیٰ ہر زندگی کا نصب العین۔ ہر نیکی کا سرچشمہ ہر اچھائی کا محرک اور ہر تصور کی جان ہے ایک پیشوا کی زندگی انہیں سب کا خلاصہ ہے اور اسکے لئے ہر موقع و محل پر اس سب کا تحفظ اور رکھ رکھاؤ ضروری ہے۔ یہی مذہب کا منشاء۔ فطرتِ انسانی کا مقتضا اور سنتِ رسول کی پابندی ہے۔ یہی مقاصد انسان کو مقصودِ اصلی تک پہنچانے والے ہیں اور اسے صفاتِ الٰہی سے متصف کر کے آیت صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ کا مظہرِ جامع بنا دیتے ہیں بقول شاعر ؎

رنگ لایا ہے یہ ضبطِ الفتِ گیسوئے دوست آخر اپنے پیرہن سے پھوٹ نکلی بوئے دوست

یہی وہ مقام ہے جسمیں ذاتِ حق کے اختیارات فانی فی اللہ اور باقی باللہ انسان کو تفویض ہو جائے

ہیں جس کا اظہار قرآن کریم ان الفاظ میں کرتا ہے کہ وَ مَا رَمَیتَ اِذ رَمَیتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمیٰ یعنی محب کی ادائیں اور اسکی مشیتیں حبیب و محبوب کے وسیلہ سے بروئے کار آتی ہیں ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود　　　گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اسی سلسلہ میں قرآن کریم میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ مقام قاب قوسین او ادنیٰ پر فائز ہونے کے بعد عبد کا خطاب ملتا ہے جو انسانیت کی معراج ہے اور مقام رسول الٰہی کے بعد یہ مقامِ عبدیت عنایت فرمایا جاتا ہے جو اپنی جگہ مانع اور جامع ہے۔ یہ اللہ کا اپنے بندوں پر بہت بڑا احسان ہے کہ اس قرب و اتصال کے بعد عالم انسانیت کو سنوارنے اور نکھارنے کے لئے محبوب سے بُعدیت اور مفارقت گوارا کی گئی۔ اور ہر آزادی کچھ قیود اور پابندیوں کی بھی متقاضی ہے۔ آزادی کھلی چھوٹ نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ کچھ زنجیریں بھی ہیں جو اس آزادی کو مؤثر اور اثر انگیز بنا دیتی ہیں۔ اس جگہ یہ حدیث شریف شاہد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو ابتلا مجھ پر ڈالی گئی وہ زمانۂ سابقہ میں مجھ سے پہلے کسی پیغمبرؑ پر نہیں ڈالی گئی کہ ایک طرف تو مجھے سارے عالم کی کنجیاں عطا فرمائی گئیں تو دوسری طرف مجھے ایک یہودی کا قرضدار بھی ہونا پڑا۔"

جنوں کی جامہ دری اور خرد کی بخیہ گری　　　تمام عالم مستی۔ تمام بے خبری

اس سب کا خلاصہ یہ ہے کہ تعینات سے آزاد ہونا انسان کی آخری منزل ہے اور وہ آدمی جو شانِ بے نیازی اختیار کرتا ہے اور خلق کے احسانات سے دُور دُور رہنے کی کوشش کرتا ہے وہی اپنی بے مثال جرأت و ہمت اور روحانی طاقت سے اسکی۔ اخلاقی ذہنی اور روحانی تربیت کر سکتا ہے۔ اور یہ تمام مواقع وافر مقدار میں خواجہ عبید اللہ احرار کو حاصل تھے۔ اور اسی وجہ سے ان کا رعب و داب بادشاہوں کو بھی مرعوب کئے رہتا تھا۔ وہ دنیوی مال و منال رکھتے ہوئے بھی بایں معنی بے نوا تھے کہ ان کا دل محبتِ الٰہی کی لازوال دولت سے مالا مال تھا جسمیں مال کی ہوس کا کہیں گذر نہیں تھا۔ وہ ان خاصانِ خدا میں تھے جن پر یہ شعر صادق آتا ہے ؎

ہمہ نازِ بے نوائی ہمہ سوزِ بے نیازی　　　دلِ شاہ لرزہ گیرد ز گدائے بے نوائے

سوانحی حالات

خواجہ ناصر الدین عبید اللہ لفظِ احرار سے نامزد تھے۔ لفظ احرار کی مکمل تشریح سابقہ اوراق میں گذر چکی ہے۔ آپ کے والد کا نام خواجہ محمود ابن خواجہ شہاب الدین شاشی تھا اور وہ خواجہ محمد نامی کے پوتے تھے جو متبحر عالم ابوبکر محمد بن اسمٰعیل قفال شافعی کے دوستوں میں تھے۔ شیخ ابوبکر کا کشفی و کسبی علوم میں کوئی ثانی نہ تھا۔ احرار الاولیاء کی والدہ ماجدہ خواجہ داؤد ابن خواجہ خاوند طہور ابن شیخ عمر باغستانی[5] کی صاحبزادی تھیں ان کا سلسلہ نسب سولہ واسطوں سے امام عبداللہ ابن حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے

---

۵ شیخ عمر باغستانی کے ایک گاؤں کے باشندہ تھے (تاشقند کے پہاڑوں میں سے) آپ کا سلسلہ صوفیہ واسطوں سے فرزند حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ خواجہ عبید اللہ احرار کے جدِ مادری اور قطب الاصلین شیخ مجذوب محبوب شیخ حسن بلغاری کے مرید اور ان کے اصحاب میں تھے اور وہ شمس الدین محمد رازی کے اور وہ شیخ حسن سقاوی کے اور وہ شیخ ابو نجیب سہروردی کے مرید تھے۔ شیخ حسن دراصل آذربیجان کے ایک قصبہ نخوان کے باشندہ تھے۔ ۲۳ سال کی عمر میں دشت قپچاق میں کفار کے پالے پڑ گئے۔ اور سات سال قید رہے۔ تیس سال کی عمر میں سیاحت کو نکلے۔ اور بہت سے مشائخ کی صحبت میں رہے۔ ۹ سال بلغار میں تین سال بخارا میں۔ سات سال کرمان میں۔ ۹۳ سال کی عمر پائی۔ فرماتے تھے کہ میری قطبیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر واقع ہوئی ہے۔ اور جذبہ کے روز سے میری عمر حضورؐ کی حیات طیّبہ کے موافق ہوگی۔ یعنی ۶۳ سال کی۔ شیخ عمر باغستانی نے شیخ حسن سے تین سال بخارا میں رہ کر تعلیم و تلقین حاصل کی۔ وہ نہایت صاحبِ کمال و مقام تھے۔ جو شخص بھی آپ کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوتا اس سے پوچھتے کہ تمہارے گاؤں میں کوئی مسجد ہے اگر وہ جی ہاں کہتا تو اس سے فرماتے کہ مسلمانی کے طریقہ جانتے ہو۔ اس پر بھی اگر وہ جی کہتا تو اس سے پوچھتے کہ "پھر یہاں کیوں آئے ہو۔ اکثر اپنے صاحبزادے سے (شیخ خاوند طہور) سے فرماتے کہ "صوفی مشو۔ ایں مشو۔ آں مشو۔ مسلمان شو۔" آپ نے ۱۷ ربیع الاول ۷۹۸ھ میں وفات پائی۔ اور سرزمین تبریز میں دفن ہوئے۔" آں شفا بخش معلولان امراض حیرانی۔ آں نجات دہندہ محبوسانِ زندانِ نفسانی۔ آں کاشفِ اسرار نہانی۔ حضرت شیخ عمر باغستانی (بحرِ زخار ۲۔ ص ۷) آپ کا مفصل حال رشحات میں مذکور ہے۔

آپ کی ولادت ماہِ رمضان ۸۰۶ھ میں ہوئی ۔ آثارِ ہدایت و سعادت جبیں کرامت آگیں میں ابتدا سے ہی تاباں و درخشاں تھے ۔ جس کی نظر بھی روئے مبارک پر پڑتی بہ زبانِ حال بے اختیا پکار اٹھتا ۔

ستارہ خطِ ترا خواندہ وثنا گفتہ   فرشتہ روئے ترا دیدہ و دعا گفتہ

مولانا عبداللہ سرلبی بیان کرتے تھے کہ میرے باپ حضرت خواجہ نظام الدین کے مخلص معتقد تھے ۔ مولانا اکثر ہمارے گھر آتے اور میرے والد آپ کی خدمت پر کمر بستہ ہوتے اور حضرت اکثر مراقبہ بھی فرماتے تھے ایک روز آپ مراقب تھے اور میرے والد قریب ہی کسی کام میں مصروف تھے ۔ اچانک آپ نے سر اٹھا کر زور سے ان کو آواز دی ۔ میرے والد نے جب ان کی آواز سنی تو اپنا سب کام چھوڑ چھاڑ خدمت میں حاضر ہوئے اور سبب دریافت کیا آپ نے فرمایا " مشرق میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جس کا نام خواجہ عبید اللہ ہے اس نے تمام روئے زمین کو اپنی گرفت میں لیلیا ہے وہ بڑی عجیب اور بزرگ شخصیت والا ہے [۱]

آپ خود فرماتے تھے کہ میرے والد بزرگوار میرے جدِ محترم کے مرض الوصال میں ان کے پاس گئے ۔ میرے چچا خواجہ محمد یحییٰ بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے ان سے ترکی زبان میں فرمایا " جاؤ اپنے لڑکے کو لے آؤ " وہ خواجہ اسحاق کو لے آئے ۔ آپ نے انھیں دیکھکر فرمایا کہ یہ بہت سرگردانی (پریشانی) اٹھائے گا ۔ پھر خواجہ اسحاق کے بھائی خواجہ مسعود کو طلب فرمایا اور ان سے بھی یہی فرمایا کہ یہ بھی بہت سرگردانی (پریشانی) اٹھائے گا ۔ اور اسحاق کو بھی سرگرداں کرے گا ۔ پھر میرے والد سے فرمایا جاؤ اپنے لڑکے کو لے آؤ ۔ وہ مجھے اپنے ساتھ لیکر آئے ۔ آپ نے مجھے اوپر سے نیچے تک دیکھا اور فرمایا کہ " میرا یہ بیٹا عالمگیر ہوگا اور شریعت و طریقت اس سے رونق پذیر ہوگی " پھر فرمایا " کہ میں جس لڑکے کو طلب کر رہا تھا وہ یہی ہے [۲]

آپ کی والدہ ماجدہ جب تک نفاس سے فارغ نہ ہو گئیں آپ نے ان کا دودھ نہ پیا آپ کی دایہ بیان کرتی تھیں کہ ایک روز زمانۂ شیر خوارگی میں میری کوشش کے باوجود آپ نے دودھ نہ پیا میں نے یہ صورت حال دیکھکر آپ کی والدہ سے پریشان ہو کر عرض کیا ۔ انھوں

---

[۱] رشحات ص ۱۲۹ [۲] مقاماتِ عالیہ ص ۴۷

نے فرمایا کہ غالباً تم نے کوئی مشتبہ چیز کھائی ہے۔ میں نے کہا جی ہاں۔ میں اپنی ایک رشتہ دار کے وہاں گئی تھی اس نے اخلاقاً میری ضیافت کی تھی۔ فرمایا کہ بس یہی بات ہے۔ تم تین روز روزہ رکھو شاید اس کے بعد دودھ پئیں۔ میں نے ان کے فرمانے کے مطابق تین روزے رکھے۔ چوتھے روز بمشکل تمام آپ نے دودھ نوش کیا۔ اس قسم کے بکثرت واقعات شیر خوارگی کے دوران آپ سے صادر ہوئے

چار سال کی عمر سے ہی آپ کی نسبت مع اللّٰہی اتنی قوی تھی کہ کسی وقت اس سے غافل نہ ہوتے حتّٰی کہ مکتب کی آمدورفت میں بھی ایک لمحہ اس سے خالی نہ گذرتا۔ ایک بار مکتب جا رہے تھے شدید سردی کا زمانہ تھا۔ تیز ہوائیں جسم کو یخ بستہ کئے ہوئے تھیں۔ آپ اسی نسبت میں گم چلے جا رہے تھے اچانک ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا اور پیر معہ جوتے کے دلدل میں پھنس گیا۔ جوتا نکالتے وقت اسی نسبت میں قدرے فرق آیا تھا کہ فوراً احساس ہو گیا۔ اپنے کو ملامت کرنے لگے اور اس قدر متاثر ہوئے کہ شدت سے گریہ طاری ہو گیا۔ قریب ہی ایک کسان کھیت جوت رہا تھا آپ نے اپنے دل میں کہا کہ "اے عبید اللہ یہ کسان ہل چلانے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں ہے تو اتنی ذرا سی بات پر اس سے غافل ہو گیا[۱]"

آپ میں ابتدا سے ہی مطلق لہو ولعب کا مادہ نہ تھا جیسا کہ عام طور پر اس عمر کے بچوں میں ہوتا ہے۔ آپ کے چچا زاد بھائی خواجہ محمد اسحاق بیان کرتے تھے کہ ہم لوگ بچپن میں کھیل کود میں آپ کو بلاتے لیکن اول تو آپ آتے ہی نہ تھے بلکہ ٹال جاتے اور اگر کبھی بہت اصرار سے آتے بھی تو موقع پا کر فرار ہو جایا کرتے تھے

سنِ طفولیت میں ایک بار شیخ ابوبکر قفال شاشی کے مزار پر تھے۔ خواب میں حضرت

---

[۱] رشحات ۱۲۲

عیسیٰ علیہ السلام کی زیارت ہوئی۔ دیکھتے ہی قدموں پر گر پڑے۔ انھوں نے نہایت شفقت سے اٹھا کر فرمایا کہ "کیوں غمگین ہوتے ہو تمہاری تربیت میں کروں گا"۔ بیدار ہونے پر اپنے احباب سے اسکی تعبیر پوچھی۔ انھوں نے تعبیر دی کہ تم کو علم طب نصیب ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہاری اس تعبیر سے متفق نہیں ہوں۔ میں نے اس سے یہ تعبیر لی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسم حی کے مظہر ہیں اور اولیاء اللہ میں سے جو بھی صفت احیا سے ظاہر ہوتا ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ وہ اس دور کا عیسوی المشہد ہے۔ چونکہ آپ نے اس فقیر کی تربیت اپنے ذمہ لی ہے۔ لہذا اسے مردہ قلوب کو بیدار کرنے کی صفت حاصل ہوگی۔ آپ فرماتے تھے کہ تھوڑی ہی مدت بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے اس حالت و قوت سے سرفراز فرمایا اور بکثرت لوگ میری بدولت پردۂ غفلت سے نکل کر حضور و شہود کے مقام پر پہنچ گئے۔[1]

ابتدائے حال میں ایک روز حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ صحابۂ کرام کی کثیر جماعت کے ساتھ ایک بلند پہاڑ کے نیچے تشریف فرما ہیں۔ آپ کو اپنے پاس بلا کر فرمایا کہ "مجھے اس پہاڑ کے اوپر پہنچا دو میں نے ارشاد کے بموجب آپ کو اپنی گردن پر بٹھا کر پہاڑ کے اوپر پہنچا دیا۔ آپ نے میری بڑی تعریف فرمائی اور فرمایا کہ مجھے تمہاری اس قوت کا پہلے ہی سے علم تھا لیکن میں چاہتا تھا کہ دوسروں کو بھی معلوم ہو جائے"

آپ فرماتے تھے کہ میں بچپن میں ڈرتا بہت تھا ایسا کہ تنہا گھر سے باہر نہ نکلتا تھا۔ ایک رات دل میں شدت سے یہ خواہش ابھری کہ اولیاء اللہ کے مزارات کی زیارت کرنا چاہیے۔ چنانچہ اسی وقت شیخ ابوبکر قفال شاشی۔ شیخ خاوند طہور۔ خواجہ ابراہیم کیمیاگر اور شیخ زین الدین دعائے عارفاں کے مزارات پر حاضر ہوا۔ اس وقت سے خوف ایسا دور ہوا کہ تاشقند کے تمام بزرگوں کے مزارات پر جو ایک دوسرے سے کافی فاصلہ پر تھے ایک رات میں گشت کر لیا کرتا تھا۔ بعض مزارات تو ایسی جگہ تھے کہ لوگ وہاں دن میں تنہا جاتے ڈرتے تھے۔ ایک رات میں شیخ زین الدین دعائے عارفان کے مزار پر بیٹھا تھا کہ ایک پاگل شخص آپہنچا۔ یہ شخص بڑا لمبا چوڑا۔ قوی ہیکل و خوفناک شکل کا تھا۔ دن رات لوگ اس سے ڈرتے تھے اور انھیں دنوں وہ شخص ایک آدمی کو قتل بھی کر چکا تھا۔ میرے قریب پہنچکر اس نے ڈرانا اور شور مچانا شروع کیا اور نہایت غصہ سے مجھ سے کہا کہ "یہاں سے بھاگ جاؤ"۔

---

[1] رشحات ۱۲۲ - ۱۲۳

میں نے اس کی طرف توجہ نہ کی اور ذرا بھی نہ ڈرا۔ یہ دیکھ کر وہ دوڑا اور درختوں سے لکڑیاں توڑ کر جمع کرنے لگا۔ اسکے بعد قریب کی مسجد سے جلتا ہوا چراغ اٹھایا اس کا ارادہ تھا کہ لکڑیاں جلا کر میرے اوپر پھینک کر مجھے جلادے۔ اسی دوران اتنی تیز ہوا چلی کہ چراغ ٹھنڈا ہو گیا۔ وہ دیو ہیکل دیوانہ میرے گرد صبح تک چیختا چنگھاڑتا رہا لیکن میں نے اس کی طرف مطلق توجہ نہ کی۔ صبح ہونے کے بعد وہ تاشقند کے بازار کی طرف بھاگا اور وہاں پہنچکر پھر ایک آدمی کو قتل کر ڈالا۔ یہ دیکھ کر بازار والوں نے اسے گھیر کر قتل کر دیا [1]

آپ پر ابتدا میں عسرت و ناداری کا تسلط تھا لیکن مصائب کی برداشت کی قوت رگ و پے میں خون بن کر دوڑ رہی تھی اور الفقر فخری کا لباس زیب تن تھا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ آزمائش بھی بڑی روح فرسا اور عقیدہ کو متزلزل کرنے والی ہوتی ہے۔ چنانچہ مرزا شاہرخ کے زمانہ میں ہری میں مقیم تھے۔ اور پیسہ کوڑی تو درکنار صرف ایک پگڑی تھی وہ بھی اتنی بوسیدہ کہ اگر ایک طرف سے پیٹتے تھے تو دوسری طرف سے پھٹ جاتی تھی۔ اسی حالت میں ایک روز بازار سے گذر رہے تھے کہ ایک سائل سامنے آیا اور دستِ سوال دراز کیا۔ آپ نے اسے دیکھا۔ اپنی حالت پر نظر کی۔ غیرت ایمانی جوش میں آئی سائل کا خالی ہاتھ جانا کچھ پسند نہ آیا۔ فوراً اپنی پگڑی اتاری اور قریب کے ایک نانبائی کو دے کر کہا کہ یہ پاک پگڑی ہے۔ تمہاری دیگ پونچھنے کے کام آئے گی اسے لیلو اور اسکے عوض اس فقیر کو کچھ کھلا دو اس نے آپ کے اس کہنے پر فقیر کو شکم سیر کر دیا اور آپ کی پگڑی واپس کرنا چاہی لیکن آپ نے نہ لی اور وہاں سے چل دیئے [2]

اس افلاس کے دور میں بھی خدمت کا جذبہ کارفرما تھا اور اس تنگدستی کی حالت میں بھی بخوشی لوگوں کی خدمت کیا کرتے تھے اور خدمت کو ہمیشہ ذکر اور مراقبہ پر مقدم رکھتے اور ترجیح دیتے تھے نیز اس کے صلہ کے کبھی طالب نہ ہوتے۔ اس کا جذبہ اور شوق عمر کے ساتھ بڑھتا گیا۔ رفتہ رفتہ یہ محبوب مشغلہ خواہش کی حد سے نکل کر حیات کا جزِ لاینفک بن گیا۔ آپ فرماتے تھے کہ میں نے جو کچھ بھی حاصل کیا وہ کتابوں سے نہیں حاصل کیا بلکہ صرف خدمت سے حاصل کیا ہے۔ ہر شخص کو قیامت کے روز الگ الگ دروازہ سے داخل کیا جائیگا لیکن مجھ کو خدمت کے دروازے سے داخل کریں گے اور یہی وجہ ہے کہ محبوب کی خدمت مجھ سے ہم آغوش ہے۔

---

[1] رشحات ۱۲۳ [2] ایضاً ۱۲۴

خدمتِ خلق

آپ فرماتے تھے کہ میں جس زمانہ میں سمرقند میں مولنا قطب الدین کے مدرسہ میں تھا تو کئی آدمیوں کی جو ایک قسم کے متعدی مرض میں مبتلا تھے خدمت کیا کرتا تھا۔ ان کو پاخانہ پیشاب تک کا ہوش نہ تھا۔ دن و رات کئی کئی مرتبہ ہر شخص کے کپڑے اور بچھونے خراب ہوتے تھے جن کو میں برابر دھویا کرتا تھا۔ آخر مجھ کو بھی وہی مرض لاحق ہوگیا جو ان کو تھا۔ ایک رات میں تپِ محرقہ (سخت بخار) میں بھن رہا تھا اس حالت میں بھی کئی گھڑے پانی بھر کر ان بیماروں کے کپڑے اور بستر دھوئے۔ اور جس زمانہ میں ہری میں تھا۔ پیر ہری کے حمام میں جا کر لوگوں کی خدمت کیا کرتا تھا۔ بعض دفعہ پندرہ سولہ آدمیوں کی ایک ساتھ خدمت کی اور خدمت کرنے میں کبھی اچھے۔ برے۔ آزاد یا غلام کا فرق نہیں کیا۔ اور اسکے قبل کہ کوئی مجھے میری خدمت کا بدلہ دے وہاں سے چپ چاپ چل دیا کرتا تھا۔

حفظِ ادب

آپ ہمیشہ خلوت و جلوت اور ظاہر و باطن میں ادب کا خاص لحاظ رکھتے تھے۔ ایک ارادت مند کا بیان ہے کہ میں نے پینتیس سال آپ کی خدمت کی اور خلوت و جلوت میں آپ کے ساتھ رہا لیکن اس طویل عرصہ میں آپ کو کبھی کوئی ایسی بات کرتے نہیں دیکھا جس سے دوسرے کی طبیعت مکدر ہوتی ہو۔ آپ نے کبھی سیب یا انگور کھا کر چھلکا منہ سے نکال کر نہیں پھینکا اور نہ بلغم یا رطوبت کو اس طرح کھنکھار کر خارج کیا کہ دوسرے کو کراہت ہوئی ہو۔

صورت

آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص کا بیان ہے کہ میں ایک روز حضرت خواجہ نظام الدین سمرقندی کی خدمت میں حاضر تھا۔ اتنے میں ایک حسین جوان آیا جس کا چہرہ انتہائی نورانی اور بارعب و جلال تھا۔ وہ تھوڑی دیر بیٹھکر واپس گیا۔ اسکے چلے جانے کے بعد میں نے حضرت مخدوم نظام الدین سے پوچھا کہ یہ کون شخص تھے۔ انھوں نے فرمایا کہ "یہ خواجہ عبید اللہ تھے۔ شاہانِ عالم بہت جلد اس کے مطیع (حلقہ بگوش) ہو جائیں گے۔

ابتدائے حال میں ہری میں قیام کے دوران سید محمد قاسم تبریزی[1] کی خدمت حاضر ہوا کرتے تھے۔ وہ آپ پر بڑی عنایت فرماتے تھے اکثر اپنا پس خوردہ آپ کو عنایت فرماتے اور کہتے "اے ترکستانی شیخ زادے! جس طرح ہمارے یہ مرید مطیع و فرماں بردار ہیں اسی طرح بہت جلد سارا عالم تمہارا مطیع ہو جائے گا"۔ آپ اس وقت ان کی زبان سے اس قسم کے الفاظ سن کر متعجب ہوتے تھے۔ بہر حال ان کا فرمانا پورا ہوا۔

تعلیم۔ بائیس سال کی عمر تھی کہ آپ کے ماموں خواجہ ابراہیم نے آپ کو تاشقند سے سمرقند لاکر تعلیم کی طرف توجہ دلائی۔ لیکن علم باطن علم ظاہر کے حصول کے مانع ہوا۔ آخر کار ایسے سخت بیمار پڑے کہ مجبورًا کہنا پڑا۔ ماموں جان! میری حالت آپ دیکھ رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ علم ظاہر کا حاصل کرنا میری قسمت میں نہیں ہے اور آپ اسکو پسند نہ فرمائیں گے اور اب تو مجھے اس کا اندیشہ ہے کہ اگر میں نے زائد زور دیا یا کوشش کی تو کہیں میں ہلاک نہ ہو جاؤں۔ آپ کے ماموں آپ کی اس گفتگو سے بہت متاثر ہوئے اور فرمایا۔ جانِ من۔ میں تمہارا حال اس حد تک نہ جانتا تھا تم میری طرف سے آزاد ہو۔ جہاں دل چاہے جاؤ اور جو دل چاہے کرو۔ اللہ تمہارا حافظ و ناصر ہے۔ آپ پھر دوبارہ منقطع شدہ علمی سلسلہ جوڑنے میں مصروف ہوئے۔ چند ہی روز گزرے تھے کہ عارضہ چشم میں مبتلا ہوئے۔ پینتالیس[45] روز اسی کشمکش میں گذر گئے۔ تنگ آکر اسے ترک فرما دیا۔ چنانچہ اکثر فرماتے تھے کہ "ہمارے علم ظاہر کا مجموعہ صرف مصابح کے ایک یا دو ورق ہیں"۔ ۵۲

---

[1] سید قاسم تبریزی شیخ صفی الدین اردبیلی سے بیعت تھے۔ ان کے بعد شیخ صفی الدین یمنی خلیفہ شیخ اوحد الدین کرمانی سے اخذ فیض کیا۔ اور فیوض و برکات حاصل کئے۔ نفحات میں ہے کہ اہل رد و انکار کے آپ کے بارہ میں دو گروہ تھے ایک گروہ آپکو شاعر سمجھتا تھا اور دوسرا گروہ (مریدین) موحد۔ آپ پر مشرب توحیدی غالب تھا۔ خواجہ بہاؤالدین نقشبند کی بھی صحبت حاصل کی تھی ایک بار ہرات کی جامع مسجد میں ایک شخص نے بادشاہ کے تلوار ماری۔ آپ کا لنگر خانہ اس کے متصل تھا لوگ سمجھے کہ غالبًا اسمیں سید صاحب کا بھی ہاتھ ہے لہٰذا آپ شہر بدر کر دیے گئے۔ آپ پہلے بلخ اور پھر سمرقند چلے گئے۔ ۔ ۔ ۔ آپ نہایت عالی ہمت تھے۔ دوسروں کی تکلیف سے جلد متاثر ہو جاتے تھے۔ کسی شخص کے بارہ میں اگر سن پاتے تو بیقرار اور مضطرب ہو جاتے اگر خود عیادت کو نہ جا پاتے تو ملازمین و خدام کو اسکے پاس بھیجتے اور ان کے ذریعہ تسلی و تشفی نیز امداد بھی کرتے تھے۔ خواجہ صاحب آپ سے بہت متاثر اور معترف تھے ۸۳۷ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مفصل حال رشحات و نفحات الانس میں مذکور ہے
(بحر زخار جلد دوم صفحہ ۷) ۵۲ رشحات ۱۲۹

کسبی علوم سے تو ضرور نابلد رہے لیکن علم ظاہر وہبی اور لدنی قدم قدم پر رہبر رہا۔ اکثر دورانِ درس۔ علمی مباحثہ۔ نیز تفسیر قاضی کے مطالب پر اکابر علماء سے ایسے ایسے سوالات پوچھ بیٹھتے کہ وہ دنگ اور متحیر رَہ جاتے اور ان سے کوئی جواب نہ بن پڑتا۔

ایثار و شفقت و عنایت: حضرت میر عبد الاول جنھیں آپ سے علاوہ نسبت ارادت و خادمیت کے دامادی کا شرف بھی حاصل تھا اپنے مسموعات میں لکھتے ہیں کہ ایک۔ بہار کی ابتدا میں خدام کی ایک جماعت آپ کی معیت میں "کش" روانہ ہوئی۔ شام کے وقت ایک پہاڑ پر قیام فرمایا۔ خدام نے خیمہ نصب کیا۔ مغرب کی نماز پڑھی تھی بارش شروع ہوگئی۔ آپ نے فرمایا مجھے اس خیمہ کی طہارت پر شک ہے۔ میں خود اس میں نہیں رہوں گا لیکن اور لوگ قیام کریں۔ اس سلسلہ میں عنایت فرماتے ہوئے بہت زدہ

ع آپ نشاپور سے آکر ماوراءالنہر میں خواجہ احرار الاولیا کی خدمت میں مشرف ہوئے۔ اور پھر آپ کی ملازمت اختیار کرکے تعلیم باطنی حاصل کی۔ نیشاپور کی تعلیم کے دوران مولانا حسین واعظ کاشفی کے ہم سبق اور ہم حجرہ رہے۔ مولانا حسین کے بیٹے مولانا فخرالدین علی صفی لکھتے ہیں کہ آپ سابقہ پدری شناسائی کا خیال کرکے میرے ساتھ کمال توجہ فرمایا کرتے تھے۔

جب آپ خواجہ ملازمت سے سرفراز ہوتے تو سات برس کامل ریاضات و مجاہدات میں صرف کیے لیکن حضرت خواجہ ان کے حال پر بظاہر مطلق متوجہ نہیں ہوتے۔ اس دوران آپ ہر قسم کے دکھ درد جو صادق دردمندوں کا حصّہ ہے برداشت کیا کرتے تھے اور صبر و تحمل و توکل اختیار کرتے ہوئے اپنے اعتقادات کو درست رکھتے تھے جب قوتِ برداشت جواب دے گئی تو نہایت غمگین اور افسردہ ہوکر اپنے بستر پر جاکر لیٹ گئے۔ سر اور منہ لنگی سے چھپالیا۔ اور اپنے آپ پر لعنت ملامت کرنے لگے کہ "اے عبد الاول اس دنیا میں بہت سے آدمی ایسے ہیں جو ولایت و قرب کی دولت سے بے بہرہ ہیں۔ تو بھی انھیں میں شامل ہو جا۔ جفا اور محنت کے برداشت کرنے میں جس قدر انسانی طاقت تھی۔ وہ تو کام میں لا چکا۔ لیکن کوئی کشود کار نہ ہوا۔" (نتیجہ کچھ نہ نکلا) اسی قسم کی پشیمانی کے باتیں کرتے ہوئے ایک لحظہ بھی نہ گذرا تھا کہ حجرہ میں پاؤں کی آہٹ ہوئی۔ چونکہ آپ دریائے غم میں ڈوبے ہوئے تھے۔ آہٹ کی طرف متوجہ نہ ہوتے۔ یکایک پیر بزرگوار کی آواز سنائی دی کہ "عبد الاول! آرام سے سو۔ تمہارے سب کام پورے طور پر درست ہوگئے ہیں۔" آپ یہ آواز سن کر مضطربانہ اٹھے۔ دیکھا کہ حضرت خواجہ حجرے سے باہر تشریف لے جارہے ہیں آپ عاشقوں کی طرح بیتاب اور مضطرب ہو گئے۔ اس کے بعد راہ طلب میں دوبارہ استقامت اور رسوخ حد سے زیادہ نصیب ہوا اور اسی مہینہ یعنی ماہ ذی الحجہ ۹۰۹ھ میں آپ نے وفات پائی

دیا۔ اتفاق سے اس خیمہ کے علاوہ کوئی دوسرا خیمہ بھی نہ تھا۔ آپ کے حسب الحکم تمام فقرا و اصحاب اسی خیمہ میں رہے۔ رات بھر تیز بارش ہوتی رہی۔ بعد نماز فجر ارشاد فرمایا کہ ہم کو بڑی شرم معلوم ہوئی کہ ہم خود تو رات بھر خیمہ میں آرام سے سوئیں اور ہمارے ساتھی بیچارے بارش میں بھیگیں لے

آپ کے بعض اصحاب نے بیان کیا کہ ایک بار گرمی کے موسم میں تیز لوٗ چل رہی تھی آپ اپنے ایک فارم کی جانب جس کا نام " بزآورو " تھا روانہ ہوئے۔ فقرار اور اصحاب کی ایک جماعت آپ کی معیت میں تھی۔ اس موضع کے کاشکاروں کے پاس ایک جھونپڑی تھی اس کو آپ کے لئے ایک جگہ نصب کر دیا گیا آپ کے اصحاب کو آپ کے ساتھ بیٹھنے میں شرم محسوس ہوئی۔ حالانکہ اس کے علاوہ کوئی سایہ بھی نہ تھا جب تیز لوٗ چلنا شروع ہوئی تو آپ نے گھوڑا منگوایا اور فرمایا مجھے بعض ضروری اور اہم کام دیکھنا ہیں یہ فرما کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور صحرا کی جانب روانہ ہو گئے۔ دوپہر بھر اسی لوٗ میں گھومتے رہے - - - - - - - - - - - - - ۔ جب لوٗ رک گئی تو آپ واپس تشریف لائے۔ جتنے روز وہاں رہے یہی کرتے رہے آخر کار سب کو یہ معلوم ہو گیا کہ آپ نے جو کچھ مشقت و کلفت اٹھائی اور لوٗ دھوپ میں پھرے وہ محض اپنی رفقار کے آرام کی خاطر اٹھائی ٢ مندرجہ بالا دونوں واقعات سے آپ کی بے مثال ایثار کی حقیقت سامنے آتی ہے۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی زمانہ بیشتر سیر و سیاحت میں گذرا جس کا اصل مقصد بزرگانِ دین اور کاملین سے فیض صحبت حاصل کرنا تھا۔ چنانچہ سمرقند۔ بخارا۔ مرو۔ خراسان۔ ہرات اور بلخ میں رہ کر صدہا اکابر اولیار اللہ کی صحبت و خدمت سے فیضیاب ہوئے ان میں حضرت شیخ بہار الدین عمرؒ اور

لے رشحات قلمی ۱۲۸ ۲ے ایضاً

۳ے شیخ بہار الدین عمر خراسان کے مشائخ میں سے آپ پر ایک خاص قسم کا استغراق طاری رہتا تھا۔ خواجہ صاحب آپ کے معترف تھے۔ اکثر فرماتے تھے کہ مجھے جو بات خواجہ بہار الدین میں نظر آتی تھی اور دوسرے میں نظر نہیں آتی تھی میں آپ کے کندھے بہت ملا کرتا تھا نہ آپ ہی بس کرتے تھے اور نہ میں ہی ترک کرتا تھا۔ جیسے ہی مجھے دیکھتے۔ فرماتے کہ اے شیخ زادے! آؤ میرا کندھا ملو۔ اور جب میں آپ کے موزے اتارتا تھا۔ تو کوئی خوشبو اس سے بہتر مجھے معلوم نہ ہوتی تھی۔ (آپ کا مفصل حال رشحات۔ بحر زخار اور نفحات الانس میں مذکور ہے۔)

حضرت مولانا نظام الدین خاموش سرِ فہرست ہیں۔ جن کی ہمہ وقت صحبت سے آپ زائد متاثر ہوئے آپ جب کبھی خراسان کے مشائخ کا تذکرہ کرتے تو فرماتے کہ "مجھے جو بات شیخ بہار الدین عمر میں نظر آئی وہ کسی دوسرے میں نہ نظر آئی۔ ان میں ایک خاص بات یہ تھی کہ وہ ہر شخص سے اس کے مزاج اور مذاق کے مطابق گفتگو کرتے ہیں اور اپنے کو اسکے مقابلہ میں ممتاز نہیں کرتے لے

نیز یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے ساری عمر میں سید قاسم تبریزی سے زائد بزرگ شخصیت کسی کی نہ دیکھی۔ اس دور کے تمام مشائخ کی خدمت میں رہا اور ہر ایک کی نسبت دیکھی لیکن جو بات سید قاسم کی نسبت میں پائی وہ کسی میں نہ پائی۔ اور اسے چھوڑنے کو دل نہ چاہا۔ میں جب بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تو یہ نظر آتا تھا کہ ساری کائنات ان کا طواف کر رہی ہے۔ پھر ان میں داخل ہوتی ہے اور گم ہو جاتی ہے

ے مولانا نظام الدین خاموش خواجہ علاء الدین عطار کے جلیل القدر اصحاب میں تھے۔ آپ میں جذبی و استغراقی کیفیت بہت طاری رہتی تھی۔ فرماتے تھے کہ خواجہ علاؤالدین عطار کی خدمت میں حاضری سے قبل ہی ریاضات و مجاہدات کر چکا تھا جسکی وجہ سے خوارق عادات بہت ظاہر ہوتے تھے ایسا کہ اکثر اوقات بعض ان مساجد میں جن میں قفل بند رہتا تھا جانے کا ارادہ کرتا تو فوراً قفل خود بخود کھل جاتا تھا۔ جب خواجہ علاء الدین عطارؒ کی سمرقند تشریف آوری کی خبر سنی تو شدت سے ذوقِ حاضری پیدا ہوا۔ حاضری سے قبل مولانا ابو سعید سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے فرمایا کہ مولانا تم نہایت عفیف اور پاکیزہ ہو۔ گیا ان زہد اور پاکیزگیوں سے گذرنے کا ابھی وقت نہیں آیا ہے۔ میری طبیعت یہ سنکر یک گونہ منغض ہوئی۔ جب خواجہ علاء الدین کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے بھی وہی الفاظ دہرائے لیکن مجھکو آپکے اس فرمانے پر ذرہ برابر گرانی یا ناگواری محسوس نہ ہوئی بلکہ جو انقباض مولانا ابو سعید کے فرمانے پر پیدا ہوا تھا وہ بھی رفع ہوگیا۔ آپ فرماتے تھے کہ چالیس سال سے مجھے حاجتِ غسل نہ ہوئی۔ اور اس کا سبب یہ بیان کرتے تھے کہ ایک روز روحانیین کی ایک جماعت اتری اور کہا کہ تم کو اس بات کا خود خیال رکھنا چاہیے کہ احتلام نہ ہو (پاکیزگی جسم کا خود پاس و لحاظ رکھنا چاہیے) کیونکہ ان نفسانی تقاضوں سے تم کو بہر حال واپس لوٹنا ہے۔ چنانچہ اس روز سے میں نے اس بات کا خاص خیال رکھا۔ حالانکہ آپ متاہل تھے (بال بچے دار تھے) (آں گوشوارہ کرامتِ کبریٰ۔ آں طاقِ ولایتِ صغریٰ۔ آں جام وحدت کوش۔ حضرت مولانا نظام الدین خاموش از افضلِ اصفیاء و اکبرِ اتقیا شانے عظیم و ہمتے بلند و خدا طلبی داشت) تجرۂ خار جلد ۲ صفحہ ۴۶ مفصل حال کے لیے ملاحظہ ہو۔ رشحات و نفحات الانس

لے رشحات ۱۳۳

وہ اکثر اپنا پس خوردہ آپ کو یہ کہکر عنایت فرماتے کہ "اے شیخ زادہ ترکستان ! جس طرح ہمارے مرید ہمارے مطیع فرمانبردار ہیں اسی طرح (ایک وقت ایسا آئے گا) کہ سارا عالم تمہارا مطیع و فرمانبردار ہو جائے گا" [۱]

ایک بار دورانِ حاضری سید صاحب نے آپ سے فرمایا کہ بابو ! تمہارا کیا نام ہے (ان کی یہ عادت تھی کہ اکثر لوگوں کو بابو کہکر مخاطب فرماتے تھے) آپ نے عرض کیا عبید اللہ ! - انھوں نے فرمایا کہ تم کو اپنے نام کی تحقیق ضرور کر لینا چاہیئے - آپ کے مخلص و خلیفہ خاص مولانا محمد قاضی اسکی تشریح میں لکھتے ہیں کہ اسم کی تحقیق کا مطلب یہ ہے کہ تم اس بات پر غور کرو کہ کس اسم حق کے مظہر ہو تاکہ اسی کے مطابق اس کی عبادت کرسکو - پھر لکھتے ہیں کہ راقم کے دِل میں جو آیا وہ یہ ہے کہ اسم کی تحقیق سے یہ مراد ہے کہ وہ اسم تمہارا مربی اور تمہاری حقیقت اس اسم کا مظہر ہے - اور تمہارے تمام امور اسی سے وابستہ ہیں - اور اس اسم کے ساتھ متحقق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سالک کی حقیقت ایسی آئینہ ہو جائے کہ وہ اسم تمام لوازمات کے ساتھ کامل طور پر اسمیں متجلی ہو جائے اور اس کے مظہر سے بروجہِ کمال ظاہر ہو - اور وہ خود اس تجلی کے آثار و احکام کے ظہور میں فنا و مستغرق ہو جائے (یعنی ہر شخص ذات و صفات کے اسمار میں سے کسی نہ کسی اسم کا مظہر ہوتا ہے اور اسی اسم سے اسے فیض حاصل ہوتا ہے) [۲]

آپ فرماتے تھے کہ مجھے سمرقند میں (قیام کے دوران) خصبہ [۳] ہو گیا تھا - قدرے بہتر ہوا تھا - لیکن نقاہت حد سے زائد تھی - مولانا قطب الدین کے مدرسہ میں پڑا ہوا تھا - اچانک مولانا سعد الدین کاشغری آئے اور فرمایا کہ تم کو ایک خوشخبری ہو - سید قاسم تشریف لاتے ہیں - اس وقت میرا حال یہ تھا کہ اتنی بھی قوت نہ تھی کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو سکتا - میں نے ان سے کہا کہ آپ جائیں مجھ میں تو ابھی اتنی سکت ہے نہیں کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو سکوں چند روز بعد جب میرے اتنی طاقت آگئی - تو شیخ ابو اللیث کی خانقاہ آیا جہاں

---

[۱] ایضاً ۱۲۶ [۲] ایضاً ۱۴۰ - [۳] چھوٹے چھوٹے دانے بڑی جلن والے جو آدمی کے جسم میں نکلتے ہیں - فارسی میں اسکو سرخچہ کہتے - یہ بھی ایک قسم کی چیچک ہے مگر خوفناک نہیں ہے - کشوری ۱۵۴ ..

آپ بغرض حمام تشریف فرما تھے۔ میں آپ کے انتظار میں باہر کھڑا رہا۔ تھوڑی بعد آپ حمام سے باہر تشریف لائے اور تختِ رواں (پالکی یا میانہ) پر بیٹھ گئے جس کو چار آدمی اٹھائے ہوئے تھے۔ اتفاق سے اس وقت ایک شخص موجود نہ تھا لہٰذا ایک پایہ میں نے تھام لیا اس کا اٹھانا تھا کہ میں دُہرا ہو گیا اور اتنا جھک گیا کہ قریب تھا میری ناک زمین سے لگ جائے اور تختِ رواں میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑے۔ میں یہ صورتحال دیکھ کر سخت پریشان ہوا۔ اور فوراً آپ کی جانب متوجہ ہوا۔ اس توجہ سے مجھ میں اتنی قوت آگئی کہ تختِ رواں کو امیر شاہ ملک کے پھاٹک تک لے چلا گیا۔ سید صاحب کے مریدین کو میری کمزوری اور حالت کا پورا علم تھا۔ یہ دیکھکر سخت متعجب ہوئے اور کہنے لگے کہ "اب تم انسانِ کامل کے زمرہ میں آگئے ہو کیونکہ حاملِ بارِ امانت ہو گئے ہو"۔ [1]

سیر و سیاحت:۔ آپ کچھ عرصہ سمرقند میں رہے پھر وہاں سے بخارا روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ میں شیخ سراج الدین[2] پرمسی کے وہاں ایک ہفتہ قیام فرمایا۔

---

[1] رشحات ۱۳۲۔

[2] شیخ سراج الدین کمال پرمسی پرمس میں پیدا ہوئے (پرمس قصبہ وابکنی کا ایک گاؤں ہے وہاں سے شہر بخارا تقریباً ۴ میل ہے) ابتدائے حال میں امیر حمزہ فرزند امیر کلالؒ کے مرید ہوئے لیکن آخر میں خواجہ بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے ابتدائے حال میں امیر حمزہ کی خدمت میں رہ کر ریاضات و مجاہدات کئے۔ اسی دوران ایک روز غیبت طاری ہوئی تین شبانہ روز بے خود (بے سدھ) پڑے رہے۔ مرشدِ برحق کو جب ان کی کیفیت کا علم ہوا تو تشریف لائے ان کے کان میں کہدو کہ امیر حمزہ کہہ رہے ہیں جس جگہ تم پہنچ گئے ہو وہاں سے پلٹ آؤ۔ جیسے ہی یہ آواز کانوں میں پہنچی فوراً ہوش میں آ گئے خواجہ صاحب فرماتے تھے کہ جب میں سمرقند سے بخارا کی جانب چلا تو راستہ میں سیراج پرمسی کا گاؤں پڑا۔ میں وہاں حاضر ہوا۔ آپ نے بہت عنایت و توجہ فرمائی اور بہت چاہا کہ ان کے پاس رہ جاؤں۔ لیکن دل نے گوارا نہ کیا۔ جب میں نے رخصت چاہی تو فرمایا کہ یہاں کی بھی سیر کر لو خراسان و عراق سب جگہیں تو تم گھوم چکے ہو۔ میں رک گیا۔ پھر تین روز بعد بخارا چلا گیا
اپنے تین روزہ دورانِ قیام ان کے احوال کا خوب جائزہ لیا۔ دن بھر آپ کسگری کرتے تھے اور رات بھر ایک پہلو سے بیٹھے رہتے تھے ایک روز مجھسے فرمایا کہ مجھ سے اور شیخ ابوالحسن عشقی کے اصحاب کی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی۔ مجھے یہ خیال آیا کہ ان کو مرید کر لوں۔ وہ اس بات کو سمجھ گئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ اے شیخ آپ اپنا وقت ضائع نہ کیجئے ہم شیخ ابوالحسن کی محبت میں گلے گلے تک پڑے ہیں کہ اب کسی دوسرے کی گنجائش نہیں ہے مجھے اس بات سے بڑی شرم آئی اور ان کے باطن میں ایک ایسا تصرف کیا کہ سب کے سب گریبان چاک کر کے زمین پر لوٹنے لگے اور تادیر بیہوش پڑے رہے۔ جب میں نے دوبارہ تصرف کیا اور وہ ہوش میں آئے تو نہایت معتقد اور نیازمند ہو گئے۔ میں نے کہا کوئی حرج نہیں۔ میرے اور تمہارے شیخ ابوالحسن عشقی ایک ہی برتن سے پانی پیتے ہیں (رشحات ۳۸۔۳۹)

وہاں سے بخارا گئے۔ اور مولانا حسام الدین[۲۵] ابن مولانا حمید الدین شاشی سے ملاقات کی نیز خواجہ علاء الدین غجدوانی کی بھی صحبت میں رہے۔ پھر خراسان کے ارادہ سے روانہ ہوئے اور مرو ہوتے ہوئے ہرات گئے۔ ہرات میں چار سال قیام فرمایا .... قیام کے دوران شیخ زین الدین[۲۶] خوافی۔ سید قاسم تبریزی اور شیخ بہاء الدین عمر قدس سرہم کی بھی خدمت میں تشریف لے جاتے تھے۔ ایک روز شیخ بہاء الدین عمر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے اپنی عادت کے مطابق پوچھا کہ کہو شہر کی کیا خبریں ہیں۔ آپ نے عرض کیا دو خبریں ہیں۔ فرمایا وہ کون سی۔ عرض کیا کہ شیخ زین الدین اور ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ "ہمہ از وست"۔ اور سید قاسم اور ان کے متبعین کہتے ہیں "ہمہ اوست"۔ حضور کیا فرماتے ہیں آپ نے فرمایا کہ "شیخ زین الدین صحیح کہتے ہیں" پھر کھڑے ہو گئے۔

---

[۲۵] مولانا حسام الدین شاشی امیر حمزہ کے سب سے پہلے خلیفہ اور مولانا حمید الدین شاشی کے صاحبزادے اور حضرت خواجہ بہاء الدین کے زمانے میں بخارا کے اکابر علماء میں تھے۔ خواجہ بہاء الدین قدس سرہٗ سے نہایت ارادت و اخلاص رکھتے تھے۔ پہلے شیخ محمد سو بجی کے معتقد ہوئے جو مشائخ وقت میں سے تھے۔ پھر شیخ امیر حمزہ کی خدمت میں رہ کر مراتب سلوک طے کئے۔ حضرت خواجہ صاحب فرماتے تھے کہ جب میں پہلی بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت ایک قیمتی لباس پہنے ہوئے تھا آپ نے اس کو دیکھ کر اظہار ناپسندیدگی کیا اور فرمایا کہ فقیر اور ایسا قیمتی لباس پہنے۔ میں فوراً باہر آیا اور ایک شخص کی پوستین سے اسے تبدیل کر دیا جب اندر آیا تو آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا یہ اچھی ہے۔ خواجہ صاحب فرماتے تھے کہ آپ میں استغراقی کیفیت بہت زیادہ تھی۔ نفس مطمئنہ کا چلتا پھرتا مرقع تھے۔ لوگوں کے قلبی احوال کا عرفان رکھتے ہوئے ان پر ایسی توجہ ڈالتے کہ کوئی کتنا ہی بے مذاق کیوں نہ ہو۔ لیکن آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔ سوز باطنی کی طپش اور غلبات جذبات کی فراوانی کے باعث جاڑوں میں برف توڑ کر پیروں کو برفاب میں ڈالتے تھے۔ اور حرارت قلبی کے باعث اپنا سینہ کھول کر اس پر پانی ڈالتے تھے رشحات ۲۴

آپ کا مفصل حال رشحات اور نفحات الانس میں مذکور ہے

[۲۶] شیخ زین الدین ابو بکر خوافی نور الدین عبد الرحمٰن کے مرید تھے۔ بہت زائد سفر کئے اور بہت سے مشائخ کی صحبت میں رہے ریاضات و مجاہدات شاقہ میں عمر بسر کی۔ نفحات الانس میں ہے کہ زہد وورع و تقویٰ میں سرآمد روزگار تھے (سلوک) علم تصوف کی تکمیل کے بعد مرشد حق سے اجازت حاصل کر کے اپنے وطن چلے گئے اور بڑی شہرت و مقبولیت حاصل کی آخر عمر میں تین روز تک نظروں سے غائب رہے پھر ظاہر ہوئے پر ایک سال تک کسی سے بات نہ کی۔ ۲ شوال ۸۳۸ھ بروز یکشنبہ وفات پائی اور ہرات کی عیدگاہ کے قریب دفن ہوئے " آں خزینۂ اسرار کمالات کماہی۔ آں گنجینۂ حالات انوار الٰہی۔ آں مست شراب مشرب صافی قطب ولایت شیخ زین الدین ابو بکر خوافی (بحر ذخار جلد دوم صفحہ ۱) ملاحظہ ہو نفحات الانس

اور شیخ زین الدین اور ان کے اصحاب کے قول کی تائید میں دلائل دینا شروع کیے۔ جب آپ نے غور کیا تو سب دلائل سید قاسم اور ان کے متبعین کے قول کی تائید میں تھے۔ آپ نے عرض کیا کہ یہ دلائل تو سید قاسم کی بات کی تائید کرتی ہیں۔ یہ سن کر آپ نے اس سے زائد قوی دلائل دینا شروع کیے لیکن وہ سب بھی سید قاسم ہی کے قول کی تائید میں تھے۔ اس وقت آپ کے دل میں آیا کہ (اس کا مطلب یہ ہے) باطن میں سید قاسم کے قول کا اعتقاد رکھنا چاہیے اور ظاہر میں شیخ زین الدین کے قول کا[1] (یعنی توحیدِ وجودی کا اعتقاد رکھے اور توحیدِ شہودی کا اقرار کرے)

توحیدِ وجودی کا مسئلہ کوئی علمی اور استدلالی مسئلہ نہیں ہے جو سمجھایا جاسکے بلکہ ایک ذوقی۔ وجدانی کشفی اور روحانی لذت ہے ؎ ذوقِ این مے نہ شناشی بخدا تانہ چشتی۔ یہ الٹ پھیر صرف لفظوں کا ہے ورنہ وجود شہود ہے اور شہود وجود۔ شہود ہو ہی نہیں سکتا جب تک وجود نہ ہو اور وجود کا تصور ناقص اور ناقابلِ فہم ہے جب تک شہود نہ ہو۔ قرآن پاک کا یہ علی الاعلان بیان اللّٰہ نور السمٰوات والارض وحدت الوجود کا بیّن ثبوت نہیں تو اور کیا ہے سید سلیمان ندوی فرماتے تھے کہ تم وحدت الوجود کو قال سے سمجھنا چاہتے ہو لیکن یہ تو حال ہے پھر کیسے تمہاری سمجھ میں آسکتا ہے۔"

ذات جس طرح صفات سے الگ نہیں اسی طرح وجود شہود کا غیر نہیں۔ وحدت میں تفریق اور تفرقہ کیسا۔ ایک ذات ہے جس کے لاتعداد اور لاتحصیٰ مظاہر ہیں جن میں سے کچھ نگاہِ ظاہر بیں میں فی الحال ہویدا ہیں اور ہزاروں ایسے ہیں جو ابھی تک نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ اور کیا معلوم کب منصۂ شہود پر آجائیں۔ ابتدائے تاریخ تصوف میں توحید کے تصور میں یہ تفریق نہ کبھی پیدا ہوئی نہ اس کی کبھی ضرورت پڑی کیونکہ ذکرِ الٰہی لاالٰہ الا اللّٰہ دلوں کو زندہ کرنے کے لئے کافی سمجھا گیا ہے۔ ان موشگافیوں کی صوفیائے کرام کو نہ فرصت تھی اور نہ جنکی چنداں ضرورت تھی۔ مظاہرِ فطرت شہود ہیں اور حق من حیث الحقیقت وجود۔ جیسا شاعر نے کہا ہے ؎

حرم و دیر کے جھگڑے ہیں چھپنے سے پڑے ۔۔۔ تو اگر پردہ اٹھا دے تو تو ہی تو ہو جائے

لہٰذا وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں بجائے جھگڑا ڈالنے کے اور ان کے فرق و تفریق کو منطق استدلال سے کسی کو صحیح اور کسی کو غلط سمجھنا اور کہنا دراصل ایک فریبِ خرد ہے۔ اور فریبِ خرد میں پڑنے سے بہتر یہ ہے کہ حسنِ ازل کی (جو مستور ہے) لقائے زیبا کی خواہش میں زندگی کو وقف کر دیا جائے تاکہ زندگی

---

[1] رشحات ۱۴۳

ہمیشہ زندہ رہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے شریعت کے غلبہ کے باعث یہ فرق محسوس کیا لیکن شریعت و طریقت جداگانہ شے نہیں ہیں۔ شریعت "ہم پر" ہے اور طریقت "ہم میں" ہے ایک کا تعلق ظاہر سے ہے اور دوسرے کا باطن سے۔ شریعت رسولؐ کے نفس کا عمل اور طریقت روح کا عمل ہے۔ نہ ظاہر باطن سے الگ ہو سکتا ہے اور نہ باطن ظاہر سے۔ جب شہبازِ طریقت کو یہ دونوں شہپر میسر ہوتے ہیں تب وہ رموزِ نہانی کی معراج پر پہنچ سکتا ہے۔ اسی کو بقا بعد الفنا کہتے ہیں۔" اور فنا کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان کے باطن پر خدا کی ہستی کے ظہور کا غلبہ ہو تو خدا کے سوا کسی شے کا علم و شعور باقی نہ رہے اور فناء الفنا یہ ہے کہ اس بے شعوری کا بھی شعور نہ رہے۔" اس سب کا خلاصہ یہ ہے کہ "فنا اس حال کا نام ہے جس میں انسان مشاہدۂ ذاتِ حق میں ایسا محو ہو جائے کہ کائنات اس کی نظر میں معدوم ہو جائے۔ اور بقا یہ ہے کہ انسان ایسا کمال حاصل کرے کہ حق کو خلق میں دیکھے اور خلق کو حق میں اس طرح کہ ایک مشاہدہ دوسرے مشاہدہ کے مانع نہ ہو۔ یہی مقامِ انسانِ کامل اور خلافتِ الٰہیہ کا ہے۔"

آپ فرماتے تھے کہ جب میں ہری گیا اور حلِ دختراں پہنچا تو ایک حسین تاجر کو دیکھا کہ ایک سرائے کے دروازہ پر بیٹھا ہوا ہے میں یہ سمجھا کہ ذکرِ طریقۂ خواجگاں میں مشغول ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ یہ طریقہ تم نے کس بزرگ سے سیکھا ہے۔ کہنے لگا کہ ہلفتو میں ایک بزرگ ہیں جو حضرت خواجہ بہاؤ الدینؒ نقشبندؒ کے خلیفہ ہیں اور ان کا نام مولانا یعقوبؒ چرخیؒ ہے اور ان کے فضائل و مناقب بیان کرنے لگا۔ آپ کو یہ سنتے ہی شوقِ ملاقات پیدا ہوا اور فوراً ہلفتو کی جانب روانہ ہو گئے۔ جب چغانیوں کے ملک پہنچے تو وہاں کچھ لوگوں سے آپ کے متعلق کچھ اس قسم کی باتیں سنیں جن سے شکوک پیدا ہو گئے۔ عقیدہ متزلزل ہو گیا اور حاضری میں کا وٹ

پیدا ہوگئی۔ اسی دوران آپ کو بخار آگیا جس کی وجہ سے مزید تاخیر ہوگئی بیس روز بخار میں مبتلا رہے اس عرصہ میں وہ خیالات اور پختہ ہوگئے لیکن اس سب کے باوجود بادیۂ شوق کے مسافر کے جذبۂ اشتیاق میں کوئی ایسی ہی مخفی کشش ودیعت تھی جو العطش العطش کا نعرہ لگا رہی تھی اور یہی وہ چیز تھی جو حقیقت کے انکشاف کیلئے نورِ بصیرت کی متلاشی تھی۔ بہرحال جذباتِ عالیہ نے لیس الصراط الا بالجذبہ سے رہبری کی اور مشعلِ ہدایت کا کام دے کر مقصودِ حقیقی کی شاہراہ کی جانب روانہ کر دیا۔

لہ حضرت مولانا یعقوب چرخی غزنین کے ایک گاؤں "چرخ" کے رہنے والے تھے۔ اور "رشحات" میں لکھا ہے کہ "چرخ" حصار کا ایک گاؤں تھا۔ علومِ ظاہری کی تکمیل کے بعد حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کے خواستگار ہوئے۔ انھوں نے سبب دریافت فرمایا۔ آپ نے عرض کیا کہ حضور بزرگ اور مقبولِ خلائق ہیں۔ فرمایا تمہارے پاس کوئی اور دلیل نہیں ہے ہوسکتا ہے تمہارا یہ خیال شیطانی وسوسہ ہو۔ عرض کیا کہ حدیث صحیح ہے کہ "اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندہ کو محبوب رکھتا ہے تو اپنے بندوں کے دلوں میں اُس کی محبت پیدا فرما دیتا ہے"۔ آپ مسکرائے اور فرمایا ہم ان محبوبوں میں نہیں ہیں۔ جب آپ نے شدت سے اصرار کیا تو فرمایا کہ میں خود سے کسی کو مرید نہیں کرتا لہٰذا بغیر اشارۂ غیبی تم کو قبول نہیں کر سکتا۔ آج شب منتظر رہوں گا کہ غیب سے کیا اشارہ ہوتا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ میں اس رات کی کیفیت کیا بتاؤں وہ مجھ پر کیسی سخت گذری۔ جب صبح ہوئی تو مجھ سے فرمایا مبارک ہو۔ تمہیں قبول کرنے کی بشارت دی گئی ہے پھر آپ کو بیعت سے مشرف فرما کر وقوفِ عددی (طریقہ نقشبندیہ کا ایک شغل) تعلیم فرمایا۔ کچھ عرصہ آپ کی خدمت میں رہ کر اور خلافت رشد و ارشاد و اجازتِ سفر حاصل کر کے بدخشاں گئے۔ پھر آپ کی وفات کے بعد خواجہ علاء الدین عطارؒ کی خدمت میں رہ کر فیوض و برکات اخذ کئے۔ ان کی حیات بھر ان سے علیحدہ نہ ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد مسندِ ارشاد و تلقین پر متمکن ہو کر ایک عالم کو اپنے فیوضِ باطنی سے مالامال کیا۔ صاحب "بحرِ زخار" آپ کے بارہ میں ان الفاظ سے رقم طراز ہیں۔ "آں قبلۂ کاملین اعظم۔ آں کعبۂ موحدین معظم آں در کمالات نظیر خواجہ معروف کرخی قطب العالم حضرت خواجہ یعقوب چرخی۔ مقتدائے عاشقاں پیشوائے واصلاں۔ در زہد و ورع و ریاضت و کرامت بس رتبہ رفیع را مالک بود"۔
(بحرِ زخار جلد دوم صفحہ ۱۷۶) آپ کا مفصل حال رشحات اور نفحات الانس میں تحریر ہے۔

مرشد برحق کی خدمت میں حاضری

عشق کے واردات کا عملی جامہ پہنے کا وقت آگیا تھا اور آپ اسکی وسعت و گہرائی میں جانے کے لئے مضطرب اور اس مجمع البحرین کے موتی نکالنے کیلئے بےچین تھے۔ اسی شوق و ذوق اور تلاش و جستجو، نے ملکوں کی خاک چھنوائی۔ بادیہ گردی کے مزے چکھائے صحرا صحرا آبلہ پائی کی نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز کیا لیکن بیقرار دل کسی پر جم نہ سکا اور ان کی نگاہِ تجسس یہی کہتی رہی ؎

زشہر ستارہ جویم زستارہ آفتابے سرِ منزلے نہ دارم کہ بمیرم از قرارے

قائدِ تقدیر نے نہ صرف اس کبریتِ احمر کا راستہ دکھایا بلکہ اپنی رہبری میں ان کے قلبی فکر و نظر کے تقاضوں کو حصولِ مدعا کا ذریعہ بنا دیا یعنی اس ہستی کے روبرو، پہنچا دیا جس نے اپنی آغوشِ تربیت میں لیکر اپنی ژرف نگاہی سے جلوۂ طور کا مشاہدہ کرایا اور ان کے جذبۂ شوق کو ملاحظہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ؎

ستم است گر ہوست کشد کہ بہ سیرِ سرو سمن در آ تو زغنچہ کم نہ دمیدۂ درِ دل کشا بچمن در آ

نرگسِ مستانہ کی سحر طرازیاں اور بادۂ عرفان کی سرمستیاں رنگ لائیں اور آپ بہ زبانِ حال پکار اٹھے ؎

مجھ پہ جادو، یہ چلایا کس نے مجھکو دیوانہ بنایا کس نے
میں تھا آسودۂ خوابِ غفلت مجھکو سوتے سے جگایا کس نے

نازو نیاز کی ہم آہنگی اور نسبتِ حبّی نے تمام سابقہ نسبتوں کو معدوم کر دیا۔ نگاہوں کے نامہ و پیام کے بعد ظاہری اور دستی عہد و پیمان کی بھی ضرورت محسوس ہوئی اور ایک روز "دست بدست دگرے" کے مصداق بن گئے۔

جو موسیٰ بھی ہوں تو بھی اتباعِ خضرؑ لازم ہے۔ ہدایت منحصر ہے اتباعِ شیخ کامل میں

رشحات کے مصنف لکھتے ہیں کہ جب آپ مرشدِ کامل کی تلاش و جستجو میں روانہ ہو کر چغانیاں پہنچے تو وہاں کچھ لوگوں کی زبانی آپ کے سلسلہ میں کچھ اس قسم کی باتیں سنیں جن سے عقیدہ متزلزل

ہوگیا اور مختلف قسم کے شکوک پیدا ہوگئے۔ کئی روز اسی کشمکش میں گذرے اسمیں بھی جاذبہ آڑے آیا۔ دِل نے کہا کہ تم نے اتنی دور دراز کا سفر جو کیا تو کیا تمہیں اچھا معلوم ہوتا ہے کہ بغیر ان سے ملاقات کئے واپس جاؤ دراں حالیکہ کشود کار انھیں پر منحصر ہے۔ آپ اس آواز پر لبیک کہہ کر روانہ ہوئے۔ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس دن بڑی عنایات و نوازشات فرمائیں۔ آپ تھوڑی دیر بیٹھ کر واپس آگئے۔ جب دوسرے روز حاضر ہوئے تو بر خلاف گذشتہ روز کے نہایت سختی و درشتی سے پیش آئے۔ آپ کو فوراً خطرہ آیا کہ آپ کا یہ برتاؤ اور سلوک یقیناً میرے اس دن کی غیبت سننے اور جو شکوک میرے دِل میں پیدا ہوگئے تھے ان کی وجہ سے ہے۔ گوکہ آپ نے اس کی وضاحت نہ فرمائی لیکن اتنا فرمایا کہ کسی کا کسی کے پاس مہینہ دو مہینہ تک نہ جانا اس سے بہتر ہے کہ کسی کی غیبت سنے (یعنی تم نے وہ غیبت سنی ہی کیوں[۱]) ان کے اِس فرمانے پر آپ کو پورا یقین ہوگیا کہ وہ غضب اسی غیبت سننے کی وجہ سے تھا چنانچہ آپ متنبہ ہوگئے۔ پھر گذشتہ روز کی طرح بڑی عنایات فرمائیں اور خواجہ بہاء الدین قدس سرہٗ کی خدمت میں اپنی حاضری اور ملاقات کی کیفیت بیان کی۔ اور اپنا دستِ مبارک بڑھایا کہ آؤ بیعت ہوجاؤ۔ آپ ان کے اس اچانک اقدام پر متامل ہوئے کیوں کہ ان کی جبینِ مبارک پر آپ کو ایک سفید داغ نظر آیا جو بیعت کے مانع ہوا۔ مرشدِ برحق فوراً آپ کے اس خطرہ پر مشرف ہوگئے اور نہایت حسین وجمیل شکل میں نمودار ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حجاباتِ شکوک چشم زدن میں کافور ہوگئے۔ مرشد کامل کی ہر ادا یہ کہتی ہوئی نظر آئی کہ ؎

بدگماں ہو کے مِل اے دوست جو ملنا ہو تجھے
یے جھجکتے ہوئے ملنا کوئی ملنا بھی نہیں

آپ نے یہ دیکھکر بے اختیارانہ دستِ مبارک تھام لیا۔ انھوں نے آپ کی بیخودی ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ حضرت خواجہ بہاء الدینؒ نے جب میرا ہاتھ پکڑا تھا تو فرمایا تھا کہ "تمہارا ہاتھ عین میرا ہاتھ ہے جس نے تمہارا ہاتھ پکڑا اس نے میرا ہاتھ پکڑا لہٰذا تم حضرت خواجہ بہاء الدین کا ہاتھ پکڑ لو۔ آپ نے یہ سن کر بلا توقف دستِ مبارک تھام لیا۔ مرشدِ برحق نے تعلیمِ باطنی فرمائی اور نفی واثبات کا وہ طریقہ جسکو "وقوفِ عددی" کہتے ہیں تعلیم فرمایا۔[۱]

---

[۱] رشحات ۱۳۴

ہدیہ قبول نہ کرنا آپ نے اپنی ابتدائے عمر سے لیکر آخر تک کسی کا ہدیہ اور تحفہ قبول نہ کیا مولانا احمد کاریزی نے (جو ایک بزرگ آدمی تھے اور حضرت مولانا سعد الدین قدس سرہ سے تعلیم پائے ہوئے تھے) ان کی وفات کے بعد ایک نہایت بیش قیمت لباس سفید جامہ وار اپنے ہاتھ سے بنا کر کاریز سے تحفۃً سمرقند بھیجا اور اس کے پہننے کے لئے اصرار کیا۔ آپ نے فرمایا "یہ لباس پہنا جا سکتا ہے کیونکہ اس سے بوئے صدق (خلوص) آتی ہے لیکن چونکہ میں نے کسی کا ہدیہ قبول نہیں کیا ہے لہٰذا اس سلسلہ میں معذوری ہے۔" پھر وہ ہدیہ کاریز واپس بھیجدیا۔ [1]

ایک روز آپ شہر سے چند کوس کے فاصلہ پر ایک صحرا سے گذر رہے تھے اور خدام کی ایک جماعت سوار و پیادہ آپ کی پالکی کے پیچھے پیچھے تھی۔ شدید لوُ چل رہی تھی۔ اچانک دور پر چند گھوڑوں کا سایہ دکھائی دیا۔ اتنے میں چند آدمی ادھر سے آتے دکھائی دیئے۔ ان کے پاس کوئی چیز تھی۔ وہ بہت تیز تیز قدموں سے آکر آپ کے سامنے کھڑے ہو گئے ان کا سردار اپنی گردن پر ایک سیاہ فربہ بکری لادے ہوئے تھا اور دوسرا شخص ایک بہت بڑا لکڑی کا پیالہ دہی سے بھرا ہوا لایا۔ اس نے یہ دونوں چیزیں آپ کے سامنے رکھ کر نیاز مندانہ عرض کیا کہ یہ حضور کی نذر ہے اسے قبول فرمائیں اور حضور حضور کے ملازمین و خدام اسے نوش کریں۔ یہ دونوں حلال اور پاک چیزیں ہیں۔ آپ نے فرمایا میں کسی کا ہدیہ یا نذر قبول نہیں کرتا۔ ہاں جو دہی تم لائے ہو وہ لیلوں گا لیکن اسکی قیمت تم کو لینا پڑے گی۔ اس نے کہا کہ دہی کی اس صحرا میں کوئی قیمت نہیں اور نہ اسکی کوئی قدر ہے۔ آپ نے فرمایا "میں کوئی چیز مفت نہیں لیتا اور یہ فرما کر اپنے خادم کے ذریعہ ایک اشرفی اسے دلوائی۔ پھر اسے نوش کیا اور اسکے بعد تمام سواروں اور پیادوں نے پیا اور روانہ ہو گئے [2]

نیاز مندی آپ فرماتے تھے۔ ابتدا میں میرا حال یہ تھا کہ باطن پر نیاز مندی ایسی غالب تھی کہ آزاد غلام۔ سفید۔ سیاہ۔ چھوٹا اور بڑا جو بھی میرے سامنے آتا میں اپنا سر اس کے قدموں پر رکھتا اور اس سے دعا و توجہ کی درخواست کرتا۔ [3]

مرشد برحق کی نگاہ میں مقبولیت مرشد برحق آپ کی کسبی اور وہبی صلاحیتوں کے باعث بہت مہربان رہے اور اسی چیز نے

---

[1] رشحات ۱۲۵ [2] ایضاً ۱۲۵ [3] رشحات ۱۲۳

آپ کو طبعی یکسوئی کی جانب گام زن رکھا اور مرشد برحق سے ایک ایسی احسانی نسبت پیدا ہو گئی کہ تصفیہ و تزکیہ و جلائے باطنی کے اسباب خود مہیا ہوتے گئے اور آپ "پیش مرد کاملے پامال شو" کا نقش ثانی بن گئے۔

اعتماد کلی اور رسوخ آپ کو مرشد برحق کی خدمت میں جو اعتماد کلی اور رسوخ حاصل ہوا اور دوسرے کو حاصل نہ ہو سکا۔ مرشد برحق اکثر مواقع پر حاضرین سے اسکا برملا اظہار فرماتے تھے۔ حضرت مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی اپنی کتاب "نفحات الانس" میں تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کی مقبولیت کا اندازہ مرشد کامل کے اس قول سے ہوتا ہے کہ "جو طالب کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہو وہ عبیداللہ کی طرح حاضر ہو۔"

زراعت عرصہ تک مرشد برحق کی خدمت میں رہے اور توجہات و فیوضات مرشدی سے مالا مال ہوئے۔ پھر وقت نے کروٹ بدلی اور کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا کی تعلیم پاکر دولت و ثروت سے نوازے گئے۔ انتیسویں سال آپ اپنے وطن تاشقند واپس تشریف لائے۔ کچھ زمین آپ کے پاس آبائی تھی اور کچھ زمین چھوٹے پیمانہ پر لیکر کاشتکاری شروع کی۔ قدرت نے رہبری کی اور قلیل عرصہ میں وافر آمدنی ہونے لگی۔ آپ خود کام کی نگرانی فرماتے۔ آب پاشی اور دیکھ بھال کرتے۔ باغبانی اور زراعت سے آپ کو ہزارہا روپے کی آمدنی تھی لیکن دولت کی یہ ریل پیل محض فخر و مباہات اور عیش و آرام کے لئے نہ تھی۔ خلق خدا اس سے مستفید ہوتی۔ حاجتمند لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے۔ محتاج اور مفلس اپنی ضروریات پوری کرتے۔

تمول و غنا رشحات کے مصنف[1] جب پہلی بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کی مالی حالت دیکھکر ششدر رہ

---

[1] عجب اتفاق ہے کہ رشحات کے مصنف ملا فخر الدین علی بن واعظ کاشفیؒ اگرچہ حضرت خواجہؒ کے مرید نہ تھے لیکن عقیدت و محبت ان سے اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ جب رشحات تصنیف کرنے لگے تو کتاب مذکور کے بیشتر صفحات آپ ہی کے حالات اور ثنا و صفت سے بھر گئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتاب صرف آپ ہی کے حالات میں تصنیف فرمائی ہے۔ آپ خواجہ کلاں ابن سعدالدین کاشغریؒ سے بیعت تھے اور ان سے نسبت خویشی بھی حاصل تھی (یعنی ان کی پوتی منسوب تھیں)

پھر مولنا عبدالغفور لاری کی خدمت میں آکر تجدید بیعت کی۔ گویا ہر دو بزرگان گرامی منزلت کے نظر یافتہ رہے۔ جب خواجہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کی ہمہ گیر شخصیت اور انفرادی حیثیت سے اتنے متاثر ہوئے کہ پہلی ہی ملاقات میں ہوش و ہواس کھو بیٹھے اور نسبت حق نے ایسا اثر دکھایا کہ آپ کے فضائل و مناقب کا دم بھرنے لگے۔ ذیقعدہ ۸۸۹ھ کے بعد کا عرصہ دوسری حاضری کی تمنا میں گذرا اور جب اس تمنا کی چار سال بعد اوائل ربیع الآخر ۸۹۳ھ میں تکمیل ہوئی تو

بقیہ اگلے صفحہ پر

گئے۔ رشحات میں صفحہ ۱۲۶ پر آپ کی فارغ البالی اور تمول کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"اموال و منال و ضیاع و عقار و گلہ و رمہ و مواشی و اسباب و املاک حضرت ایشاں از حد و اندازہ افزوں و از حیطۂ حساب و دائرہ شمار بیروں"۔

یعنی آپ کا مال و دولت۔ جاگیریں۔ مویشی اور مال و اسباب حد و اندازہ سے زائد اور حساب و شمار سے باہر تھا۔

پھر لکھتے ہیں کہ جب میں دوبارہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کے ضلعداروں اور کارکنوں سے معلوم ہوا کہ آپ کے تیرہ سو فارموں سے زائد ہیں اور مزید چند فارم آپ نے خرید ے ہیں۔

مولنا عبدالرحمٰن جامی جو آپ کے مخصوص معتقدین میں تھے اپنی کتاب "یوسف زلیخا" میں آپ کے اسی غنا و تمول کی خبر دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ ؎

ہزارش مزرعہ در زیرِ کشت است که زادِ رفتنِ راہِ بہشت است

بقیہ حاشیہ گذشتہ۔ شدتِ جذبات میں قلبی واردات نہ روک سکے اور وہ قلب کی گہرائیوں سے نکل کر بے اختیارانہ زبان پر جاری ہو گئے۔ قلب و روح کے احساسات اور نیازمندی و عقیدت کے ملے جلے جذبات نے یکبارگی بھڑک کر جو صورت اختیار کی اور روحانی و مادی اختراعات نے جو حیرت انگیز منظر کھینچا وہ ان کے عاشقانہ خلوص اور والہانہ جذبات و کیفیات کا آئینہ دار ہے جس سے ان کی مستی و سرشاری ظاہر ہوتی ہے ؎

تو ہے وہ نازشِ فطرت کہ تمنا میں تیری آستانہ پہ بجز سر کو جھکائے نہ بنے

دیوان ہذا:-

یار برداشت پردہ از رخسار این تمشون یا اولی الابصار
لمعۂ آفتاب طلعتِ او طلعت من مشارقِ اظہار
ہمہ اشیاء ہلاک ایں اشراق ہمہ ذرات محو ایں انوار
ہمہ را صاف ساخت است ایں نور ہمہ را پاک سوخت است ایں نار
لمعہ اوست در مکین و مکاں... جلوۂ اوست بر یمین و یسار
نیست تکرار در تجلی او.... گرچہ باشد بروں ز حدِ شمار
لیکن آں از تجدد امثال می نماید بہ صورتِ تکرار
جملہ ذرات کون اینہا ہست کہ دراں جلوہ می کند رخِ یار

پھر لکھتے ہیں کہ جب میں اپنی حاضری کے دوران قرش پہنچا تو ایک رات ایک مقام پر آپ کے ایک ملازم عہدیدار سے ملاقات ہوئی جو آپ کے تیرہ سو فارموں میں سے ایک فارم کی آب پاشی کا نگراں تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اس نہر پر کتنے آدمی کام کرتے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ کام کا حال کیا بتاؤں۔ نہر کھودنے کے دوران اگر ایک آدمی چلا جاتا ہے تو تین ہزار جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر ایک روز آپ نے خود دورانِ گفتگو فرمایا کہ میں ہر سال سمرقند کے فارموں سے اسّی اسّی ہزار من غلہ صرف عشر (ٹیکس) میں سلطان احمد مرزا کے تحصیلدار کو ادا کرتا ہوں اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے

حاشیہ بقیہ صفحہ گزشتہ

در ہر آئینہ بہ آئینے ..... می نماید بعاشقاں دیدار
گاہ مستور در پسِ پردہ گاہ مشہور بر سرِ بازار
گاہ در پردہ می نوازد ساز گاہ بے پردہ می در اند تار
پردگی اوست با ہمہ پردہ پردہ ساز اوست با ہمہ تار
تا شود نقش پردہ شان حائل ، از تماشائے نور آں رخسار
اے زپندار غیر در پردہ خیز و بردار پردہ از پندار
گر دیں پردہ بار میخواہی روئے دل سوئے نقشبنداں آر
آں مقیمانِ بارگاہِ الست واں ندیماں صدر صفۂ یار
ہمہ در بزم شوق شاہ نشاں ہمہ در رزم عشق شاہ سوار
ہمہ عالی وزراں میاں اعلیٰ شاہِ ابرار۔ خواجۂ احرار

آپ کی وفات کے بعد بھی ان کی روح ماضی کے دھندلکوں میں ان معصوم نقوش کی تلاش میں سرگرداں رہی۔ چنانچہ رشحات کی ابتدائیہ میں اپنی حرماں نصیبی کی داستان شدید رنج و غم سے دہراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "میں صرف دو بار خدمتِ اقدس میں حاضری سے مشرف ہو سکا۔ اور اب جب کہ آپ وفات پا چکے ہیں داغِ مہجوری کا علاج صرف یہی ہے کہ آپ کی باتیں۔ آپ کا انداز۔ آپ کے حکیمانہ اقوال۔ آپ کی سیرت و کردار اور اوصاف و کمالات کی کاغذ پر ایک تصویر بنا کر اس سے اپنا دل بہلاؤں اور غم غلط کردوں اور اس کے ذریعہ خوں شدہ دل کی تسلی و تشفی کروں ؎

چوں کہ گل بگذشت و گلشن شد خراب بوئے گل را از کہ جوئیم جز گلاب"

میرے مال میں اتنی برکت عطا فرمائی ہے کہ کُوتنے والا (اندازہ کرنے والا) جس ڈھیر کو ہزار من کُوتتا ہے تولتے وقت وہ چودہ سو اور پندرہ سو من نکلتا ہے۔ [۵۱]

مولٰنا موسٰی (جو آپ کے مخصوصین میں تھے) بیان کرتے تھے کہ ایک بار آپ اپنے تحصیلداروں سے محصولات کی جانچ پڑتال فرما رہے تھے اور ساتھ ہی ساتھ استفسار فرماتے جاتے تھے کہ کس نے اپنی تحویل میں کتنا غلہ جمع کیا ہے۔ چنانچہ بعضوں نے چالیس ہزار من کہا۔ بعضوں نے بیس ہزار من بتایا اور دس ہزار من سے کم کسی نے نہیں کہا۔ پھر باغات اور (خربوزہ وغیرہ کے) کھیتوں کی تفصیل طلب فرمائی۔ اسی دوران یکبارگی مولٰنا موسٰی کی طرف تیز نظروں سے دیکھکر فرمایا کہ تم مجھے دنیادار سمجھتے ہو حالانکہ مجھے ان تمام چیزوں سے جو اس وقت میرے تصرف میں ہیں اس تعلق کا دسواں حصہ بھی نہیں ہے جو تم کو اپنے کپڑوں کے ساتھ ہے پھر نہایت غصے سے فرمایا ؎

چیست دنیا از خدا غافل بُدن نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

اٹھنے کے بعد کسی نے ان سے آپ کے غصہ اور ناراضگی کا سبب پوچھا۔ کہنے لگے کہ جس وقت ہر ایک اپنے اپنے محصولات پیش کر رہا تھا میرے دل میں یہ آیا کہ یہ تمام دنیاوی لوازمات آپ کو خدا سے غافل نہ کر دیتے ہوں گے۔ آپ میرے اس خطرہ پر مشرف ہو گئے اور بہت عتاب فرمایا۔ [۵۲]

آپ نے نہایت قلیل عرصہ میں اپنی وہبی، منطقی اور استدلالی قابلیتوں اور کارفرمائیوں کی بدولت سارے زمانہ پر اپنا سکّہ جما دیا۔ اپنے ایک مختصر سے اشارہ پر قیصریت وکسرویت کو فنا کر کے اپنے تزک و احتشام کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ اور اپنے دَور میں جو امتیازی شان اور مجتہدانہ مقام حاصل کیا وہ نہ صرف معاصرین کیلئے تعجب خیز ثابت ہوا بلکہ متاخرین کیلئے بھی حیرت انگیز ہوا

آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالٰی نے اپنی کرم و عنایت سے مجھے ایسی قوت و کرامت عطا فرمائی ہے کہ اگر میں چاہوں تو ایک ذرا سے رقعہ سے خطا کے بادشاہ کو جو الوہیت کا دعوٰی کرتا ہے۔ تاج و تخت و سلطنت چھڑوا کر ننگے پیر اپنے پاس بلوا لوں لیکن میں تو ہر وقت حکم خداوندی کا منتظر رہتا ہوں جو وہ چاہے گا وہی ہوگا۔ ادب کو ملحوظ رکھنا چاہیئے اور ادب یہ ہے کہ اپنے کو حق کے ارادہ کا تابع کر لے

---

[۵۱] رشحات ۱۲۷ [۵۲] مقامات عالیہ ۱۸۱

نہ کہ حق کو اپنے ارادہ کا تابع۔ نیز یہ بھی فرماتے تھے کہ اگر ہم شیخی کو خود پر لازم کر لیں تو اس دور میں کسی شیخ کو مرید نہ ملیں۔ لیکن ہم کو دوسرے کام کا بھی حکم دیا گیا ہے اور وہ یہ ہو کہ مسلمانوں کو ظلم سے بچاؤں، بادشاہوں سے میل جول رکھوں ان کے قلوب کو مسخر کردوں اور اسکے ذریعہ مسلمانوں کی حاجت برآری کروں

ملکی خدمات اور شاہان وقت پر اقتدار

مذکورہ ملفوظات سے ہم کو ان کے انقلاب کا داعی ہونے کا بھی پتہ چلتا ہے۔ دور جدید کے مفکرین و مبصرین نے جو اپنے رشحات فکر ترتیب دیئے ہیں ان سے حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے انقلاب کے سب سے پہلے داعی ہونے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے لیکن رشحات اور مقامات عالیہ کے مطالعہ سے یہ بات کوئی اور مکمل پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ شیخ عبید اللہ احرارؒ نے بھی اپنے دور میں ذہنی اور روحانی انقلاب برپا کر کے ایک نمایاں اور منفرد مقام حاصل کیا اور متاخرین کیلئے ایک ایسا نقشہ اور لائحہ عمل مرتب کر دیا جو اس نقشہ میں وقت کے لحاظ سے رنگ آمیزی کرتے رہے۔ میرا مقصد اس سلسلہ میں ہرگز ارباب علم و فن کی کاوشوں یا ہم کوششوں اور ان کے گراں قدر افکار و نظریات و تحقیقات کو کالعدم قرار دینا نہیں اور نہ ان کی اہمیت کو گھٹانا منظور ہے بلکہ یہ میری اپنی تحقیق ہے جو تاریخ سے فراہم ہوئی ہے اور تحقیق کے میدان میں ہر شخص "فکر ہر کس بقدر ہمت اوست" کا مجاز ہے۔ مجددیت کے دور کا جائزہ لیتے ہوئے جہاں اور مجددین، مصلحین، مفکرین اور مبصرین کی مساعی جمیلہ کا ذکر آتا ہے وہاں عبید اللہ احرار کی مجاہدانہ خدمات۔ سرگرمیاں اور تحریکات بھی کچھ کم اہم نہیں ہیں جن کا غلغلہ تاشقند و سمرقند میں بلند ہو کر شہنشاہ بابر کے ذریعہ ہندوستان میں بھی در آیا۔ ان کی اس تحریک کو ضمنی حیثیت نہیں دی جاسکتی کیونکہ ان کے دائرۂ اثر کی وسعت سے سمرقند و تاشقند ہی محدود نہیں بلکہ ملک ہند بھی مستثنیٰ نہیں رہا تھا۔ بیسویں صدی کے نقاد، مبصر، نگار، مورخین اور اہل دانش و بینش حضرات انکے سلسلہ میں تقریبا خاموش ہیں اور اگر انھوں نے سلاسل کے ضمن میں کچھ تذکرہ کیا بھی ہے تو اول تو وہ تشنہ ہے دوسرے سطحی بھی ہے۔ انھوں نے اگر سکت سے کام نہیں لیا ہے تو بھی ان کو اور ان کے کارناموں کو تاریخ کے صفحات پر جلا دینے اور اجاگر کرنے میں پہلو تہی سے کام ضرور لیا ہے اور قرار واقعی اہمیت نہیں دی ہے۔

ذیل میں چند ایسے واقعات نقل کئے جاتے ہیں جو آپ کے ملکی خدمات اور ایسے غیر معمولی و محیر العقول اقتدار کا پتہ دیتے ہیں جس سے شاہان وقت بھی مرعوب تھے۔ "صلح دادن حضرت ایشاں سہ بادشاہ مخالف در یک معرکہ" کی سرخی سے ایک نہایت دلچسپ اور تعجب خیز واقعہ سلسلۃ العارفین سے نقل ہے جس کے جامع خواجہ مولٰنا قاضی خود اس موقعہ پر موجود تھے۔

(مرزا سلطان احمد اور مرزا عمر شیخ اور سلطان محمود (شاہان وقت) کی ملاقات کا واقعہ)

معلوم ہوا کہ مرزا عمر شیخ نے سلطان محمود خاں کو اپنی مدد کیلئے بلایا ہے اور دونوں شاہرخیہ کے مقام پر مع لشکر موجود ہیں سلطان احمد مرزا بھی بہت بڑا لشکر لیکر ان کے مقابلہ کو چلے اور حضرت کو بھی اپنے ہمراہ لیلیا اور یہ ظاہر کیا کہ حضرت کو صلح کیلئے لیجاتے ہیں۔ چالیس روز شاہرخیہ میں قیام رہا۔ اکتالیسویں روز آق قورغان میں جو شاہرخیہ کا ایک موضع ہے سلطان احمد کا لشکر فروکش ہوا دوسرے روز حضرت نے سلطان احمد سے فرمایا کہ مجھکو تمہاں کیوں لائے ہو میں لڑائی کے کام کا نہیں ہوں۔ اگر لڑنا ہی تھا تو میرا ساتھ لانا بیکار ہوا اور اگر صلح چاہتے ہو تو بہتر تاخیر کیوں ہے۔ مجھکو تمہارے لشکر کے قیام نے پریشان کر دیا ہے اب زائد رکنا ممکن نہیں مرزا نے عرض کیا کہ میرا کیا اختیار ہے جو حضور چاہیں کر سکتے ہیں مجھکو ذرا بھی دریغ نہ ہوگا چنانچہ آپ سوار ہوکر مرزا عمر شیخ اور سلطان محمود سے ملنے کیلئے شاہرخیہ کی طرف چلے ہیں (مولانا قاضی) بھی حضور کے ہم رکاب تھا ان لوگوں کو جب حضرت کی تشریف آوری کا علم ہوا تو استقبال کو حاضر ہوئے اور آپ کیساتھ شاہرخیہ کی جانب چلے۔ راستہ میں حضرت نے سلطان محمود خاں پر خاص التفات فرمایا۔ اور صلح کی معاملت کو طے کر دیا اور یہ قرار پایا کہ تینوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف بستہ کھڑے ہوں اور درمیان میں ایک شامیانہ لگایا جائے جسمیں تینوں بادشاہ اور حضرت خواجہ تشریف فرما ہوں۔ حضرت آپس میں اسی جگہ صلح کرا دیں اور شرائط کا تعین ہو جائے اس کے بعد سہ پہر تک لشکر کوچ کرے۔

دونوں لشکر صف بستہ اور اجازت کے منتظر ہیں۔ دو ملکوں کی قسمت کا فیصلہ جس باوقار، صاحب علم اور بزرگ شخصیت کے سپرد ہے وہ فیصلہ سے واقف اور باخبر ہے دو حکومتوں کی فرمانروائی اور حکمرانی کا مسئلہ کوئی معمولی نہیں ہے۔ دفعتاً سین بدلتا ہے اور احراریوں کے قافلہ سالار بحیثیت ثالث نظر اٹھاتے ہیں اور دونوں فوجوں کے ضمیر کو بیدار کر کے ان میں ایک راسخ اور مستحکم شئے ڈال دیتے ہیں۔ پھر اپنے دست و بازو سے آلات محبت کا صحیح استعمال بتاتے ہوئے ان کے خیالات کی ہنگامہ خیزیوں کو چشم زدن میں تبدیل کرتے ہوئے اور ان کی قلب ماہیت کرتے ہوئے اس طرح دستگیری فرماتے ہیں کہ دونوں لشکر دم بخود، متحیر اور انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں اور تھوڑی دیر کیلئے یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اس سب کے پس پردہ کوئی ایسی ہی مخفی طاقت ہے جو وقت کی رفتار کو بدلے دے رہی ہے اور دو ملکوں کی قسمت تبدیل کر رہی ہے۔ اس کی بات نہ ماننا کیا ان کی تباہی و بربادی کا باعث نہ ہوگا۔ اس کی اطاعت و فرمانبرداری پر کربستہ نہ کرنے میں کیا وہ خراب و خستہ حال نہ ہو جائیں گے۔ اسکی سرتابی اور عدول حکمی میں خسر الدنیا والآخرۃ کے گھیرے غار میں نہ گر پڑیں گے۔ کیوں نہیں۔

اب ناظرین خواجہ محمد قاضی کی زبانی اس دلچسپ واقعہ کا دوسرا پہلو (حصہ) ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت کی توجہ کا مرزا سلطان محمود خاں پر خاص اثر طاری ہوتا تھا۔ صبح تڑکے مرزا سلطان احمد کا لشکر ساز و سامان سے تیار ہو گیا۔ یہ طے ہو چکا تھا کہ سپاہی صرف زرہ نہ پہنیں باقی تمام ہتھیار لگائیں۔ لیکن بعض نے چھپا کر زرہ بھی پہن لی۔ دوسری طرف سلطان محمود خاں اور مرزا عمر شیخ کا لشکر ہتھیار بند روانہ ہوا اور موضع قہقہہ میں پہنچ کر اس نے اپنی صفیں درست کر لیں۔ حضرت پھر شاہرخیہ تشریف لے گئے تاکہ سلطان محمود خاں اور مرزا عمر شیخ کو اپنے ساتھ لے آئیں۔ بہت دیر کے بعد آپ کے ساتھ یہ دونوں بادشاہ آئے۔ اس وقت لشکروں نے اپنی صفوں کو درست کیا۔ شامیانہ کے نصب کرنے میں اختلاف ہو گیا اور بات بہت بڑھ گئی۔ حضرت دونوں لشکروں کے درمیان تشریف فرما تھے۔ آپ نے اسی جگہ ظہر کا وضو کیا اس کے بعد میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ مرزا سلطان احمد سے میری طرف سے جا کر کہو کہ میں اکیلا تن تنہا اس بوڑھاپے میں تمہارے تمام لشکر اور ہتھیاروں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں یہی وجہ ہے جو لشکر تباہ نہیں ہو جاتا۔ اتنا ہی کیا کم ہے۔ اب اس ضعیفی میں اس سے زائد طاقت نہیں رکھتا۔ اگر واقعی تم کو میرے ساتھ خلوص و عقیدت ہے تو دوسری طرف کے لوگوں کو (حزبِ مخالف کو) جہاں وہ کہیں شامیانہ لگا لینے دو۔ یہ پیغام پہنچتے ہی اس خوش اعتقاد بادشاہ نے حکم دیدیا کہ جہاں وہ لوگ کہیں وہیں شامیانہ نصب کر دو مجھ کو حضرت پر پورا بھروسہ ہے۔ اس کے بعد مرزا سلطان احمد اپنے اراکینِ سلطنت اور امراء کے ساتھ آکر شامیانہ میں بیٹھ گیا تھوڑی دیر بعد حضرت بھی سلطان محمود خاں اور سلطان مرزا عمر شیخ کو ساتھ لیکر تشریف لائے جب یہ دونوں شامیانہ کے نزدیک پہنچے تو مرزا سلطان احمد ان کے استقبال کیلئے اپنے امراء کو ہمراہ لیکر شامیانہ کے باہر نکل آیا۔ حضرت نے پہلے سلطان محمود خاں کو آگے بڑھایا اور مرزا سلطان احمد سے معانقہ کرایا اس کے بعد سلطان مرزا عمر شیخ کو۔ دونوں بھائیوں میں معانقہ ہوا۔ مرزا عمر شیخ نے بھائی کے ہاتھ کو بوسہ دینا اور رونا شروع کر دیا اور وہ بھی عمر شیخ کے گلے سے لپٹا رو رہا تھا۔ یہ دیکھ کر تمام لشکری رونے لگے اور بڑا شور مچ گیا۔ اس کے بعد شامیانہ کے نیچے نشست ہوئی۔ مجلس کی پُر ہیبت و بارعب و جلال تھی کہ میں نے ہیبت کے مارے اپنے منہ پر کپڑا ڈال لیا تھا۔ دونوں فریق ہتھیار بند تھے کہ ذرا سی بات پر تلوار چلنے

لگے ۔ ہیں نے ماحضر پیش کیا جب کھانا ہو چکا تو صلح نامہ لکھا گیا۔ حضرت نے تاشقند مرزا سلطان احمد کے قبضہ سے نکال کر سلطان محمود خاں کو دیدیا۔ ہر شخص کی زبان پر یہی تھا کہ حضرت نے جو کچھ کیا وہ صرف آپ کا تصرف اور قوتِ ولایت کا کمال ہے۔ آپ کی تشریف آوری کی برکت سے ایک لمحہ میں سب کے دلوں سے دشمنی ایسی دور ہو گئی گویا کبھی تھی ہی نہیں۔ ہر شخص ایک دوسرے کا مخلص بلکہ یارِ غار تھا۔ اس واقعہ سے لوگوں میں آپ کی ہیبت ولایت و اعتقاد اور زائد ہو گیا بعض لوگ تو یہ کہتے تھے کہ معلوم نہیں پرانے مشائخ میں سے بھی کسی میں یہ طاقت و قدرت و تصرف و ولایت تھی یا نہیں۔ جب مجلس ختم ہو گئی تو دونوں لشکر کے لوگ اس طرح ایک دوسرے سے ملے جیسے بھیڑ کا بچہ بھیڑ سے۔ حضرت نے سلطان محمود خاں سے فرمایا کہ تم تاشقند چلو میں دوسرے راستہ سے آرہا ہوں۔ یہ فرما کر لشکر کے باہر نکلے اور مولکت کی جانب تشریف لے چلے راستہ میں میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ میری کوششوں کی بابت تمہاری کیا رائے ہے۔ اس واقعہ کو یاد رکھو اور لکھ لو[1]

تاریخ حبیب السیر سے بھی اس واقعہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ مورخ نے حضرت خواجہ کے حالات میں لکھا ہے:۔

حکایت مشہور است و بر السنۂ افواہ ثقات مذکور نوبتے مرزا عمر و شیخ و سلطان محمود مرزا بایک دیگر اتفاق نمودہ لشکر بہ سمرقند کشیدند و سلطان احمد مرزا از شہر بیروں رفتہ مقابلہ و مقاتلہ برادر را پیش نہاد ہمت ساخت در روزے کہ ہر دو سپاہ خبر در برابر یک دیگر صف قتال بیاراستند ناگاہ خبر رسید کہ خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار دراں معرکہ تشریف آوروند...... خواجہ عبید اللہ بہماں جا رسیدہ بہ زلالِ موعظت و نصیحت قتال و جدال را انطفا

قصہ مشہور ہے اور معتبر لوگوں کا بیان کیا ہوا ہے کہ ایک بار سلطان مرزا عمر شیخ اور سلطان محمود مرزا نے باہم متفق ہو کر سمرقند پر چڑھائی کی اور سلطان احمد مرزا بھی شہر سے باہر نکل کر بھائی سے جنگ اور مقابلہ کیلئے کمر بستہ ہوئے اور جس دن دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل صف بستہ ہوئیں کہ اچانک یہ خبر پہنچی کہ حضرت خواجہ ناصر الدین عبید اللہ احرار اس معرکہ میں تشریف لائے ہیں چنانچہ خواجہ عبید اللہ نے وہاں پہنچکر اپنے وعظ و تلقین سے آتشِ جنگ کو فرو کر دیا اور تینوں بادشاہوں میں صلح

---

[1] مقاماتِ عالیہ ۱۴۱-۱۴۲-۱۴۳

دادو ہر سہ بادشاہ را بہ صلح وصفا رراضی ساختہ　　کرا کرایک کو دوسرے سے متحد فرمایا۔ پھر اس فرمود تا در میانِ میدان شامیانہ برا فراشتند[1]　　میدانِ جنگ میں شامیانہ نصب کیا گیا۔

آپ کے ارشادات کے سلسلہ میں حضرت مولٰنا محمد قاضی نے سلطان ابوسعید مرزا کا یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ:۔

حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے سلطان ابوسعید سے کہا کہ فلاں شخص کا ٹیکس معاف کردو انھوں نے مان لیا اور حکم دے دیا کہ اس شخص سے نہ لیا جائے۔ کچھ دنوں بعد میں نے ان سے کہا کہ آپ کی خدمت میں مجھے عرصہ سے نیاز حاصل ہے مگر نہایت نادم ہوں کہ اتنا عرض کرنے کی ہمت نہیں ہوئی کہ جب تمغہ (ٹیکس) شرعًا ناجائز ہے تو ایک ہی شخص کا کیوں معاف کیا جائے۔ عام رعایا اس کی معافی سے کیوں نہ مستفید ہو۔ مرزا نے اس وقت سکوت کیا اور میں بھی یہ دیکھ کر چپ ہو گیا۔ جب مرزا کے دربار سے گھر واپس آیا تو میں نے نور سعید سے یہ واقعہ بیان کیا۔ انھوں نے بوقتِ ملاقات بادشاہ سے کہا کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ آپ حضرتِ اقدس کے اتنا فرمانے کے باوجود بھی تمغہ کی عام معافی پر آمادہ نہ ہوئے۔ شاہ نے جواب دیا کہ میری جرات نہیں پڑی کہ حضرت کے سامنے ایسی بات کا دعوی کروں جس پر میری ہمت پورے طور پر مستعد نہیں تھی لہٰذا میں نے سکوت کیا۔ اب انشاء اللہ حضرت کی خواہش کے موافق عام معافی کا حکم جاری کروں گا۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد تمام رعایا کا ٹیکس معاف ہو گیا۔

بابر نامہ سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان محمود مرزا خلف سلطان ابوسعید نے حضرت خواجہ کی وفات کے بعد ابواب جاری کرنے میں بڑی شدت کی۔ چنانچہ بادشاہ بابر نے سلطان محمود کے حالات میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ کی بدولت بہت سے غریب اور مفلس لوگ ٹیکس (ابواب) سے معاف تھے مگر اب ان سے بڑے ظلم اور تعدی کے ساتھ تحصیلِ ابواب کی جاتی ہے۔ خود حضرت خواجہ کی اولاد سے بھی سختی و تشدد کے ساتھ ابواب طلب کئے گئے۔

آپ کے بعض اصحاب سے مروی ہے کہ "فرکت" میں قیام کے دوران ایک روز آپ نے دوات و قلم طلب فرمایا اور کچھ لوگوں کے نام ایک کاغذ پر لکھے اور ایک نام مرزا سلطان ابوسعید کا تحریر فرمایا اور اسے اپنی دستارِ مبارک میں رکھ لیا۔ اس وقت کسی کو سلطان ابوسعید کے نام کا بھی

---

[1] حبیب السیر جلد سوم جزو سوم ص ۲۰۰

علم نہ تھا۔ بعض محر مانِ خاص نے گستاخی کی جرأت کرتے ہوئے عرض کیا کہ حضور نے اتنے بہت سے نام تحریر فرمائے لیکن اس نام (سلطان ابو سعید) کی خصوصیت سے تعظیم فرمائی اور اہمیت دی۔ وہ کون خوش نصیب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اس شخص کا نام ہے کہ (مستقبل میں) ہم اور تم اور اہل تاشقند و سمرقند و خراسان سب اس کی رعایا ہوں گے اس واقعہ کے چند ہی روز بعد سلطان ابو سعید مرزا کا ترکستان سے شہرہ بلند ہوا۔ اس نے خواب دیکھا کہ حضرتِ اقدس نے خواجہ احمد یسوی قدس سرہٗ کے اشارہ پر اس کے لئے دعا مانگی۔ اس نے خواب ہی میں خواجہ احمد یسوی سے آپ کا نام پوچھا اور اسے یاد رکھا بلکہ آپ کی صورت کو بھی دِل میں نقش کئے رہا جب بیدار ہوا تو لوگوں سے پوچھا کہ تم اس ملک میں اس نام و نشان والے بزرگ کو جانتے اور ان کی صورت پہچانتے ہو۔ انھوں نے کہا جی ہاں جن بزرگ کے بارہ میں حضور دریافت فرما رہے ہیں وہ تاشقند میں ہیں۔ مرزا نے جب یہ سنا تو اسی وقت سوار ہو کر تاشقند روانہ ہو گیا۔ جب تاشقند پہنچا اور حضرت نے اس کی آمد کی اطلاع سنی تو فرکت تشریف لیگئے۔ جب وہ تاشقند آیا تو لوگوں سے یہ معلوم کر کے کہ آپ فرکت تشریف لیگئے ہیں، خود بھی فرکت روانہ ہو گیا۔ جب فرکت پہنچا تو آپ نے اس کا استقبال فرمایا۔ جیسے ہی اس کی نظر آپ پر پڑی بیقرار ہو گیا اور کہنے لگا۔ خدا کی قسم یہ وہی بزرگ شخصیت ہے جس کی مجھے خواب میں زیارت ہوئی تھی۔ پھر آپ کے قدموں پر گر پڑا اور نیاز مندانہ دعا کیلئے عرض کیا آپ نے فرمایا ایک دعا تو میں کر چکا ہوں۔ (اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد) ایک بہت بڑا لشکر اس کے گرد جمع ہو گیا اور اس کو سمرقند فتح کرنے کی خواہش ہوئی چنانچہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی خواہش اور ارادہ کا اظہار کیا اور عرض کیا کہ نگاہِ کرم کا امیدوار اور توجہ کا خواستگار ہوں۔ فرمایا کس نیت سے جا رہے ہو۔ اگر شریعت کو تقویت پہنچانے اور رعایا پر شفقت کرنے کی نیت ہے تو جاؤ۔ تمہارا جانا مبارک ہے اور فتح تمہاری ہے۔ عرض کیا کہ "شریعت کو تقویت پہنچانے میں جان توڑ کوشش کروں گا اور رعایا پر شفقت کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھوں گا۔ اس کے کہنے پر آپ نے فرمایا کہ جاؤ شریعت کی پناہ میں جاؤ کامیابی سرِ دست ہے۔ بعض لوگ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ آپ نے بوقتِ روانگی سلطان ابو سعید مرزا سے فرمایا کہ تم جب دشمن کے مقابل

ہونا تو اس وقت تک اس پر حملہ نہ کرنا جب تک کوؤں کا ایک جھنڈ تمہاری پشت پر سے نہ آجائے، چنانچہ جب سلطان ابو سعید کا لشکر مرزا عبداللہ کے لشکر کے مقابل ہوا تو مرزا عبداللہ کی فوج نے سلطان ابو سعید کے میمنہ پر حملہ کر کے اسے پسپا کر دیا اور میسرہ پر بھی حملہ کرنے کا ارادہ کیا تھا کہ اچانک کوؤں کا ایک بڑا جھنڈ سلطان ابو سعید کے لشکر کے عقب سے نمودار ہوا۔ یہ دیکھ کر لشکریوں کے دل قوی ہو گئے اور انھوں نے یکبارگی مرزا عبداللہ کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ اور پہلے ہی حملہ میں اس کے لشکر کی صفیں الٹ دیں۔ اور مرزا کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا۔ فوراً اس کو گرفتار کر کے اس کا سر تن سے جدا کر دیا گیا۔[1]

حسن بہادر بیان کرتے تھے کہ میں اس لشکر کے ہمراہ تھا جو مرزا سلطان ابو سعید نے تاشقند سے سمرقند روانہ کیا تھا۔ لبِ آبِ ہفتو مرزا عبداللہ سے مقابلہ ہوا اور صفیں درست ہوئیں میں مرزا سلطان ابو سعید کے نزدیک تھا۔ مرزا کا لشکر تقریباً سات ہزار تھا اور اس کے مقابلہ میں مرزا عبداللہ کا لشکر بہت زائد تھا۔ اسی دوران ہمارے لشکر سے ایک ہزار سوار نکل کر مرزا عبداللہ کے لشکر میں چلے گئے۔ یہ دیکھ کر مرزا سلطان ابو سعید نہایت مضطرب اور خوفزدہ ہوئے اور میں مرزا کے نزدیک تھا۔ اچانک انھوں مجھ سے کہا کہ اے حسن تم کچھ دیکھ رہے ہو۔ میں نے کہا۔ جہاں پناہ! میں حضرت خواجہ کو دیکھ رہا ہوں کہ لشکر کے آگے آگے چل رہے ہیں۔ مرزا نے کہا کہ میں بھی یہی دیکھ رہا ہوں۔ میں نے کہا اب آپ مطلق فکر نہ کریں۔ انشاء اللہ فتح ہماری ہے۔ اسی دوران میری زبان سے یہ الفاظ نکلے۔ "باغی قاحتی" یعنی دشمن بھاگ گیا۔ ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ تمام لشکر نے بھی یکبارگی یہی الفاظ دہرائے۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ مرزا عبداللہ گرفتار ہو گیا اور اس کے لشکر نے شکست کھائی اور اسی روز سمرقند فتح ہو گیا۔[2] نیز وہ بیان کرتے تھے کہ حضرتِ اقدس نے فرمایا۔ جس وقت مرزا عبداللہ قید کیا گیا میں تاشقند میں متوجہ تھا۔ دیکھا کہ آسمان سے ایک سفید پوش قوم اتری اور عبداللہ کو پکڑ کر کام تمام کر دیا۔[3]

---

[1] رشحات ۱۶۰

[2] مقاماتِ عالیہ ص ۱۳۹ [3] ایضاً ص ۱۳۹

(مرزا سلطان محمود کا سمرقند کے محاصرہ کے لئے آنا اور شکست کھانا)

جب سلطان محمود مرزا کی اپنے بھائی سلطان احمد مرزا پر چڑھائی کی خبر اور سمرقند پر محاصرہ کا ارادہ حضرتِ اقدس کو معلوم ہوا تو سلطان محمود مرزا کو اس کے اِس اقدام پر تنبیہ فرماتے ہوئے اس مضمون کا خط تحریر فرمایا۔

"بعد از رفعِ نیاز عرضداشت ایں فقیر بملازمان حضرت مخدوم زادہ خود آں کہ سمرقند را بلدۂ محفوظہ اکابر گفتہ اند و نوشتہ۔ قصدِ سمرقند از خدمتِ شما مناسب نمی نماید تیغ بر روئے برادر کشیدن چہ مناسب۔ حق سبحانہ بایں نہ فرمودہ است و شریعت محمد رسول اللہ ﷺ اینچنیں نیست...... بسخنِ مردم قصدِ ایں ولایت کردن و سخنِ فقیر قبول نہ کردن عجب می نماید.... در سمرقند عزیز بسیار اند صلحا بسیار اند فقرا بسیار اند ایشاں را بیش ازیں بہ تنگ آوردن مناسب نیست مبادا کہ وے درد کند تا دلِ دردمند چہ کند...... ملتمس ایں فقیر کہ خدمت بے غرض است خالصۃ لوجہ سبحانہ قبول کنید"[1]

...... بعد سلام کے معلوم ہو کہ تم کو سمرقند پر چڑھائی کرنا کسی طرح زیبا نہیں ہے کیونکہ اکابر نے سمرقند کو بلدۂ محفوظ کہا ہے اور لکھا ہے۔ اپنے بھائی پر تلوار اٹھانا کسی طرح مناسب نہیں، نہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے اور نہ شریعت محمدیؐ ہی اسکی اجازت دیتی ہے..... بعض لوگوں کے اکسا دینے اور ورغلا دینے پر اس ملک پر فوج کشی کرنا ان کے مقابلہ میں فقیر کی بات قبول نہ کرنا کیا تم کو اچھا معلوم ہوتا ہے سمرقند میں امراء صلحاء اور فقراء بکثرت ہیں ان کو اب اس سے زائد پریشان کرنا مناسب نہیں، ایسا نہ ہو کہ کسی کا دل دکھ جائے اور اسکو ٹھیس پہنچے اس وقت وہ کیا کر بیٹھے۔ للہٰذا اس فقیر کی عرض جو بے غرض ہے اور خالصاً لوجہ اللہ ہے قبول کی جائے

(بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن۔ اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید)

سلطان محمود نے آپ کے اِس فرمانے اور تحریر کا مطلق اثر نہ لیا اور سمرقند کے محاصرہ پر کمربستہ ہو گیا۔

---

[1] رشحات ۱۶۲

خدام آستانہ جن میں بیشتر سپاہی تھے اور اس محاصرہ وجنگ میں موجود تھے۔ بیان کرتے تھے کہ جب مرزا سلطان محمود نے سمرقند پر چڑھائی کی تو ہزارہا جنگجو، فوجیوں کے علاوہ چار ہزار ترکمانی بھی ہمراہ تھے۔ سلطان احمد نے اسکے مقابلہ کی طاقت نہ پاکر فرار ہونے کا ارادہ کیا اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا اضطراب اور ارادہ ظاہر کیا اور اجازت مانگی۔ آپ اس وقت شہر کے مدرسہ میں تشریف فرما تھے یہ گفتگو سنکر فرمایا اگر تم فرار ہوگئے تو یہ سمجھ لو کہ تمام باشندگانِ تاشقند قید ہو جائیں گے یہیں رہو۔ کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پریشان نہ ہو۔ ہمت رکھو اور مطمئن رہو۔ میں تمہارا ذمہ دار ہوں۔ اگر دشمن شکست نہ کھا جائے تو میں مواخذہ دار (جواب دہ) ہونگا پھر مرزا سلطان احمد کو مدرسہ کے حجرہ پر جو ایک دروازہ کا تھا لائے اور خود بدولت اس حجرہ کی دہلیز پر بیٹھ گئے۔ پھر ایک تیز رفتار اونٹنی منگوائی اور اس پر کئی روز کا زادِ راہ رکھ کر حجرہ کے سامنے سلطان احمد کے رُو برُو بٹھا دیا اور فرمایا کہ اگر سلطان محمود کا سمرقند پر قبضہ ہو جائے اور وہ اس دروازہ سے جنگ کرتا ہوا اندر داخل ہو تو تم اپنے مخصوصین کیساتھ اس اونٹنی پر سوار ہو کر دوسرے دروازہ سے نکل جانا۔ یہ تدبیر بتا کر مرزا کو تسکین دی۔ پھر مولٰنا سید حسن۔ مولٰنا قاسم۔ میر عبد الاول۔ اور مولٰنا جعفر کو (جو آپ کے جلیل القدر اصحاب میں تھے اور ان کا ذکر تیسری فصل میں آئے گا) طلب فرما کر ارشاد فرمایا کہ جلد جاؤ اور اس دروازہ کے اوپر جہاں سلطان محمود ہے جا کر بیٹھ جاؤ۔ اور جب تک اس کا لشکر شکست کھا کر فرار نہ ہو جائے میرے پاس نہ آنا...... وہ چاروں حکم کے مطابق اس دروازہ پر جا کر بیٹھ گئے اور مراقبہ میں مشغول ہو گئے مولٰنا قاسم بیان کرتے تھے کہ ہم لوگ جیسے ہی اس برج پر جا کر بیٹھے تو (ایسی حالت طاری ہوئی) کہ اپنے علاوہ کوئی دوسرا نظر نہ آتا تھا بلکہ اپنا وجود بھی نظر نہ آتا تھا اور یہ معلوم ہو رہا تھا کہ خود حضرت اقدس تشریف فرما ہیں اور سارا عالم آپ ہی کے وجودِ مبارک سے پُر ہے واقعہ بیان کرنے والا کہتا تھا کہ ہم سپاہیوں کی ایک جماعت "پل رواں" کے سامنے سلطان محمود مرزا کے لشکر سے جنگ میں مصروف تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اسے فتح ہو جائے گی اور میں ایک مخبر کی حیثیت سے گھڑی گھڑی کی خبریں دروازہ کے اوپر مراقب بیٹھے ہوؤں کو پہنچا رہا تھا اور وہ سر جھکائے منتظر بیٹھے تھے۔ دوپہر تک جنگ مزید طول پکڑ گئی قریب تھا کہ دشمن فتح پا جائے اور شہریوں کا حال یہ تھا کہ ان کے اوسان خطا ہوئے جا رہے تھے۔ اچانک دشتِ قپچاق کی جانب سے نہایت تیز آندھی اور سخت طوفان اٹھا اور مرزا سلطان محمود کے لشکر اور لشکر گاہ پر

چھاکر اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ گرد و غبار کا حال یہ تھا کہ کسی کو آنکھ کھولنے تک کی مجال نہ تھی۔ اور ہوا کی تیزی کا حال یہ تھا کہ نہ تو سوار گھوڑے پر ٹھہر سکتا تھا اور نہ پیادہ زمین پر جتنے خیمے اور شامیانے نصب تھے سب کو اس تیز آندھی نے جڑ سے اکھاڑ کر فرشِ زمین کر دیا۔ غرضکہ ایک طوفانِ عظیم اٹھ کھڑا ہوا اور قیامت برپا ہو گئی اس وقت سلطان محمود مرزا اپنے امراء اور فوجی افسران کی کافی بڑی جماعت کے ساتھ ایک وسیع سرنگ میں سوار کھڑا تھا۔ اچانک سرنگ کا کنارہ پھٹا اور ایسی خوفناک آواز آئی جس سے چار سو آدمی دھنس گئے۔ اور جو سواریاں دیوار کے سایہ میں تھیں ہلاک ہو گئیں اور اس ہیبت آواز سے گھوڑے اپنی راسیں تڑا کر بھاگنے لگے۔ ہر چند کہ گھوڑے سوار نہایت طاقتور اور جری تھے لگامیں کھینچنے کے باوجود ان پر قابو نہ پا سکے۔ اور تمام لشکر یکبارگی درہم و برہم ہو گیا اور شکست کھا کر راہِ فرار اختیار کی۔ اور سلطان محمود مرزا اس کے امراء اور لشکریوں پر ایسی دہشت غالب ہوئی کہ سب کے سب اپنی اپنی سواریوں پر بیٹھ کر تیزی سے شہر کے دروازہ سے نکل گئے۔ یہ دیکھکر سلطان احمد مرزا کے فوجیوں اور شہریوں نے پانچ کوس تک ان کا پیچھا کیا۔ بہت سے لوگوں کو گرفتار اور ان کے مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر میں نے دیکھا کہ وہ چاروں حضرات برج سے اتر کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے (اور صورتِ حال عرض کی) آپ نے مرزا سلطان احمد کو حجرہ سے باہر نکال کر تختِ سلطنت کی جانب روانہ فرمایا اور خود خواجہ کفشیر کے محلہ میں تشریف فرما رہے۔[۱]

ایک بار مرزا بابر نبیرہ مرزا شاہرخ نے دو ہزار کا لشکر لیکر سمرقند پر چڑھائی کی۔ مرزا سلطان ابو سعید نے حضرت کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ مجھے اس سے مقابلہ کی طاقت نہیں۔ حضور فرمائیں کہ میں کیا کروں۔ آپ نے اسکو تسلی دی۔ جب مرزا بابر آبِ آمویہ سے گذرا تو اس کے امراء یہ سمت چلے کہ مرزا کو ترکستان لے جا کر ترکستان کو محکم کریں۔ اونٹوں پر سامان لادا جا چکا تھا کہ آپ تشریف لائے اور ان کی سیاست سے واقف ہو کر شتربانوں کو قہر آلود نظروں سے دیکھا اور فرمایا کہ اونٹوں سے سامان اتار لیا جائے اور مرزا سے فرمایا کہ کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے کام اسی جگہ ہو گا میں نے تمہارا کام اپنے ذمہ لے لیا ہے تم قطعی کوئی فکر نہ کرو۔ بلکہ مطمئن رہو۔ بابر کی شکست میرے ذمہ ہے۔ آپ کا یہ ارشاد سنکر بعض افسران نے اپنی پگڑیاں یہ کہتے ہوئے زمین پر پھینک دیں کہ حضرت خواجہ سب کو مروا ڈالتے ہیں۔ لیکن مرزا کو چونکہ آپ پر مکمل یقین تھا لہٰذا ان کی کسی

---

۱ رشحات ۱۶۳ - ۱۶۴

بات کی ذرہ برابر پروانہ کی اور بلاچون وچرا ڈٹ گیا۔ جب مرزا بابر سمرقند کی فصیل کے قریب پہنچا تو اسکے پیشرو لشکر کے سردار خلیل منڈو سے (جو سمرقند میں نماز گاہ پر ٹھہرا ہوا تھا) شہر کے تھوڑے آدمیوں نے نکل کر جنگ کی اور خلیل منڈو کو گرفتار کر لیا۔ اور اس سے زائد سیاست داں کوئی شخص نہ تھا۔ جب مرزا بابر سمرقند کی فصیل کے قریب اترا تو سمرقند کے ان لوگوں کو جو اپنی ملازمت وطن پر گئے ہوئے تھے مرزا بابر کے لشکر نے گرفتار کر لیا۔ بعضوں کو قتل کر ڈالا اور بعضوں کے ناک کان کاٹ ڈالے۔ بابر کا لشکر بہت زائد مقتول ہوا اور بعض ناک کان کٹنے کی وجہ سے بہت پریشان ہوئے۔ چند ہی روز بعد اس کے گھوڑے بھی مرنا شروع ہو گئے نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے گھوڑے ضائع ہو گئے اور لوگ مردہ گھوڑوں کی بدبو سے پریشان ہو گئے۔ آخر کار مرزا بابر نے مولانا معمائی کو صلح کیلئے حضرت اقدس کے پاس بھیجا اور صلح کیلئے عرض کیا۔ ملاقات کے دوران مولانا محمد سے عجیب باتیں واقع ہوئیں۔ (یعنی) ہمارے مرزا بڑے عالی ہمت ہیں جس سمت بھی رخ کرتے ہیں۔ بغیر فتح کئے واپس نہیں آتے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ اگر مرزا کے والد کے مجھ پر احسانات نہ ہوتے تو انہیں پتہ چلتا۔ پھر صلح پر راضی ہو گئے مرزا بابر نے اپنے ارکین سلطنت سے کہا کہ حضرت خواجہ تو صلح پر راضی ہیں لیکن سلطان ابو سعید راضی نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مرزا سلطان ابو سعید سے پوچھا جائے کہ آخر وہ ہم کو کیوں صلح کر لینے کی اجازت نہیں دے رہے ہیں مرزا ابو سعید نے کہا مرزا بابر نہایت چاپلوس اور احمق ہے اور میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو تمہارے ملازمین ان کے ملازمین سے مل جائیں اور ہمارا سارا کام دھرا رہ جائے۔ کیونکہ ہمارے سارے امور آپ ہی کی عنایت سے وابستہ ہیں۔ [1]

آخری بار جب حضرت اقدس کمانگراں تشریف لے گئے تو مرزا عمر شیخ کا ایک غلام قنبر علی نام جو شاہرخیہ میں تھا مصالحت کیلئے آیا آپ نے بھی صلح کیلئے مبالغہ فرمایا لیکن جب مرزا سلطان احمد کے امرا صلح پر راضی نہ ہوئے تو آپ نے (لہجہ بدل کر) فرمایا کہ "خیر اگر وہ نہیں مانتے ہیں تو جائیں لیکن یہ سمجھ لیں کہ اگر ہم زندہ رہ گئے تو صلح کرا کر رہیں گے اور اگر نہ رہے تو ہماری روح صلح کرائیگی"۔ اس واقعہ کے تھوڑے ہی عرصہ بعد حضرت اقدس شاہرخیہ اور تاشقند تشریف لیگئے۔ مرزا عمر شیخ اپنے ایک معتمد کو شاہرخیہ میں چھوڑ کر خود باہر چلا گیا۔ وہ معتمد شاہرخیہ کی حفاظت نہ کر سکا۔ اور شاہرخیہ ان کے قبضہ سے نکل گیا۔ شاہرخیہ فتح ہونے کے بعد میر سید یوسف غلاجی اور امرا

[1] مقامات عالیہ ۱۴۰

ایک جماعت نے نیز بعض ان حکام نے (جو حضرت پر اعتقاد نہ رکھتے تھے اور آپ کی ولایت پر راضی نہ تھے اور ان کو یہ تسلیم تھا کہ ملک آپ کے قبضہ اقتدار میں دے دیا جائے) یہ طے کیا کہ تاشقند ۔ سیرام اور اندگان لیئے جائیں اور آپ کے مواضعات کی پیمائش (ریلویشن) کر کے اس کی قیمت آپ کو دیدی جائے تاکہ وہ تمام مواضعات اپنے ہو جائیں ۔ یہ تجویز پاس کر کے میر سید شاہرخیہ سے تاشقند چلے گئے ۔ ان کے وہاں پہنچتے ہی شامی چک خاں فرار ہو کر تاشقند میں داخل ہو گیا ۔ ایک روز جب کہ لوگ جنگ کے لئے تیار تھے خواجہ علی نام جو سلطنت کا ایک رکن تھا مار ڈالا گیا اس کے قتل کے بعد میر سید یوسف فرار ہو گئے اور مرزا کے تقریباً پانچ چھ ہزار افراد آب پرک میں ہلاک ہو گئے ۔ اور مرزا تباہ و برباد و خستہ حال ہو کر چند اشخاص کے ساتھ آئے ۔ اور فرار ہونے کے بعد بعض معتقدین نے افسر اعلیٰ سے کہا کہ یہ جو کچھ تباہی ہوئی ہے وہ محض تمہارے حضرت اقدس سے اعتقاد نہ رکھنے کی وجہ سے ہوئی ہے (اب خیریت اسی میں ہے کہ) تم حضرت کے مواضعات کی پیمائش کئے بغیر واپس جاؤ ۔ منقول ہے کہ جو لوگ پیچھے سے آ کر لشکر میں مل گئے تھے ۔ وہ بہت تھوڑے تھے ۔ لیکن سپاہی کہتے تھے کہ ہم کو زمین پر ہر خس و خاشاک ایک سوار کی شکل میں نظر آتا ہے ۔ اور ہمارے کانوں میں تلواروں اور تیروں کی آوازوں کے سوا کوئی آواز نہیں آرہی ہے ۔ امیر درویش محمد خاں جو ایک منصف آدمی اور آپ کے معتقد تھے .... رو کر کہتے تھے کہ یہ ایک ایسا بوجھ ہے جو آپ کی روح سے ہم کو پہنچا ہے ۔ کیونکہ ہم نے آپ کی بات پر عمل نہ کیا۔[1]

ایک بار تاشقند میں مرزا عمر شیخ کو مسلمانوں پر ٹیکس لگانے کا خیال آیا ۔ جب آپ کو اس بات کا علم ہوا تو مسلمانوں کو چھٹکارا دلانے کیلئے تاشقند تشریف لیگئے اور باون ہزار دینار اسکو دیکر دیئے کہ ایک سال تک مسلمان اس ٹیکس سے مستثنیٰ رہیں ۔ پھر دوبارہ ستر ہزار دینار مزید مسلمانوں کے رفاہِ عام کیلئے عطا فرمائے ۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد پھر اسے مسلمانوں پر ٹیکس لگانے کا خیال آیا مولانا ہلال (جو آپ کے مخلص معتقد تھے) بیان کرتے تھے کہ ایک روز آپ تاشقند سے فرکت تشریف لئے جا رہے تھے ۔ مولانا عبدالوہاب (جو آپ کے مجازاد بھائی تھے اور مرزا شیخ کی خدمت میں بڑا رسوخ رکھتے تھے) اور میں آپ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے ۔ اچانک پیچھے گھوم کر مجھ سے فرمایا پیچھے آنیوالوں سے کہدو ابھی قریب نہ آئیں مجھے عبدالوہاب سے کچھ

---

[1] مقامات خاجہ ۱۵۰

خاص باتیں کرنا ہیں۔،، میں نے آپ کا ارشاد ان لوگوں سے دہرایا۔ چنانچہ کوئی شخص قریب نہ آیا۔ اور سب اسی طرح چلتے رہے۔ اچانک دور پر ایک بارہ سنگھا نظر آیا۔ یہ دیکھکر سب اسکی جانب دوڑے۔ صرف میں اور مولٰنا عبدالوہاب رہ گئے۔ حضرت اقدس نے مولٰنا عبدالوہاب سے فرمایا کہ "جاؤ اور عمر شیخ سے جاکر کہدو کہ اگر وہ اس قسم کی باتوں سے باز نہیں آئیگا تو میں اسے مار ڈالوں گا۔ ابو سعید۔ قباد۔ ملک اسلم اور محمد خان ناسب میرے ہی مارے ہوئے ہیں اور چند دوسرے لوگ بھی میرے ہی ہاتھوں قتل ہوئے ہیں ایسا کہ مجھے (ان) قبرستانوں سے گذرتے شرم معلوم ہوتی ہے (جہاں وہ دفن ہیں) یہ فرماکر مولٰنا عبدالوہاب کو لب آب پرک روانہ کردیا قباد اور ملک اسلم کا قصہ یہ تھا کہ سلطان ویس نامی (جو مرزا سلطان ابو سعید کی اولاد میں تھا) جب مخالفت کرکے ترکستان گیا تو قباد اور ملک اسلم کو تاشقند کی حفاظت کے لئے بھیجا۔ انھوں نے حضرت کی شان میں بڑی گستاخیاں اور بے ادبیاں کیں۔ یہ خبر جب آپ کو پہنچی تو چہرۂ مبارک متغیر ہوگیا۔ اور فرمایا کہ "جب تک ان کے سر حمام کی نالی میں نہ دیکھ لوں گا مجھے چین نہ آئے گا۔ چند ہی روز بعد سلطان ویس نے آکر تاشقند پر قبضہ کرلیا اور ان دونوں کے سروں کو کاٹ کر حمام کی نالی میں ڈال دیا۔[۹]

آپ کے ایک مخلص عزیز بیان کرتے تھے کہ جس وقت سلطان احمد مرزا اور عمر شیخ سلطان محمود خاں پر حملہ آور ہوئے اور شاہر خیہ و تاشقند پر چڑھائی کی۔ مولٰنا محمد زعفرانجی جو آپ کے معتقد اور خادم تھے اپنے اہل وعیال کو اس گاؤں سے شہر لے آئے۔ میں نے ان سے اس کا سبب پوچھا۔ کہنے لگے میں نے خواب دیکھا کہ میں شاہرخیہ کے ایک گاؤں میں ہوں اچانک ایک سوار ظاہر ہوا دیکھا تو حضرت اقدس ہیں تلوار کمر پر سجی ہے۔ مجھکو دیکھتے ہی فرمایا کہ سوار ہوں ان لوگوں کا مقصد یہ ہے کہ میرے تمام مواضعات پر قبضہ کرلیں۔ تم دیکھ لینا کہ میں ان سب کیساتھ کیا کرتا ہوں۔ جب شاہرخیہ پہنچے تو جتنے حکام اور افسران سامنے آتے گئے آپ سب کی گردنیں مارتے گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ساری فوج منتشر ہوگئی۔ میں یہ خواب دیکھکر پریشان ہوگیا اور اپنا تمام مال واسباب لیکر شہر آگیا اور واقعی (خدا کی قسم) ہر شخص نے یہ دیکھ لیا کہ وہ سب اسی طرح مقتول ہوئے جیسا مجھے خواب میں دکھایا گیا تھا۔ بیشتر تاشقند کی جنگ میں مارے گئے اور بہت سے آب پرک میں غرق ہوگئے۔ اور مرزا سلطان احمد نے بری طرح شکست کھائی۔[۹۲]

---

[۹۱] مقامات عالیہ ۱۶۲، ۱۶۳، [۹۲] ایضاً ۱۶۵

نقل ہے کہ حضرت اقدس نے ایک واقعہ میں دیکھا کہ شریعت آپ کی ذات سے مستحکم ہو گی اور اسے فروغ ہو گا۔ قلب مبارک میں یہ آیا کہ یہ بات بادشاہوں کی اعانت کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سلطان وقت سے ملنے کے ارادہ سے سمر قند گئے۔ اس وقت مرزا عبداللہ ابن مرزا ابراہیم ابن مرزا شاہرخ سمر قند کا حاکم تھا۔ میں بھی حضرت کے ہمراہ تھا۔ جب سمر قند پہنچے تو مرزا عبداللہ کے امراء میں سے ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے اس سے فرمایا۔ میری غرض یہاں آنے سے تمہارے مرزا کی ملاقات ہے۔ اگر تم اس سلسلہ میں میری مدد کر سکتے ہو تو یہ تمہارے لئے باعثِ ثواب ہو گا۔ اس نے بے ادبانہ جواب دیا کہ ہمارے مرزا جوان بے پرواہیں اور ان کی ملاقات بہت دشوار ہے اور درویشوں کو ان تمام باتوں سے کیا سروکار۔ آپ نے اس کے اس کہنے پر غصے سے فرمایا کہ ہم کو بادشاہوں سے مراسم قائم رکھنے کا حکم دیا گیا ہے ہم خود سے نہیں آئے ہیں۔ خیر۔ اگر تمہارا مرزا پروانہ کرے گا تو کسی ایسے کو حاکم کیا جائے گا جو پروا کرے جب وہ امیر (افسر) چلا گیا تو آپ نے اس کا نام سیاہی سے دیوار پر لکھا پھر اسے آب دہن سے محو فرما دیا اور فرمایا ہمارا کام اس بادشاہ اور اس کے امراء سے نہ ہو گا۔ اور اسی روز تاشقند کی جانب روانہ ہو گئے۔ ایک ہفتہ بعد وہ افسر مر گیا۔ اس کے ایک ماہ بعد سلطان ابوسعید مرزا نے اطرافِ ترکستان سے ظہور کیا اور مرزا عبداللہ پر حملہ کر کے قتل کر دیا۔[۱]

اصحاب میں سے ایک شخص کا بیان ہے کہ ایک روز حضرتِ اقدس نے فرمایا کہ میں اپنے کو ایسا دیکھ رہا ہوں کہ میری کمر میں ایک رسی بندھی ہے جس سمت میں ہوتا ہوں وہ رسی بھی اسی جانب ہوتی ہے اور یہ چیز بغیر قطبیت کے حاصل نہیں ہو سکتی۔[۲]

الحق آں شاہ مسندِ ارشاد — خبر از حالِ خویشتن می داد

مرزا سلطان ابوسعید کہتے تھے کہ میں نے خواب میں اولیاء اللہ کی ایک جماعت کو یہ فرماتے سنا کہ خواجہ عبید اللہ میں بڑی قوت ہے ان سے جنگ اور دشمنی نہیں کی جا سکتی۔ وہ جس جانب ہوں گے اور جو چاہیں گے وہی ہو گا۔ چنانچہ آپ فرماتے تھے کہ میں نے اچھی طرح دیکھا ہے اور بچپن سے اس بات کو جانتا ہوں کہ جس نے مجھ سے جنگ کی یا جنگ کا ارادہ کیا وہ مغلوب ہوا اور پیش نہ پا سکا۔[۲]

---

[۱] مقاماتِ عالیہ ۲۸۸ [۲] ایضاً ۵۵۔

مرزا سلطان احمد بیان کرتے تھے کہ ایک بار خرچ کی اس قدر تنگی ہوئی کہ میں پریشان ہو گیا اور مجبور ہو کر امرائے سلطنت سے یہ مشورہ کیا کہ دیہات کے لوگوں پر ٹیکس لگایا جائے سب نے میری اس تجویز پر اتفاق کر لیا پھر میں نے سوچا کہ اگر حضرتِ اقدس سے اپنی یہ لاحقہ پریشانی اور اضطراب ہم نے عرض نہ کیا اور ہماری ضرورت کا آپ کو علم نہ ہوا تو یقیناً آپ اس تجویز کو مسترد فرمادیں گے چنانچہ امیر درویش محمد کو آپ کی خدمت میں یہ سب عرض کرنے کیلئے بھیجا وہ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ ملازمین میں سے ایک شخص اندر آیا اور کہنے لگا کہ حضرت نے اپنے صاحبزادہ کے ہاتھ کچھ خرچ آپ کی خدمت میں یہ کہہ کر بھیجا ہے کہ شاید مرزا کو خرچ کی ضرورت ہو جب ان کو شمار کیا گیا تو دس ہزار تنگہ سفید تھے مرزا یہ واقعہ بیان کرنے کے دوران کہتے تھے کہ جو شخص آپکی کرامات جو اس فقیر کی نسبت واقع ہوئیں لکھنا شروع کردے تو دفتر کے دفتر ہو جائیں۔

نقل ہے کہ مرزا سلطان احمد نے آپ کے ارشاد کے مطابق سمرقند کا ٹیکس معاف کر دیا تھا تھوڑے عرصہ بعد ان لوگوں نے جنھوں نے سابقہ ایام میں خوب فوائد حاصل کئے تھے متفق ہو کر یہ اسکیم بنائی اور مکر و فریب سے یہ چال چلی اور اسکے افسران کو رشوت دے کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ قانون پھر سے نافذ کیا جائے اور وہ بارہ اشخاص تھے جو اس اسکیم میں شریک تھے یہ خبر جب آپ کے کانوں تک پہنچی تو غصہ آگیا اور فرمایا کہ خواجہ بہاء الدینؒ نے عرصہ تک جلادی کی ہے ہم بھی انھیں کے شاگرد ہیں۔ دیکھتے ہیں کس میں کتنی طاقت ہے کچھ لوگوں نے یہ بات سلطان احمد مرزا کے کانوں تک پہنچادی۔ اس نے جب یہ سنا تو ڈر کر یہ خیال دل سے نکال دیا۔ اسی روز ان بارہ (تحصیلداروں) اشخاص میں سے ایک کو جب یہ خبر پہنچی تو (وہ ایک عقلمند اور سمجھدار آدمی تھا) اس نے فوراً اپنی بری نیت سے توبہ کی اور اللہ سے مغفرت کا طالب ہوا اسی رات وہ گیارہ اشخاص ختم ہو گئے اور صبح کو ان سب کے تابوت (جنازہ) شہر سے باہر لیجائے گئے۔[۱]

ان واقعات سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت خواجہ کی شخصیت اور وجاہت ظاہری و باطنی کا شاہان وقت پر کس قدر اثر تھا اور وہ آپ سے کتنا مرعوب رہتے تھے بادشاہوں میں آپ سے حسن اعتقاد رکھنے والے بھی تھے جن میں ایک تو سلطان محمود ہی تھا جس کے زمانہ کا مختصر حال بابر نامہ سے

---

[۱] مقاماتِ عالیہ ۱۵۷

ملتا ہے بابر نے اسکے محاسن و معائب دونوں بیان کئے ہیں لکھا ہے کہ وہ خوش خلق اور منتظم تھا لیکن شراب اور امرد پرستی کا اس حد تک دلدادہ تھا کہ اس کے امراء کے کمسن بچے بھی نہ بچتے تھے بابر لکھتا ہے کہ یہ رواج اس کے زمانہ میں اس قدر عام ہوگیا تھا کہ ہر شخص اسکو فیشن سمجھ کر کرتا تھا اس کے دربار میں کبھی فواحش کا بھی اجراء ہوتا تھا حضرت خواجہ سے اسکو سوءِ ظن تھا سلطان محمود کے نام حضرت خواجہ کا وہ خط بھی ہے جو سابقہ اوراق میں گذر چکا ہے اس کا بھائی سلطان احمد مرزا سمرقند کا بادشاہ تھا جس کے ملک پر چڑھائی کرنے کے ارادہ سے اس نے فوج کشی کی حضرت خواجہ نے اسے ایک خط بھیجا جسمیں یہ تحریر فرمایا کہ ،، اگر تمہارا مقصد مسلمانوں کی قتل و غارت گری ہے تو اپنا مقصد پورا کرلو اور اگر سمرقند پر قبضہ کرنا ہے تو یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ وہ تم کو حاصل نہ ہوسکے گا سمرقند میں بہت سے ایسے نیک لوگ بھی ہیں جو بزبانِ حال کہتے ہیں ؎

بہ پیشِ جسم چو خاکسترم میا گستاخ کہ ہست در تہِ او آتشے و دریائے

ان مذکورہ واقعات سے ناظرین نے حضرت خواجہ کی ملکی و ملی مہمات کا اندازہ کرلیا ہوگا ان کی وسیع النظری - خود اعتمادی - اولوالعزمی اور حب الوطنی جیسے اوصاف نے ان کی انفرادیت کو ایسا مستحکم کردیا تھا کہ ملکوں کی اندرونی مسموم فضائیں قدم قدم پر اس کے ازالہ کیلئے آپ کے تعاون - رہنمائی اور پشت پناہی کا سہارا لینے لگیں - آپ کے داخلی و خارجی لامحدود اثرات معاشی انصاف معاشرتی عدل نیز مختلف کوائف و حالات میں ساز و سٹینر کا درجہ رکھتے تھے آپ کی زندگی ایک جہد مسلسل اور شخصیت ملک و قوم کیلئے ایک وہبی حیثیت رکھتی تھی لہٰذا سیاسی آلائشوں سے یکدم پاک تھی - اور یہی وجہ تھی جو ہر حلقہ میں آپ وقعت و اہمیت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے - زیر نظر سطور میں آپ کی سیرت اور دل افروز بصیرت کی جھلکیاں نظر آتی ہیں - آپ کی سوانح زندگی کے واضح نقوش تاریخی دستاویز میں آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں - تصور میں آپ کے روزنامچہ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہی کوئی لمحہ آپ کا بیکار و خالی گذرتا ہو - اپنے لاتعداد فارموں کی نگرانی ... ملکی و ملی امور میں سرگرمی - فتنہ انگیز عناصر کی سرکوبی - ملت کی تنظیم - ذہنی اصلاح - حقوق کا تحفظ - رشد و ارشاد - یادِ حق اور شب بیداری نیز جملہ امور و مسائل - یہ سب چیزیں ایسی تھیں جو ان کی جامعیت اور ہمہ گیری کا ثبوت دیتی ہیں - وہ ایک دردمند اور پرسوز دل رکھتے تھے اور عشق و محبت کا ایسا سراپا

تھے جو ذاتیات میں جمال اور سیاسیات میں جلال تھا یعنی اس کے دونوں رخ طبیعت کے رنگ لے
مطابق اپنے فطری میلانات میں دوگانہ تحریکات رکھتے تھے۔ ان کے خیالات۔ اور حقائق و معارف
ان کے مسترشدین کے دست و قلم کے لکھے ہوئے ان کے کارناموں کا پتہ دیتے ہیں لیکن بظاہر اس
سلسلہ میں ان کی اپنی تحریروں کے مفقود ہونے سے ان کا علمی استخفاف نظر آتا ہے لیکن محض ان کی اپنی
تحریروں کے سامنے نہ ہونے سے ان کی علمی عظمت اور قدر و منزلت پر نہ کوئی فرق پڑتا ہے اور نہ اہمیت
گھٹتی ہے اس سلسلہ میں دوسرے حضرات بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے کوئی
تصنیف فرمائی ہو اور وہ زمانہ کی دستبرد سے محفوظ نہ رہی ہو۔ بہر حال اس سلسلہ میں محض قیاس کی
بنا پر انگشت نمائی کرنا نہ متقدمین کا حق تھا اور نہ متاخرین کا۔ آپ کے ارشادات۔ حالات۔ واقعات
اور کرامات یہ سب اجتماعی حیثیت سے خود ایک جامع ملفوظ اور اچھوتے معلومات سے لبریز ایک
بیش بہا تصنیف اور مبسوط تالیف ہے۔ اور ہر سوانح نگار کا فرض ہے کہ وہ انہیں مقالات کی
روشنی میں ان تمام باتوں کا جائزہ لے اور اس کی سیرت و کردار کی کاغذ پر ایک تصویر کھینچ کر زمانہ سے
روشناس کرائے۔ میری یہ مختصر اور تشنہ تحریر اس سلسلہ میں تفصیل کا موقع نہیں دیتی اور نہ میری
نااہلی اور کم ظرفی اسکی متقاضی ہے کہ آپ کی شخصیت پر تبصرہ کے سلسلہ میں قلم اٹھانے

حالات اور واقعات (کرامات)

مولنا محمد بیان کرتے تھے کہ مرزا سلطان احمد کے واقعہ کے بعد میں نے خواب دیکھا کہ حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ اس وقت ماتریدی میں تھے۔ جب دریائے بخارا کے کنارہ پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ تشریف لا رہے ہیں اور بہت بڑا مجمع آپ کے ہمراہ ہے اور پورا مجمع سفید پوش ہے۔ میں نے سلام کیا اور عرض کیا کہ حضور۔ سلطان احمد تو ختم ہو چکے اب ان کے بعد کون بادشاہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ مرزا سلطان محمود ہونگے میں نے عرض کیا کہ اس سے تو کوئی خوش ہے نہیں سب لوگ تو اسے برا کہتے ہیں اور وہ حضور کو اور حضور کے اہل وعیال تک کو برا کہتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ بدی

کرے گا تو اس کا خمیازہ خود بھگتے گا۔ سلطان احمد کی نماز (جنازہ) میں نے جمعہ کو پڑھی ہے اس کی (سلطان محمود) نماز جنازہ دوشنبہ کو پڑھ لوں گا۔ اور واقعی ہوا بھی یہی کہ اس کی نمازِ جنازہ دوشنبہ کو ادا کی گئی۔ [۱]

آپ ایک بار قرش تشریف لیجا رہے تھے۔ قرش کے قریب پہنچے تھے کہ احمد نام کا ایک شخص جسکے سپرد آپ کے اونٹوں کی نگرانی تھی سامنے آیا اور روتے ہوئے عرض کیا کہ مجھے سید احمد سارو نے جو عرب کا داروغہ ہے سخت اذیت پہنچائی ہے یہ سنکر آپ کا چہرۂ مبارک متغیر ہوگیا لیکن (اپنے حلم کی بناپر) کچھ نہ فرمایا اور (اس وقت) ٹال گئے۔ جب سمرقند پہنچے تو سید احمد سارو اور محمد علی کلتاش خدمت میں حاضر ہوئے دوران گفتگو آپ نے سید احمد سارو سے مخاطب ہوکر فرمایا "کہ تم نے میرے فلاں آدمی کی لاتوں اور گھونسوں سے پٹائی کی ہے سمجھ لو کہ میں بھی اس قسم کی پٹائی کے طریقے خوب جانتا ہوں تمہارے ساتھ بھی اسی طرح پیش آؤں گا پھر بہت غصہ سے فرمایا کہ میری نظروں کے سامنے سے دور ہوجا"، اتنے میں ظہر کی نماز کا وقت آگیا آپ نے نماز پڑھی اور شام تک کسی سے کوئی بات نہ کی اور آپ کا رنگ (تیور) دیکھتے ہوئے خود سے گفتگو کرنے کی کسی کی مجال نہ پڑی تھوڑی ہی دیر بعد سید احمد بیمار ہوگیا جب تکلیف زائد بڑھی تو مرزا کو خبر بھیجی کہ میرا جو کچھ مرض اور تکلیف ہے وہ محض حضرت کی وجہ سے ہے میں نے آپ کے ایک ملازم کیساتھ بدسلوکی کی تھی جسکی وجہ سے آپ نے مجھ پر عتاب فرمایا آپ کرم فرماکر حضرت اقدس سے میری جانب سے معافی مانگ دیں۔ مرزا نے آپ سے عرض کیا۔ آپ نے مطلق التفات نہ فرمایا بلکہ تغافل برتا۔ جب مرزا نے زائد اصرار کیا کہ اسکی اس حرکت سے درگذر فرمائیں۔ (اور اسکو ایک نظر دیکھ لیں تو آپ نے اس کے اصرار پر فرمایا بڑے تعجب کی بات ہے کہ تم مجھ سے مردہ سید احمد کے سلسلہ میں درخواست کر رہے ہو میں کوئی عیسیٰ تو ہوں نہیں جو مردہ کو زندہ کرسکوں۔ خیر اگر تمہاری یہ خواہش ہے کہ میں اسکی عیادت کو جاؤں تو جاتا ہوں یہ فرماکر روانہ ہوئے۔ جب ارک کے پھاٹک پر پہنچے تو ایک تابوت آتا نظر آیا جو سید احمد سارو کا تھا یہ دیکھکر آپ اسی جگہ سے واپس ہوگئے۔ [۲]

---

[۱] مقامات عالیہ ۱۶۵ [۲] رشحات ۱۶۶

ایک درویش نے بیان کیا کہ ایک روز میں حضرت کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک تاجر خواجہ مصطفیٰ رومی آئے اور آپ سے کہنے لگے کہ میرک حسن (دیوان مرزا سلطان احمد) نے ایک بات کہی ہے اور باصرار یہ کہا ہے کہ اسکو حضرت تک پہنچا دو۔ آپ نے فرمایا وہ کونسی بات ہے بیان کرو۔ انھوں نے کہا، میرک حسن کہتا ہے کہ سلطان احمد کے پاس جو تھوڑی بہت جگہ رہ گئی ہے براہِ مہربانی حضرت خواجہ وہ بھی لے لیں اور ہمارا پیچھا چھوڑ دیں یہ سنتے ہی آپ کا رنگ بدل گیا۔ ریشِ مبارک کے بال کھڑے ہوگئے اور غصہ سے ہاتھ پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ یہ کتا مجھے کچھ دے رہا ہے اور اسی حالت میں گھر کے اندر چلے گئے پندرہ روز بعد میرک حسن کو یہ حادثہ پیش آیا کہ مرزا سلطان احمد نے غصہ سے یہ حکم دیا کہ اس کی زندہ کھال کھینچ لی جائے۔[۱]

شیخ ابو سعید آبریز بیان کرتے تھے کہ ایک بار حضرتِ اقدس ابتدائے حال اور نوجوانی میں ہمارے یہاں تشریف لائے ہوئے تھے اور ہم سب لوگ معہ متعلقین و اولاد آپ کی خدمت گذاری میں مصروف تھے۔ اور عجیب و غریب حالات و جاذبات مشاہدہ کر رہے تھے جس سے ہمارے عقاید مزید پختہ ہوگئے تھے ایک روز میرے بڑے بھائی روتے ہوئے آئے کہ اسد جوئی بان کے لڑکے نے مجھے سخت تکلیف پہنچائی ہے اور بہت سخت سست کہا ہے اسی اثنا میں میری والدہ آگئیں اور انھوں نے نہایت مضطرب ہو کر عرض کیا کہ حضور میرے اس لڑکے پر خاص توجہ فرمائیں وہ شخص نہایت ظالم و فاسق ہے اور بہت سے فقراء کو اس سے نقصان پہنچا ہے آپ والدہ ماجدہ کے اضطراب اور پریشانی سے بہت متاثر ہوئے اتنے میں ظہر کا وقت آگیا آپ نے نماز پڑھی اور نماز پڑھنے کے بعد فرمایا کہ یہ کتا ہمارے نماز پڑھنے کے دوران آگیا ہم نے اس کا کام تمام کر دیا تھوڑے ہی دنوں بعد اس شخص سے کسی سے جھگڑا ہوا جس نے اس کی خوب درگت بنائی چونکہ ہمارے باپ دادا وغیرہ سب آپ ہی کے مخلص پشتینی خادم تھے لہٰذا آپ اکثر ہمارے غریب خانہ پر تشریف لایا کرتے تھے جب آپ دوبارہ تشریف لائے تو والدہ نے آپ سے عرض کیا کہ حضور کے کرم و عنایت سے دشمن نے خوب سزا پائی آپ نے فرمایا اس روز جو ہم نے کہا تھا وہ واقعہ ابھی پیش نہیں آیا ہے بلکہ اب پیش آئیگا اس کے کچھ ہی دنوں بعد (کسی جرم کی سزا میں) بادشاہ نے اسے گھوڑے کی دم میں باندھ کر ہلاک کروا دیا پھر ہڈیوں اور گوشت کے ٹکڑوں کو جمع کر کے جلوا دیا۔[۲]

---

[۱] مقاماتِ عالیہ ۱۳۱ [۲] رشحات ۱۶۷

نقل ہے کہ عبدالرزاق نام کے ایک ڈاکو کو جو اپنی بدی اور دلیری میں مشہور تھا خواجہ مولٰنا نے حضرتِ اقدس کو قتل کر دینے کے لئے ایک بہت بڑی رقم دینے کا وعدہ کیا۔ وہ راضی ہوگیا کہتا تھا کہ تین بار آپ میرے سامنے سے تنہا گزرے لیکن باوجود کوشش آپ پر ہاتھ ڈالنے کی میری ہمت نہ پڑی اور آپ مجھے دیکھتے ہوئے نکل گئے۔ جب مرزا عمر شیخ کے آدمیوں کے ہاتھوں وہ گرفتار ہو کر تاشقند لائے گئے تو آپ بھی وہاں تشریف فرما تھے۔ جب آپ کو اس کی گرفتاری کا علم ہوا اور یہ معلوم ہوا کہ مرزا نے ان کے قتل کا حکم دیدیا ہے تو فرمایا اگر وہ سچ بات کہدے جو خواجہ مولٰنا نے اس سے کہی تھی اور اس نے اسے منظور کر لیا تھا تو میں اسے رہائی دے دوں گا۔ اس نے یہ سن کر تمام باتوں کا اقرار کیا، آپ نے اسے طلب فرما کر رہائی دی۔ مولٰنا حاجی منشی (جو آپ کے جلیل القدر احباب میں تھے) بیان کرتے تھے کہ جب تنہائی ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ مجھے اس بات پر سخت تعجب ہے کہ حضور کو اپنے ملازمین میں سے کسی کی اگر ذرا سی بات بھی ناگوار ہوتی ہے تو وہ بہت جلد تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ خواجہ مولٰنا کی یہ حرکت اور عداوت تو کھلم کھلا تھی اس کے اس طرح در گزر کرنے میں کیا مصلحت تھی (یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی) آپ یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا کہ "وہ ایک باطل زندگی رکھتا ہے ایسی زندگی سے موت بہتر ہے۔ (آپ کے اس فرمانے پر) انھیں ایام میں اسے ایک ایسا مرض ہوگیا کہ اپنے فضلات (پاخانہ، پیشاب) سے کھیلنے لگا۔ اور اطبا اس کا مرض تشخیص ہی نہ کر سکے[1]

آپ کے احباب میں سے ایک شخص کا بیان ہے کہ ایک روز آپ اپنے گاؤں "دانج" تشریف لیجا رہے تھے۔ اثنائِ راہ میں ایک قلندر سامنے آیا اور گستاخانہ کہنے لگا کہ اسے دنیا دار کتنی دنیا اور جمع کرو گے اور شانِ اقدس میں اور بھی بے ادبی کی باتیں کیں۔ آپ نے (اپنے حلم کی بنا پر) سکوت فرمایا اور دانج چلے گئے۔ شب میں وہی قیام فرمایا۔ صبح کو مجھے شہر بھیجا۔ اثنائے راہ میں جس جگہ وہ قلندر ملا تھا ایک قبرستان تھا جہاں لوگوں کا جمِ غفیر اکٹھا تھا اور کچھ لوگ قبر کھود رہے تھے۔ میرے پوچھنے پر لوگوں نے بتایا کہ یہ قبر اس شخص کی کھودی جارہی ہے جس نے کل اسی جگہ حضرت کی شان میں بے ادبی کی تھی اور نازیبا الفاظ استعمال کئے تھے[2]

---

[1] مقاماتِ عالیہ ۱۷۵ [2] ایضاً ۱۷۳

ایک درویش کا بیان ہے کہ ایک روز حضرتِ اقدس نے استاد علاؤالدین قصاب سے کسی بات پر انتہائی غصہ سے فرمایا کہ میں تمہاری گُدّی پر ایسا تھپڑ ماروں گا کہ برباد ہو جاؤ گے .... چند ہی روز بعد معلوم ہوا کہ اس کی گُدّی میں ایک زخم ہو گیا ہے اور تکلیف کی اتنی شدت ہے کہ تکیہ تک نہیں لگا سکتا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ جا کر اسے دیکھ آؤ۔ میں آپ کے فرمانے کے مطابق گیا۔ دیکھا تو اس کی گُدّی چھوٹے خربوزہ کے برابر متورم ہو گئی ہے اور اس میں بہت سے باریک باریک سوراخ ہیں جن سے خون اور مواد جاری ہے میں یہ حالت دیکھ کر اسکی زندگی سے مایوس ہو گیا۔ چند روز میں اسکے پاس رہا۔ ایک روز اچانک مجھے یہ خیال آیا کہ وہ آپ کی طرف متوجہ ہو کر اپنی سابقہ بے ادبی اور حرکت کی معافی مانگے۔ پھر میں نے اس سے اس بات کا اظہار کیا۔ وہ میرے اس کہنے پر فوراً متنبّہ ہو گیا اور توبہ و استغفار کرنے لگا اور اس پریشانی میں ساری ساری رات نہ سوتا تھا اور روتا رہتا تھا۔ چند روز بعد معافی کا اثر ظاہر ہوا یعنی گُدّی کا زخم مندمل ہونا شروع ہو گیا۔ رفتہ رفتہ خون اور مواد بھی بند ہو گیا چند ہی روز بعد مکمل طور پر صحت یاب ہو گیا۔ اور یہ چیز بہت سے لوگوں کے عقیدہ کی زیادتی کا سبب بن گئی ہے[۱]

شیخ خلیل اللہ خواجگی سے منقول ہے کہ میں ایک بار خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ اپنی قبا کندھے پر ڈالے حجرے سے باہر نکلے اور چہرۂ مبارک غصہ سے تمتما رہا تھا اور یہ شعر پڑھ رہے تھے ؎

مستم خرابم بے خبر رَد محتسب را کن خبر　　　ہم محتسب را ہم ترا من چاشنی آوردہ ام

پھر بیٹھ گئے اور فرمایا اے میرے شیخ آؤ میرے پیر دباؤ۔ فقیر پا ہائے مبارک دبانے لگا۔ اسی دوران خواجہ عبدالرزاق اور مولنا عبدالوہاب آ گئے اور آپ کی فقیر پر عنایت دیکھ کر ان کے دلوں میں کچھ خطرات آئے۔ آپ ان کے خطروں پر مشرف ہو گئے اور غصہ سے انکی جانب دیکھکر یہ اشعار پڑھے ؎

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد　　　فدائے یک تنِ بیگانہ کاشنا باشد

برادر و پدر و اصل نسلِ من عشق است　　　نہ خویشِ عشق بماند نہ خویشی پدری

اسی اثناء میں خواجہ یحیٰی بھی آ گئے۔ آپ نے ان کی جانب دیکھ کر فرمایا کہ اے خواجہ تم یہ خیال نہ کرنا کہ تنہا تم ہی ہمارے لڑکے ہو۔ حضرت خواجہ عبدالخالق کے فرمانے کے مطابق یہ سب بھی ہمارے لڑکے ہیں ؎[۲]

---

[۱] مقاماتِ عالیہ ۱۷۰۔　　[۲] مقاماتِ عالیہ ۱۷۱

ملاحسن قوتو رومی بیان کرتے تھے کہ ایک روز میرے دل میں آیا کہ آپ سے سیر کی اجازت مانگ کر شیخ زادۂ الیاس کی خدمت میں جو کوہِ نور پر رہتے ہیں جاؤں۔ اچانک آپ نے میری جانب دیکھ کر یہ شعر پڑھا[1]

توکوہ کجا روی بہ من باش — امروز معاذ در جبل نیست

مجھکو اپنے اس ارادہ سے نہایت ندامت ہوئی اور اس کو ترک کر دیا[1]

آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص کا بیان ہے کہ ایک بار آپ قرش سے تشریف لا رہے تھے شب میں ایک مقام "صدرِ جہاں" پر قیام فرمایا۔ صبح کو جب شہر کی جانب روانہ ہوئے تو بے کیف اور بے لطف سے تھے۔ مولانا لطف اللہ آپ کی خدمت میں ہشاش بشاش حالت میں حاضر ہوئے آپ نے ان سے فرمایا۔ شاید تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھے پہچان گئے ہو۔ مجھے آج تک کوئی پہچان نہیں سکا ہے۔ مجھ پر جو بھی مکشوف ہوتا ہے اگر میں اسے ظاہر کر دوں تو (دماغوں کی رگیں پھٹ جائیں) اور کارخانۂ عالم کا بھیجہ باہر آجائے۔ پھر یہ اشعار پڑھے[2]

ہر کسے از ظنِ خود شد یارِ من — وز درونِ من نجست اسرارِ من

سرِ من از نالۂ من دور نیست — لیک کس را دیدِ جاں دستور نیست[3]

ایک درویش کا بیان ہے کہ ایک بار مجھ سے ایک لغزش ہوگئی جس سے مجھے سخت ندامت ہوئی اور اس ندامت کی وجہ سے میں کئی روز تک آپ کا سامنا نہ کر سکا۔ پھر مجھے یہ خیال آیا کہ گناہوں سے محجوب ہونا اور اولیاء اللہ کی صحبت سے محرومی بہت بڑا نقصان ہے بہر حال جو کچھ بھی ہو آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے۔ یہ خیال کر کے بصد ندامت حضرت خواجہ نقش بند کا فاتحہ پڑھا اور ان کی سفارش لایا کہ آپ میری خطا کو معاف فرمائیں۔ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے میری جانب نظر اٹھائی اور فرمایا اگر تم اس کی پابندی کر لو تو بہت اچھا ہے (یعنی حضرت خواجہ نقش بند کی روح پر فاتحہ پڑھ لیا کرو) لیکن عموماً لوگ ایسا کرتے نہیں ہیں۔ سالک کو اپنے احوال پر ہر وقت نظر رکھنا چاہیے تاکہ کوئی بات اسکی مرضی کے خلاف نہ ہو۔ یہ دیکھ کر میرا عقیدہ آپ سے پختہ ہوگیا اور حسبِ فرمان والاشان اسی وسیلہ طریقہ سے آئندہ ناشائستہ حرکات سے محفوظ رہا[3]

مرزا شاہرخ کے زمانہ میں آپ ہرات میں مقیم تھے۔ مولانا شیخ ابوسعید مجلد (اس وقت ایک حسین نوجوان تھے اور آپ کے عنایت یافتہ تھے) بیان کرتے تھے کہ آپ کی نظرِ التفات کے دوران

---

[1] مقاماتِ عالیہ ۔ ۱۷۹ [2] مقاماتِ عالیہ ۱۸۶ [3] رشحات ۱۷۱

بہ تقاضائے شباب ایک حسین عورت سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ (رفتہ رفتہ مراسم بڑھتے گئے) اور ایک روز وہ میرے گھر آ گئی۔ میں نے اس کے ساتھ خلوت کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اچانک حضرتِ اقدس کی آواز سنائی دی کہ "بائیں ابو سعید یہ کیا"۔ میں یہ آواز سن کر فوراً الگ ہو گیا اور ایسی ہیبت و رعب میرے دل پر غالب ہوا اور اعضا پر رعشہ طاری ہو گیا۔ اچھل کر الگ ہو گیا اور اس عورت کو گھر سے بھگا دیا۔ تھوڑی دیر بعد آپ تشریف لائے۔ مجھے دیکھتے ہی فرمایا اگر توفیق الٰہی شاملِ حال نہ ہوتی تو شیطان تمہیں بہا لے گیا تھا۱؎

ایک مخلص بیان کرتے تھے کہ جب آپ سفرِ حصار اور حضرت مولانا یعقوب چرخی کی خدمت میں رہ کر دوبارہ ہرات تشریف لائے تو راستہ میں ایک مخلص کے مکان پر قیام فرمایا۔ اتفاق سے اس روز ان کے وہاں احباب کی دعوت تھی ان میں ایک نہایت خوبصورت حسین لڑکا بھی اپنے باپ کے ساتھ تھا اور اپنے حسن و جمال میں شہرۂ آفاق تھا۔ اس وقت دسترخوان بچھا ہوا تھا۔ اور سب کھانے میں مصروف تھے۔ کھانے کے بعد خیاباں کی سیر کا ارادہ تھا۔ اس مخلص نے جیسے ہی آپ کو دیکھا قدموں پر گر پڑا۔ حد سے زیادہ نیاز مندی برتی اور اس حد تک انکساری کی کہ تمام موجود مہمان متحیر رہ گئے۔ کیونکہ ان کی آپ سے کوئی واقفیت پہلے سے نہ تھی۔ آپ نے بھی ان کا خلوص دیکھ کر بڑی عنایت فرمائی۔ لیکن اس نوجوان نے اپنے حسن کے غرور میں آپ کی طرف مطلق توجہ نہ دی اور نہ اپنی جگہ سے ہلا۔ وہ مخلص بیان کرتے تھے کہ جب آپ تشریف فرما ہوئے تو میں نے مؤدبانہ عرض کیا کہ ابھی لوگوں نے کھانا کھایا ہے اور چولہا جل رہا ہے حضور جو چیز پسند فرمائیں اس کے پکوانے کا انتظام کر دوں۔ قبل اس کے کہ آپ "ہاں" یا "نہیں" میں جواب دیں اس نوجوان نے (جو اپنے حسن کے غرور میں سرشار تھا اور یہ چاہتا تھا کہ اپنے ساتھ مجھ کو بھی برباد کر دے) بے ادبانہ کہا کہ اس مسافر کو جو کھانا موجود ہو وہ دے دو۔ کھانا تو ختم ہو چکا ہے اور اب مزید کھانا پکانے کی کسی کی ہمت نہیں ہے۔ آپ نے جو اس کا تکبر و غرور پہلے ہی ملاحظہ فرما چکے تھے اب یہ بے ادبانہ لہجہ اور گفتگو سنی تو آہستہ سے فرمایا ایسا کہ میں نے سن لیا "اے خوبصورت نوجوان! تم اپنے حسن و جمال پر مغرور اور بہت پھول رہے ہو۔ اگر میں تمہارا چہرہ سیاہ

۱؎ رشحات ۱۷۱

نہ کردوں تو گناہ گار ہوں" پھر زور سے فرمایا. ہم مسافر آدمی ہیں. دُور سے آرہے ہیں اور بھوکے ہیں. اور اس وقت گرم تازہ سالن کھانے کو دِل چاہ رہا ہے. میں یہ سن کر تیزی سے اٹھا اور قدرے گوشت، چاول، چنے کی دال اور دیگر مصالحہ جات وغیرہ لے آیا. اس دوران آپ نے سکوت فرمایا اور اس نوجوان پر اپنی توجہ مبذول کی اچانک میں نے دیکھا کہ وہ نوجوان نہایت بے قرار و مضطرب ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور اگر اجازت دیں تو یہ خدمت میں انجام دُوں. آپ نے فرمایا "ہاں کوئی ہرج نہیں". پھر میں نے دیکھا کہ اس نے اپنی آستینیں چڑھائیں اور دامن سمیٹ کر چولہے کے پاس بیٹھ گیا اور باوجود میرے کہنے کے مجھے چولھے کے پاس سے اٹھا دیا اور خود بیٹھ کر آگ جلانے لگا. اس کی گرمی سے چہرہ سرخ ہو رہا تھا. اور پسینہ نکل رہا تھا. اور ہاتھ لکڑیوں سے جل کر آدھے سیاہ ہو گئے تھے اور جتنی بار ان ہاتھوں سے چہرہ اور پیشانی کا پسینہ پونچھتا تھا. پیشانی اور دونوں رخسارے سیاہ ہوتے جاتے تھے. یہ دیکھ کر اس کے والد اور دوست احباب نے کہا کہ اپنے چہرہ کی سیاہی تو دھو ڈالو. اس نے یہ سن کر مزا خا کہا کہ النور فی السواد (یعنی سیاہی اور تاریکی ہی میں تو نور ہوتا ہے) اور قسم کھا کر کہا کہ اس سیاہی کو اس وقت تک دُور نہ کروں گا جب تک آپ کے سامنے کھانا نہ لگاؤں گا جب کھانا لگا چکا تو گیا اور ہاتھ منہ دھوئے وضو کیا اور مؤدب ہو کر آپ کی خدمت میں آکر بیٹھ گیا. اور آپ کے ساتھ بے پناہ محبت پیدا ہو گئی. اور جب تک آپ ہرات میں رہے وہ مستقل آپ کی خدمت میں رہا اور آپ بھی اس پر خاص عنایت فرماتے تھے.[۱]

آپ کے ایک مخلص ارادتمند بیان کرتے تھے کہ آپ سے میری محبت و شیفتگی کا سبب یہ ہوا کہ میں ایک ماہرُخ کے عشق میں گرفتار تھا. فریفتگی انتہا کو پہنچ چکی تھی اور میں نہایت بیقرار تھا اور اس کے گھر والے میرے ساتھ نکاح کرنے پر کسی طرح راضی نہ تھے جب میں کار برآری سے عاجز و مایوس ہو گیا تو میں نے ایک ترکیب سوچی اور دو فرضی (جعلی) گواہ بنا کر قاضی کے پاس فرکت گیا اتفاق سے قاضی

---

[۱] رشحات ۱۸۷

اس وقت آپ کی خدمت میں گئے ہوئے تھے لہٰذا میں بھی آپ کی خدمت میں چلا گیا اور سارا قصہ حضرت کے سامنے دہرا دیا۔ آپ نے فرمایا تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ اس خیال کو دل سے نکال دو۔ تم جو کچھ کہہ رہے ہو اسمیں ذرہ برابر صداقت نہیں ہے آپ کا یہ فرمانا تھا کہ معلوم ہوا مجھ میں کوئی چیز سما گئی۔ اور چشم زدن میں میرے فاسد خیالات رفع ہو گئے اور لڑکی والوں سے جھگڑے کا خیال دل سے جاتا رہا۔ جب آپ تاشقند جانے کے لئے روانہ ہوئے تو سوار ہوتے وقت ایسی نظروں سے میری جانب دیکھا کہ میرے اندر آگ بھڑک اُٹھی ہر چند اپنے کو سنبھالنا چاہا لیکن نہ سنبھال سکا اور بے اختیار چیخیں مارنے لگا۔ سابقہ عشق کو بالکل بھول گیا اور آپ سے ایک پر سوز تعلق پیدا ہو گیا۔ شدید سردی کا زمانہ تھا۔ برف گر رہی تھی لیکن میری حرارتِ عشق کی شدت کا حال یہ تھا کہ دونوں موزے اتار کر پھینک دیئے اور ننگے پیر اسی برف میں آپ کے پیچھے پیچھے روانہ ہو کر تاشقند تک چلا گیا۔ جب حجرہ کے دروازہ پر پہنچا تو آپ حجرہ کے اندر تشریف فرما تھے اور آگ جل رہی تھی۔ مجھ کو دیکھ کر اشارہ کیا کہ " آؤ تاپ لو " یہ کہہ کر خود بدولت باہر تشریف لے گئے۔ اس تاریخ سے میں آپ ہی کی خدمت میں رہا اور کبھی کسی دوسرے کا خیال تک دل میں نہ آیا[2]

اف ری گرمیِ محبت کہ ترے سوختہ جاں   جس جگہ بیٹھ گئے آگ لگا کے اٹھے

آپ کے ایک مخلص بیان کرتے تھے کہ میں آپ کی خدمت میں حاضری سے قبل ایک خوبصورت نوجوان کی محبت میں گرفتار تھا یہاں تک کہ سوتے جاگتے اسی کا خیال چھایا رہتا تھا۔ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو پہلی ہی حاضری میں وہ تمام تعلقات اور خیالات بالکل دل سے محو ہو گئے اور اس کی جگہ آپ کی الفت و محبت نے لیلی۔ ایک بار تاشقند میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا کہ اس جوان کی صورت کا خیال آیا۔ اس خیال کا آنا تھا کہ آپ فوراً میری جانب متوجہ ہوئے اور اس کا نام لیکر فرمایا کہ "ہم نے تو وہ سلسلہ ختم کر دیا ہے اور اس کا تعلق منقطع کر دیا ہے اب کیوں اس کا خیال دل میں لاتے ہو۔ حالانکہ اس وقت تک اس واقعہ کی کسی کو کانوں کان خبر نہ تھی۔ اس بات کا مشاہدہ میرے مزید یقین کا سبب ہو گیا[3]

---

[1] رشحات ۱۷۲   [2] ایضاً ۱۷۲، [3] ایضاً ۱۷۲

شیخ زادۂ الیاس عشقی آپ کے ابتدائے ظہور میں سمرقند میں ایک بہت بڑی جماعت کے شیخ اور امام تھے اور کوہِ نور میں (جو اطراف سمرقند میں واقع ہے) بہت بڑا لشکر رکھتے تھے .... ایک روز آپ ایک جنگل سے گذر رہے تھے دیکھا کہ کسانوں کی ایک جماعت غلہ مانڈ رہی ہے آپ نے پوچھا یہ کھلیان کس کا ہے لوگوں نے عرض کیا شیخ زادۂ الیاس کا۔ آپ گھوڑے سے اترے اور چک کو لیکر تھوڑا بھوسہ غلہ سے الگ کیا پھر سوار ہوکر روانہ ہوگئے یہ خبر جب شیخ زادۂ الیاس کو پہنچی تو بہت متاثر ہوکر کہنے لگے کہ خواجہ نے ہمارا کھلیان برباد کر دیا اسی اثنا میں ان سے کچھ بے ادبی سرزد ہوئی اور ان کا سلسلہ درہم برہم ہوگیا مولانا محمد قاضی لکھتے ہیں کہ (ان کا قصہ دراصل یہ تھا) کہ مولانا شیخ محمد کشی شیخ زادۂ الیاس پر اس وجہ سے معترض تھے کہ وہ ذکر جہر کرتے تھے اور ان کے مابین گفتگو طول پکڑ گئی تھی اور ملک کش کے ترکوں کی ایک جماعت جو شیخزادہ کی مرید تھی مولانا شیخ محمد کی دشمن ہوگئی تھی اور (اس حد تک نوبت پہنچ گئی تھی) ان کا یہ خیال تھا کہ مولانا شیخ محمد کو فنا کردیں۔ حضرت اقدس نے اس خیال سے کہ ان ترکوں سے مولانا شیخ محمد کو اچانک کوئی نقصان نہ پہنچ جائے مولانا کی جانب توجہ فرمائی کچھ لوگوں نے اس بات کو شیخ زادہ سے دوسرے پیرایہ (انداز) میں بیان کیا اور وہ یہ سمجھے کہ غالباً آپ کو شیخ زادہ سے عداوت ہے شیخزادہ نے بغیر سوچے سمجھے امیر درویش محمد ترخان کو ایک خط لکھا جس میں حضرت اقدس پر بھی طنز تھے اور اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ ... "دین وملت میں کیسی سستی آگئی ہے ایسا شیخ جس کی خرید و فروخت اور کسانی وکاشتکاری قانون شریعت کے مطابق نہیں ہے اسکی باتوں کا تمہارے دلوں پر کیا اثر ہوگا" امیر درویش محمد خان آپ کے خادم تھے لہٰذا اس خط کو آپ سے پوشیدہ نہ رکھ سکے اور خدمت میں پیش کردیا ایک روز میں خدمت میں حاضر تھا آپ نے فرمایا تم نے شیخ الیاس کا خط دیکھا اس نے میرے بارہ میں کیا لکھا ہے پھر خط کا مضمون بیان کرتے ہوئے نہایت غصہ سے فرمایا کہ "اے شیخزادہ! جس دن سے میرا ظہور ہوا ہے کتنے شیوخ اور مولانا لوگ چیونٹیوں کی طرح میرے پیروں تلے مسل چکے ہیں جن کی تعداد اللہ ہی جانتا ہے یہ شیخزادہ کیا کہتا ہے شریعت کے قانون کو وہ جانتا ہے اور ہم نہیں جانتے" آپ کے اس فرمانے کے تھوڑی ہی دیر بعد شیخ کے لنگر میں وبا پھیل گئی جس میں ان کے لڑکے اور دوسرے لوگ

ان کے سامنے ختم ہوگئے اور سب کے بعد شیخ کا بھی انتقال ہوگیا لہ

قاضی ابو منصور تاشکندی بیان کرتے ہیں کہ حضرت کے ابتدائے ظہور میں تاشکند میں مشائخ کی بہت کثرت تھی جو لوگوں کو ارشا د تلقین کیا کرتے تھے لیکن صرف آپ سے بغض حسد اور دشمنی کی بدولت آہستہ آہستہ سب نیست و نابود ہوگئے ایک بار آپ باغستان سے تاشکند قیام کے ارادہ سے آئے اور تصرف کا آغاز فرمایا تاشقند میں ایک شیخ تھے جو وہاں کے بہت بڑے امام۔ مقتدا اور علوم ظاہری نیز تصوف کے عالم تھے اور ان کے بکثرت مریدین تھے ایسا کہ پچاس اشخاص تو صرف ان کے خلفاء (صاحب اجازت وارشاد تھے) انھوں نے جب آپ کو طالبین پر جذب و تصرف فرماتے دیکھا تو حسد پیدا ہوا اور ایک روز آپ کی مجلس میں اس ارادہ سے آئے کہ آپ پر توجہ و تصرف کر کے اس سب سے باز رکھیں جب وہ بیٹھے آپ کی جانب متوجہ ہوئے اور اپنی نگاہیں آپ کی جانب جما کر ہمت کو مصروف کیا اور توجہ ڈالنا چاہی تو آپ بھی اس کے دفعیہ میں مشغول ہوئے تھوڑی دیر بعد سر مبارک اٹھایا اور داہنا ہاتھ آستین سے باہر نکالا اور ایک تولیہ جو آپ کے سامنے رکھا ہوا تھا اٹھایا اور ان کے منھ پر مار کر فرمایا کہ "میں مسلوب العقل دیوانہ سے کیا ملوں جس کے دل میں کوئی علم باقی ہی نہیں ہے" اور اٹھ کر چلے گئے جیسے ہی آپ نے یہ کہا شیخ نے ایک نعرہ مارا گر کر تڑپنے لگے پھر بیہوش ہو گئے ہوش آنے پر تیزی سے اٹھ کر باہر چلے گئے دماغ میں خلل پیدا ہوگیا اور دوسرے ہی روز تمام معلومات فراموش ہوگئیں اور ایسی بری حالت ہوگئی کہ برہنہ بازار میں پھرا کرتے تھے اور تن بدن کا ہوش نہ تھا جب کبھی آپ راستہ میں نظر پڑ جاتے تو آپ کے پیچھے دوڑتے لیکن آپ ان کی جانب متوجہ نہ ہوتے لہ

آپ کے ایک مخلص بیان کرتے تھے کہ ایک بار جمعہ کے روز جامع مسجد سے واپسی کے وقت آپ کے خدام کی ایک جماعت سے ملاقات ہوگئی ان میں سے ایک نے ساتھیوں کو ہوٹل میں کھانے کی دعوت دی اسکی دعوت پر ہم لوگ ایک باورچی کی دوکان پر آئے اتفاق سے وہاں شاہی خاندان کے بھی کچھ لوگ موجود تھے جو نہایت خوبصورت حسین اور عجیب وغریب خصائل کے

لہ رشحات ۱۶۸

حامل تھے میں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ تم ان نوجوانوں کی جانب نہیں دیکھتے کہنے لگے کہ یہ خلاف شرع امر ہے ہم کو کیوں ترغیب دیتے ہو میں نے کہا کہ اگر شہوت کی نظر سے ہو تو ضرور خلاف شرع ہے ورنہ کوئی مضائقہ نہیں اس پر سب لوگ دیکھنے لگے جب آپ کی خدمت میں پہنچا تو پوچھا کہاں سے آرہے ہو عرض کیا جامع مسجد سے فرمایا جھوٹ نہ بولو جامع مسجد تو جاتے ہی ہو اور غصہ کا اثر چہرہ مبارک سے ظاہر تھا! فرمایا دوباورچی کی دوکان سے آرہے ہو اور وہاں خوبصورت نوجوانوں سے نظریں لڑا رہے تھے تم میں سے بعض انکو خلاف شرع کہہ رہے تھے اور بعض یہ جواز دے رہے تھے کہ اگر شہوت کی نظر سے پاک ہو تو کوئی مضائقہ نہیں اسی اثنا میں میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ میں تو شہوت کی نظر کے بغیر دیکھ نہیں سکتا تم کہاں سے پیدا ہو گئے کہ بغیر شہوت کے نگاہ کرو۔ (اور) بعض خدام سے یہ بھی سننے میں آیا کہ آپ فرماتے تھے "سو بار میرا جگر خون ہوتا ہے تب کہیں جاکر میں صاحب جمال کے پاس سے صحیح وسلامت گذر پاتا ہوں"۔[۱]

ایک روز قطب سواد خاں خراسانی آپ کی مجلس میں آیا وہ ایک فاسق آدمی تھا اور کثرت سے شراب پیتا تھا اور عقائد نہایت بُرے تھے نہ وہ کبھی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور نہ آپ نے ہی اسے دیکھا تھا جیسے ہی وہ خدمت میں آکر بیٹھا آپ نے اسے سختی سے اٹھا دیا میر عبدالاول نے (جو اس مجلس میں موجود تھے) دل میں خیال کیا کہ ایک مسافر آدمی جو خلوص و نیاز مندی سے حاضر ہوا تھا اگر آپ اس کو اس طرح سختی و درشتی سے نہ اٹھادیتے تو کیا ہرج تھا آپ ان کے اس خطرہ پر مشرف ہو گئے اور فرمایا میں نے اسے اس لئے بھگا دیا کہ وہ مجھے ایک کتے کے بچہ کی صورت میں دکھائی دیا اور کتے کے بچہ کے ساتھ اس سے بہتر معاملت میں نہیں کر سکتا تھا جب میر عبدالاول نے اس کی حقیقتِ حال معلوم کی اور اسکے فسق و فجور ـ کثرت شراب نوشی ـ اور عقائدِ فاسدہ پر مطلع ہوئے تب یہ سمجھ میں آیا کہ آپ کا اس کو بھگا دینے سے یہی مطلب تھا کہ آپ نے اس کو اس کی صفت کی صورت میں دیکھا تھا۔[۲]

آپ کے ایک مخلص بیان کرتے تھے کہ ایک روز آپ میانہ پر سوار شیخ بزرگوار ابوبکر قفال شاشی کے مزار پر جارہے تھے اور اسے مولٰنا موسیٰ اور نورالدین اٹھائے ہوئے تھے اور میں ان کے

---

[۱] رشحات ص ۱۷۳ [۲] ایضاً ص ۱۷۳

پہنچے تھا جب دروازہ کے اندر پہنچے تو ایک بلند اور کھلا چبوترہ تھا جس پر آپ کے اعزہ وغیرہ کی کئی قبریں تھیں۔ اسی چبوترہ پر حافظ جلال الدین کی قبر تھی۔ آپ نے ان اہل قبور کو سلام کیا پھر میری جانب دیکھ کر فرمایا کہ یہ سب بظاہر مجھ پر ہنستے تھے کہ کیسا دنیا میں مبتلا ہو گیا ہے پھر فرمایا کہ یہ سب بھی تمہاری ہی طرح بڑے خدمت گذار تھے ذرا سی بے ادبی پر مارے گئے۔ [1]

مولانا موسیٰ (جو آپ کے مخصوصین میں تھے) بیان کرتے تھے کہ مجھے یہ خیال تھا کہ میری طرح کوئی چست اور تیز رَو کم ہی ہوگا ایک بار آپ ماترید کے باغ میں آئے اور ضعف کا اثر آپ پر ظاہر تھا میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ چستی و چالاکی میں کوئی تمہارے مثل نہیں ہے۔ کیا میرا مقابلہ کر سکتے ہو۔ میں نے عرض کیا میری کیا مجال۔ فرمایا نہیں تم سمجھتے یہی ہو۔ یہ فرما کر آپ تیز دوڑے۔ فقیر نے ہر چند کوشش کی لیکن کسی طرح آپ کا ساتھ نہ دے سکا۔ [2] (پیش نہ پا سکا)

اصحاب میں سے ایک شخص کا بیان ہے کہ ایک روز آپ سوار ہو کر تاشکند سے فرکت جا رہے تھے "خاکت"، نام ایک موضع پر جو مولانا سیف الدین کے مزار کیلئے وقف فرمایا تھا اترے آپ کے خادم مولانا شہاب الدین جو بیشتر آپ کی ہم رکابی میں پاپیادہ چلا کرتے تھے چل رہے تھے۔ اچانک ان کے دل میں آیا کہ میں ہمیشہ پیادہ ہی گھوڑے کی کاٹھی کے ساتھ چلا کرتا ہوں آپ فوراً ان کے خطرہ پر مشرف ہو گئے اور غصہ سے فرمایا کہ اللہ نے مجھے ایسی قدرت و طاقت عطا فرمائی ہے کہ اگر میں چاہوں تو تمام شاہانِ عالم کو اپنی کاٹھی کے نیچے کر لوں (تم کیا چیز ہو) بلکہ خطا کے بادشاہ کو جو دین سے بیگانہ ہے اگر چاہوں تو اپنے گھوڑے کے پیچھے چلا کر احسانمند کر دوں۔ [3]

منقول ہے کہ جب پہلی بار حضرت مولانا نور الدین عبد الرحمٰن جامی خراسان سے آپ کی خدمت میں سمرقند آئے تو افسران (تحصیلداروں) کی ایک جماعت اپنے اپنے محصولات (حسابات) پیش کر رہی تھی اور آپ ہر افسر کے حسابات کی جانچ فرماتے جاتے تھے کہ کس نے اپنی تحویل میں کتنا غلہ جمع کیا ہے بعض نے چالیس ہزار من بعض نے تیس ہزار من بعض نے بیس ہزار من۔ غلہ بتایا اور دس ہزار من سے کم کسی نے نہیں کہا، مال و دولت کی اتنی فراوانی دیکھ کر مولانا کو بھی مولانا موسیٰ کی طرح (جن کا واقعہ سابقہ اوراق میں گذر چکا ہے) شبہات و خطرات لاحق ہوئے

---

[1] مقامات عالیہ ۱۷۷ [2] ایضاً ۱۸۰ [3] ایضاً ۱۸۳

اچانک مولنا پر غیبت (استغراقی کیفیت) طاری ہوئی دیکھا کہ قیامت قائم ہے میدان حشر میں نفسی نفسی کا عالم ہے اور ہر شخص حیران و پریشان اپنی نجات کے لئے سفارش کرنے والا تلاش کر رہا ہے حضرت مولانا نے بھی حیران و سرگرداں ہو کر جیسے ہی ایک سمت جانا چاہا تھا کہ ایک شخص نے ان کا گریبان پکڑا اور بہت بڑی رقم کا ان پر دعویٰ کیا اور نہایت شدت و اصرار سے قرض کی ادائگی کا مطالبہ کیا حضرت مولانا یہ صورت حال دیکھ کر نہایت متحیر ہوئے اور اپنی برأت پیش کرنے لگے لیکن اس نے آپ کی ایک نہ سنی اور آپ کا گریبان تھامے بہ اصرار مطالبہ کرتا رہا آپ اس کے اس مطالبہ پر حیران و پریشان کھڑے تھے کچھ بنائے نہ بن رہی تھی اچانک ایک جانب سے حضرت اقدس تشریف لائے صورت حال سے مطلع ہو گئے اور سفارش فرمائی کہ ان کو چھوڑ دو اس نے کہا اگر آپ کفیل ہوں اور ضمانت لیلیں تو میں ان سے دست بردار ہو جاؤں ۔ آپ نے فرمایا "ہاں" میں ان کا ضامن ہوں ۔ انھیں چھوڑ دو اس نے یہ سنکر مولنا کا گریبان چھوڑ دیا جب ان کو افاقہ ہوا (وہ اپنی اصلی حالت پر آئے) تو حضرتِ اقدس نے ان کی جانب دیکھ کر فرمایا کہ آدمی کے پاس کم از کم اتنا تو ہو کہ . . . (وقت پڑنے پر) لوگوں کی کفالت کر سکے مولنا کو اس مشاہدہ سے بہت ندامت ہوئی اور آپ سے عقیدت اور زائد پختہ ہو گئی [1]

مروی ہے کہ جس زمانہ میں حضرت اقدس مرزا ابو سعید کے التماس پر سمرقند سے مرو تشریف لے گئے تو حضرت مولنا بھی خراسان سے آپ کی خدمت میں مرو آئے ایک روز مرزا نے آپ کے خدام کے ذریعہ حاضری کے لئے عرض کیا جب آپ نے اسکی عرضداشت قبول فرمائی تو وہ فوراً مرو سے آپ کے استقبال کیلئے تمام باشندوں کی بہت بڑی جماعت کے ساتھ (جن میں چھوٹے بڑے جوان اور بوڑھے شامل تھے) آپ کی خدمت میں روانہ ہوا اور بہت دور سے پاپیادہ ہو گیا اسکے ساتھ ساتھ تمام ارکان دولت ، معززین ، وزرار ، افسران اور نوکر چاکر وغیرہ سب حکم بموجب حضرت کی جانب روانہ ہوئے اور اس وقت صرف حضرت اقدس اور مولنا نور الدین عبدالرحمٰن جامی کے سوا کوئی سوار نہ تھا (سب پیدل چل رہے تھے) کیوں کہ مرزا کے غلاموں کی عرضداشت آپ نے قبول فرمائی تھی اسی اثنا میں مولنا کے دل میں آیا کہ یہ تمام بزرگی و تعظیم و تکریم جو یہ لوگ کر رہے ہیں آپ پر بھی اس کا کچھ اثر ہے یا نہیں آپ ان کے خطرہ پر مشرف ہو گئے اور نظر اٹھا کر فرمایا کہ فنا فی اللہ ہونے کے

---

[1] مقامات عالیہ ۱۱ ۔

بعد یہ سب چیزیں نہ اثر انداز ہوسکتی ہیں اور نہ کسی قسم کی تبدیلی لاسکتی ہیں اس واقعہ کو حضرت مولانا نے اپنی کتاب "سلسلۃ الذہب" میں نظم فرمایا ہے۔ ۱؎

مولنا لطف اللہ (جو آپ کے بڑے مخصوص اور مقبول لوگوں میں سے تھے) بیان کرتے تھے کہ ایک روز میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا آپ نے مولنا رومؒ کے نہایت فضائل و مناقب بیان فرمائے دل میں بڑا متاسف ہوا کہ افسوس میں ہی ان سے شرف نہ حاصل کرسکا۔ میرے اس خطرہ کے آتے ہی آپ نے فرمایا کہ حضرت مولانا رومؒ نے ایک بار ایک شخص کے سامنے حضرت شمس تبریزؒ کے فضائل و مناقب بہت بیان کئے۔ اس نے آپ کے اس بیان فرمانے پر ایک آہ بھری۔ مولانا رومؒ نے اس سے پوچھا کہ کون سی ایسی نعمت ہے جس کے زائل ہو جانے پر تو اس قدر آہیں بھر رہا ہے۔ اس نے جواب دیا افسوس میں ہی ان کی خدمت میں حاضری اور شرف دیدار سے مشرف نہ ہوسکا۔ ملا صاحب کو یہ سن کر غیرت آئی۔ فرمایا...... اگرچہ تم نے ان کو نہیں دیکھا لیکن اس وقت جس شخص کے سامنے تم بیٹھے ہو ہزار ہا شمس تبریزؒ اسکی زلفوں کے ایک ایک بال میں آویزاں ہیں۔ مجھے یہ سنکر نہایت ندامت ہوئی۔ ۲؎

نیز وہ بیان کرتے تھے کہ ایک شب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ حجرہ میں تشریف فرما تھے نیز کچھ اور لوگ بھی تھے۔ آپ اس فقیر کی طرف نظر عنایت ڈال کر ایک عجیب شکل میں ظاہر ہوئے تھوڑی دیر بعد نور میں ایسا فنا ہوئے کہ نور ہی نور ہو گئے۔ ہر چند میں غور کرتا تھا اس نور کے سوا مجھے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ ۳؎

نیز وہ بیان کرتے تھے کہ ایک بار میں اپنے گھر میں زانو پر سر رکھے بیٹھا تھا اچانک میں نے اپنا سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ گھر کے در و دیوار اور چھت حضرت کی صورتِ مبارک سے پُر ہیں۔ ۴؎

میر برندق بیان کرتے تھے کہ میں جب پہلی بار آپ کے شرف صحبت سے مشرف ہوا تو میں نے دیکھا کہ آپ نہایت قیمتی اور اعلیٰ درجہ کے گھوڑے پر سوار تھے یہ دیکھ کر میرے دل میں آیا کہ فقیر کو ایسے اعلیٰ گھوڑے کی سواری زیب نہیں دیتی ایک روز آپ جامع مسجد سے اپنے محلہ تشریف لیجا رہے تھے فقیر بھی خدمت میں تھا گھوڑے سے اترنے کے بعد میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا "تمہارا یہ خیال ہے کہ میں بہترین گھوڑوں پر سوار ہوں۔ تو اس کو میں کیا کروں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے بنایا ہی اسی لئے ہے" میں آپ کے اس فرمانے اور اپنے خطرہ پر آپ کے آگاہ ہو جانے سے بہت نادم ہوا۔ اور یہ چیز میری عقیدت کی زیادتی کا سبب ہو گئی۔ ۵؎

۱؎ مقامات عالیہ ۱۸۲ ۔ ۲؎ ۱۸۳ ۔ ۳؎ ۱۸۴ ۔ ۴؎ ۱۸۵ ۔ ۵؎ ۱۶۸ ۔

حضرت مولانا نجم الدین علیہ الرحمہ (جو آپ کے خادم اور کارکن تھے نیز تجارت کے سلسلہ میں کافی لین دین کیا کرتے تھے) بیان کرتے تھے کہ ایک بار میں کثیر جماعت کے ساتھ "طرفان" جا رہا تھا جو خطا کی سرحد پر ایک شہر ہے۔ ہمارا گذر "قلماق" گروہ کے پاس سے ہوا اچانک سواروں کے ایک گروہ نے جن میں تقریباً سو بہادر۔ زرہ پوش اور ہتھیار بند تھے راستہ روک لیا۔ قافلہ والوں کے یہ دیکھکر اوسان خطا ہو گئے اور ان کی جانوں پر بن گئی۔ انھوں نے جان کے خوف سے مال حوالہ کر دینا گوارا کر لیا۔ اس وقت میرے دل میں آیا کہ جنگ سے ہاتھ روک لینا اور حضرت کی رقم اور مال و اسباب ڈاکوؤں کے حوالہ کر دینا خلوص و عقیدت اور بہادری و جوانمردی کے خلاف ہے بہتر تو یہ ہے کہ آپ کے مال کی حفاظت میں قتل (شہید) ہو جاؤں۔ یہ چیز دنیا و آخرت میں سرخروی کا سبب ہے۔ یہ خیال آتے ہی آپ کی جانب متوجہ ہوا اور تلوار نیام سے کھینچ لی۔ تلوار کھینچا تھا کہ یہ محسوس ہوا جیسے اپنا وجود غائب ہو گیا بلکہ یہ نظر آ رہا تھا کہ "میں" میں نہیں رہا ہوں بلکہ آپ کی ذات اقدس میری صورت میں جلوہ گر ہے۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ اس وقت مجھ میں اور گھوڑے میں ایسی عجیب و غریب کیفیت اور بے پناہ طاقت پیدا ہو گئی تھی کہ بے اختیارانہ ڈاکوؤں پر حملے کرتا تھا اور لگاتار تلوار برساتا تھا آخر کار وہ سب قافلہ چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ قافلہ والے میری جرأت و بہادری دیکھکر متعجب تھے اور میں ان سے زائد متحیر و متعجب تھا کیونکہ مجھ کو کبھی اس قسم کی بات پیش نہ آئی تھی۔ نہ میں نے کبھی جنگ کی تھی اور نہ جنگ میں شریک ہوا تھا۔ مجھے کامل یقین تھا کہ یہ سب تصرف حضرتِ اقدس ہی کا تھا جو بلا وہم و گمان اور قوت کے مجھ سے ظاہر ہوا۔ واپسی کے بعد جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو پہلی بات جو آپ نے فرمائی یہ تھی کہ "اگر کسی کمزور کا طاقت ور دشمن سے سابقہ پڑ جائے اور وہ خلوص و سچائی سے اپنی طاقت و قوتِ امکانی سے بڑھکر ہمت کرتا ہے اور کام لیتا ہے تو یقیناً وہ طاقت و قوت پہلے ہی سے اسکی مددگار ہو جائے گی اور یہ ہمت اسے مافوق الفطرت قوت عطا کر دے گی اور اس کی وجہ سے وہ دین و ملت کے دشمنوں پر فتح حاصل کرے گا" [1]

مرزا سلطان احمد کے ایک امیر خواجہ علیان کرتے تھے کہ میں دیرق کا افسر تھا اور حضرت اقدس کے اصحاب میں سے ایک شخص جو آپ کے کھیتوں کے نگراں تھے گو کہ نیک اور صالح آدمی تھے لیکن کاشتکاری کے سلسلہ میں بالکل ناواقف تھے۔ آپ نے یہ دیکھکر ان کو برطرف کر دیا اور قلماق نامی ایک دوسرے شخص کو اس موضع کی

---

[1] رشحات ۱۶۶ - ۱۶۵

نگرانی سپرد فرمائی میرے دل میں آیا کہ آپ نے ایک دیانتدار اور صالح آدمی کو برطرف کرکے اسکی جگہ ایک خراب آدمی کو نگراں کردیا اس میں کیا مصلحت ہے۔ جب آپ دیرق تشریف لائے تو ایک روز وہاں چہل قدمی فرما رہے تھے اور میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ اس وقت بھی یہی بات میرے دل میں آئی آپ میری طرف گھومے اور فرمایا کہ بے ایمان (خوش انتظام) منتظم آدمی کی خدمت اور کارندی اس دیانتدار آدمی سے بہتر ہے جو منتظم نہیں ہے۔ وہ اپنا فائدہ مدنظر رکھتا ہے اور میں اپنا فائدہ۔ میں یہ سنکر بہت شرمندہ ہوا اور یہ چیز میرے عقیدہ کی زیادتی کا سبب ہوگئی[1]

میر عبدالاول بیان کرتے تھے کہ حضرتِ اقدس کی توجہ کی برکت سے مجھے بے مانگے ایک نسبت ایسی حاصل ہوگئی تھی جسکی وجہ سے انشراح وطمانیت کی کیفیت رہتی تھی اور اسمیں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا تھا اچانک بغیر کسی ظاہری سبب کے وہ نسبتِ خاص آپ نے واپس لے لی اور نہایت درشتی و برافروختگی کا انداز اختیار فرمایا۔ اور قہر وجلال وغیظ وغضب حد سے متجاوز ہوگیا۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ قریب تھا کہ میرا دل آپ کے اس برتاؤ سے آپ کی اطاعت سے باہر آجائے اور بار بار میرے دل میں یہ آیا کہ میں اس بات کا یقین کروں کہ جو کچھ حضرت کی مجلس میں مجھے حاصل ہوا تھا اور آپ واقعی اس پر مطلع تھے اور اس کی تقویت وتائید میں ایک مدت تک کوشش فرماتے رہے اور توجہات وعنایات کرتے رہے اگر وہ کیفیت قائم رہنے والی ہوتی تو اب بھی آپ کیوں نہ اسی طرح توجہ فرماتے رہتے۔ اور اگر میرے اس سلوک میں کوئی نقص تھا تو آپ نے پہلے ہی اس پر کیوں متنبہ نہ فرمایا اور بحیثیت پیر ومرشد میرے نفس کی درستی کیوں نہ کی۔ جب ان خیالات کا ہجوم ہوا اور آپکی سختیاں اور اظہار خفگی بڑھتا ہی رہا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ قیامت کے روز انبیاء و رسولوں اور اولیاء اللہ کے مجمع میں پوچھوں گا کہ جب اس کمینہ کے کل امور آپ نے اپنے ذمے لے لئے تھے اور عرصہ تک توجہات وعنایات کیں اگر وہ ایسا ہی مشکل تھا تو اسی وقت کیوں نہ ہاتھ کھینچ لیا اور تنبیہ نہ کی۔ جب ان خیالاتِ فاسدہ نے بہت زائد ہجوم کیا تو دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر خلوت میں حاضر ہوا سے

سنانے چلے ہیں انہیں قصۂ دل — بہت دل کے ہاتھوں سے مجبور ہو کر

اتنا عاجز اور بے طاقت ہو رہا تھا کہ میں نے یہ طے کرلیا تھا کہ دل کی بھڑاس نکال کر رہوں گا۔ اتفاق سے اس وقت ایک شخص خدمت میں بیٹھا ہوا تھا آپ نے مجھے دیکھ کر اسے کسی کام سے باہر بھیجدیا

---

[1] مقامات عالیہ ۱۶۸ - ۱۶۷

پھر میری جانب متوجہ ہو کر فرمایا کہ تم انبیاء و رسولوں اور اولیاء اللہ کے مجمع میں مجھ سے مخاصمہ (جھگڑا) کرو گے غنیمت سمجھو اور احسان مانو کہ میں تم سے مخاصمہ نہیں کروں گا۔ تمہارے لئے اس وقت جو بات رنج و ملال کا باعث بنی ہوئی ہے اس میں میرا کیا ہاتھ ہے تم نے کیوں دستِ بیعت بڑھایا تھا۔ یہ سب تمہارا خود کردہ ہے اس کا علاج بھی تم خود جانتے ہو۔ پھر بہ نگاہِ لطف فرمایا "صبر کرو (ان باتوں پر صبر و شکر کرنا چاہیئے)" مرید کا اعتقاد پیر کے متعلق تو یہ ہونا چاہیئے کہ اسے اس کا یقین ہو کہ پیر پر اسکے تمام احوال روشن ہیں۔ اور یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ ہر بات شرح و بسط سے ہی بیان کی جائے اور وہ شیخ ہی کیا جس کا پیر مشرق میں ہو اور مرید مغرب میں اور وہ مرید کے کُل احوال سے واقف اور آگاہ نہ ہو (یعنی ہو سکتا ہے اس میں کوئی مصلحت ہو۔ عارفِ کامل کا طریقہ رشد و ہدایت تو یہ ہے کہ ؎

گہ بہ تلطف نرم نسیمے گہ بہ تحکم سخت کمانے

حضرت مولانا جعفر[1] بیان کرتے تھے کہ ابتدائے زمانہ طالب علمی میں میرا دل اولیاء اللہ کے طریقہ کی جانب مائل ہو گیا۔ عالم رؤیا میں حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "بندہ کی خدا تک

---

[1] حضرت مولانا جعفر خواجہ صاحب کے خلیفہ اور مخلص ترین اصحاب میں تھے۔ بڑے عالم و عامل و عارفِ کامل تھے۔ بیخودی و استغراقی کیفیت ان پر طاری رہتی تھی۔ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو بڑی لمبی قرأت فرماتے اور رکوع و سجود بہت طویل کرتے تھے۔ خواجہ صاحب کی گردشِ چشم کی وجہ سے غلباتِ جذبات ان پر بہت ظاہر تھے بقول شاعر ع گردشِ چشمِ صنم گردشِ جام است اینجا۔ اور کششِ باطنی کے آثار بہت افراط سے تھے۔ خواجہ صاحب نے بہت چاہا کہ مولانا جعفر اپنی نسبتِ باطنی کو کسی شغلِ ظاہری جیسے تجارت و زراعت میں بھی مشغول رکھیں (یعنی ان کو دنیاوی لوازمات میں بھی الجھائے رکھا جائے) لیکن نسبتِ استغراق اور کیفیتِ از خودی کا غلبہ کسی طرح ممکن نہ ہوا۔ ان کے زمانہ مرض الوصال میں حضرت خواجہ صاحب خواجہ کفشیر کے محلہ میں نہ تھے بلکہ اپنے کسی گاؤں گئے ہوئے تھے۔ جب ان کے مرض کی شدت کا حال معلوم ہوا تو آپ بعجلت وہاں سے روانہ ہوئے۔ اور جب ان کے پاس پہنچے تو وہ وفات پا چکے تھے۔ غسل اور تجہیز و تکفین کے بعد آپ نے اپنے تمام متعلقین و خدام۔ اصحاب نیز شہر کے خواص و عوام کے ساتھ ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ اس روز بہت شدید لو چل رہی تھی۔ حضرت خواجہ صاحب جنازہ کے ہمراہ قبر کے کنارہ آئے۔ قبر کی تیاری میں قدرے دیر تھی آپ قبر کے کنارہ بیٹھ گئے۔ جب گورکن قبر کے باہر آ گئے تو آپ نے اصحاب کی مدد سے ان کی نعش کو قبر میں اتارا۔ اتارنے کے بعد آپ قبر کے کنارہ کھڑے ہو گئے۔ اور حفاظ نے قرآن مجید پڑھا۔ یہ واقعہ ۸۹۳ھ میں ہوا۔ ان کے سوئم کے روز حضرت خواجہ صاحبؒ نے مولانا برہان الدین ختلانیؒ کی معیت میں بہ سلسلہ تعزیت بہت وافر مقدار میں سالن پکوایا جس میں اسّی بکریاں ذبح کیں۔ (رشحات ۱۸۸)

لے رشحات ۱۸۷

رسائی کب ہوتی ہے" فرمایا جب اپنے سے فانی ہو جائے۔ جب بیدار ہوا تو بہت متاثر ہوا اور صبح سویرے ہی مدرسہ سے نکل کر آپ کی خدمت میں روانہ ہوا اس سے قبل آپ کو دُور سے دیکھا تھا لیکن حاضری کی سعادت سے مشرف نہ ہوا تھا جیسے ہی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا" مولنا جعفر! تم جانتے ہو کہ بندہ خدا تک کب پہنچتا ہے۔ اس وقت پہنچتا ہے جب اس کی بندگی میں خود سے فانی ہو جائے"

پھر مولنا روم کا ایک شعر پڑھا ہے

چوں تو نہ بودی کہ بود جملہ خدا بود و بس　　چوں تو نہ ماندی کہ ماند جملہ خدا اے گدا

(نہ تھا کچھ تو خدا تھا اور نہ ہوتا تو خدا ہوتا　　ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا)

مولانا برہان الدین ختلانی[ے] بیان کرتے تھے کہ ایک بار سلطان احمد مرزا نے ساون کے مہینہ میں جب کہ ہوا میں خنکی آچلی تھی۔ ترکستان کے سفر کا ارادہ کیا تو حضرتِ اقدس سے بھی ساتھ چلنے کیلئے عرض کیا۔ آپ نے بلا توقف قبول فرمالیا اور ہمراہ چلے گئے اور اپنے ساتھ خدام کی ایک جماعت کو بھی لے لیا۔ میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ اِس سفر میں حضرتِ اقدس نے نہایت سخت محنت و تکلیف اٹھائی اور آپ کے ساتھ ملازمین و خدام نے بھی۔ کیونکہ ہوا نہایت سرد تھی۔ کئی بار میرے دل میں آیا کہ اگر آپ اس سفر کو اختیار نہ فرماتے تو مرزا کو اصرار کی جرأت نہ پڑتی۔ اب یہ کُل زحمت حضرتِ اقدس کو اٹھانا پڑ رہی ہے اور ساتھ میں ملازمین و خدام بھی شامل ہیں اور اس سفر سے آپ کو بظاہر کوئی فائدہ بھی نہیں ہے۔ میں جتنا ہی ان خیالات کو جھٹکتا تھا

لے رشحات (۱۸۸)

ے مولنا برہان الدین ختلانی خواجہ صاحب کے جلیل القدر خلیفہ اور اصحاب میں تھے۔ نہایت دانشمند اور عالم متبحر تھے۔ صغر سنی میں ہی فارغ التحصیل ہو گئے۔ چالیس سال آپ کی خدمت میں رہ کر فیوض و برکات اخذ کئے۔ ان کی لحظہ بھر جدائی بھی برداشت نہ تھی۔ سمرقند کے لوگ دو شخصوں کو مادر زاد عالم کہا کرتے تھے ایک مولنا نازادہ مولنا عثمان۔ دوسرے مولنا برہان الدین ختلانی۔ آپ نے بھی مولنا جعفر کی رحلت سے آٹھ روز قبل (یعنی ۸۹۳ھ) وفات پائی۔ خراسان کے ایک طبیب نے مولنا برہان الدین کے علاج کے سلسلہ میں بڑی غلطیاں کی تھیں (بہت غلط علاج کیا تھا) ایک روز جب وہ خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ بہت غصہ ہوئے اور انھیں سخت سست کہا۔ پھر ان سے فرمایا تم نے ایسے دو آدمیوں کو مارا ہے جن کا روئے زمین ثانی نہیں رکھتی۔ اگر ساتوں آسمان و زمین کے برابر بھی زرِ سرخ لٹاؤ تب بھی ان کی قیمت ادا نہیں ہوسکتی۔　رشحات ۱۸۹

وہ کسی صورت سے پیچھا نہ چھوڑتے تھے اور میں مرزا سے بہت جز بز تھا کہ اس نے بلاوجہ نہ صرف حضرت کو اس پریشانی میں ڈالا بلکہ پوری ایک جماعت کو پریشان کر دیا ۔ شاہرخیہ آئے دو ہی تین روز بعد اچانک شہر میں غل مچا کہ چار پانچ ہزار مغلوں ۔ اور نکبوں اور کافرانِ بت پرست نے شاہرخیہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر لیا ہے اور اس کے اطراف و جوانب میں بہت سے قصبے وغیرہ لوٹ لئے ہیں ۔ یہ دیکھ کر تمام شہری روتے پیٹتے خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مرزا سلطان احمد اپنے ساتھ کوئی تیار شدہ لشکر نہ لایا ہے جو ان کا دفاع کرتے ۔ اب اِس بلا کا دفعیہ بغیر حضور کی توجہِ خاص کے ممکن نہیں اور مرزا سلطان احمد بھی مضطرب ہو کر عرض پرداز ہوئے ۔ حضرتِ اقدس چند خدام کے ساتھ باہر آئے اور ان کے درمیان تشریف فرما ہوئے اور قلب ماہیت کر کے ان سب کو ایسا مسخر و مطیع و مرعوب کیا کہ تمام لوگوں نے اپنی اپنی گردنوں سے بتوں کی مالائیں نکال کر صحرا میں ڈال دیں اور آپ کے دستِ مبارک پر ایمان لے آئے اور تمام چھوٹے بڑے ۔ عورت مرد مشرف بہ اسلام ہو گئے ۔ اور تقریباً دو ہزار لڑکی ۔ لڑکے عورت ۔ مرد ۔ آزاد و بندہ اور تقریباً دس ہزار اونٹ ۔ گھوڑے ۔ گائیں اور دراز گوش وغیرہ جو ان اطراف میں انھوں نے لوٹ مار میں حاصل کئے تھے ۔ سب آپ کے قدموں پر ڈال دیئے ۔ آپ نے ان سب کو ان کے وطن واپس بھیج دیا اور اپنی طرف سے دو خادموں کو ان کے لشکر کے ساتھ کر دیا ۔ ایک حافظ تھا تاکہ وہ ان کو قرآن تعلیم کرے اور دوسرا ایک فقیہ جو اُن کو مسائلِ دین سے روشناس کرائے ۔ یہ سب بندوبست فرما کر آپ شاہرخیہ سے واپس ہوئے پھر مرزا سے کہکر سمرقند روانہ ہو گئے ۔ مولانا برہان الدین بیان کرتے تھے کہ شاہرخیہ سے نکلنے کے بعد راستہ میں مجھ سے فرمایا کہ مولانا برہان الدین ! سفر میں جو کچھ محنت و مشقت ہم نے اٹھائی وہ محض اسی وجہ سے اٹھائی جو تم نے دیکھی " (انہیں یہی رمز خاص پوشیدہ تھا)[1]

مولانا لطف اللہ ختلانی[2] بیان کرتے تھے کہ ایک بار " داخج " میں (سمرقند سے چار کوس کے فاصلہ پر

---

[1] رشحات ۱۸۹

[2] مولانا لطف اللہ ختلانی مولانا برہان الدین ختلانی کے بھانجے اور خواجہ صاحب کے جلیل القدر خلیفہ اور مقبول اصحاب میں تھے ۔ علوم شریعت و طریقت کے عالم تھے ۔ ان پر ہمیشہ بسط کی کیفیت طاری رہتی تھی جس کی وجہ سے بیشتر اوقات متبسم و خنداں رہتے ۔ اور اپنی شیریں سخنی سے حضرت کو بھی ہنساتے رہتے تھے اور حضرت خود بھی کبھی کبھی مزاح فرماتے تھے ۔ ایک روز مولانا سے بطور مزاح ارشاد فرمایا کہ جب تم شادی کرو گے تو کیسی بیوی پسند کرو گے ۔ انھوں نے عرض کیا کہ سبز شیریں ۔ فرمایا تم غلط سمجھے تم کو نہیں معلوم ۔ تھوڑے دنوں بعد شیرینی جاتی رہے گی اور سبزی باقی رہ جائے گی ۔ پھر فرمایا کہ طالبان حق کیلئے شادی بری خواہش ہے پھر یہ شعر پڑھا

کدخدائیت مایۂ ہوس است   کدر ہا کن ترا خدائے بس است (رشحات ۱۸۹)

ایک گاؤں) میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا اور خدام کی ایک جماعت بھی حاضر تھی۔ آپ کے سامنے شیخ کمال الدین عبدالرزاق کاشیؒ کی " شرح منازل " رکھی ہوئی تھی اور آپ اسی کے سلسلہ میں تقریر فرما رہے تھے۔ اور خدام سے ساتھ ہی ساتھ استفسار بھی فرماتے جاتے تھے جیسی کہ آپ کی عادت تھی۔ اس وقت میرے دل میں کچھ شکوک پیدا ہوئے۔ میں نے خدمت میں عرض کیے۔ فرمایا۔ اس قسم کے گروہ صوفیا کی باتوں کا (مذاق کا) دوسرا طریقہ ہے۔ یہ مولویانہ باتیں چھوڑو" میں خاموش ہوگیا اور سوچتا رہا کہ جو کچھ میں نے عرض کیا وہ تو صحیح ہے پھر آپ اسے کیوں نہیں قبول فرماتے۔ اسی اثناء میں غصہ کے آثار آپ پر ظاہر ہوتے اور لہجہ میں سختی پیدا ہوگئی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ گویا مجھ پر سیکڑوں من کا بوجھ پڑ گیا ہے اور میں بے طاقت ہوکر دہرا ہوگیا ہوں اور حرکت کرنے تک کی قوت ختم ہوچکی ہے۔ آپ کی جانب نظر کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کا چہرہ مبارک بڑا ہونا شروع ہوا۔ آپ کے لبہائے مبارک جنبش کر رہے تھے لیکن مجھے نہ کچھ سنائی دے رہا تھا اور نہ سمجھ میں آرہا تھا۔ پھر چہرہ مبارک اتنا بڑا ہوگیا کہ تمام گھر پر چھا گیا۔ اور کوئی جگہ خالی نہ رہی۔ اور میری حالت اتنی غیر ہوگئی تھی کہ معلوم ہو رہا تھا کہ میری روح پرواز کر جائے گی یہ حالت تھوڑی دیر تک قائم رہی۔ پھر رفتہ رفتہ چہرہ مبارک اپنی اصلی حالت پر آنا شروع ہوا اور میں بھی ہلکا ہونا شروع ہوگیا یہاں تک کہ اصلی حالت پر آگیا اور طبیعت ہلکی ہوگئی۔ اور اہل مجلس ان تمام حالات سے بے خبر تھے۔ [1]

نیز وہ بیان کرتے تھے کہ ایک بار خواجہ کفشیر کے محلہ میں حضرت کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ کا جسم مبارک مجھے بہت چھوٹا نظر آیا۔ میرے دل میں آیا کہ ملکوں پر تصرف کرنیوالی ہستی اور اس کا جسم اس قدر مختصر۔ یہ بھی محض عنایت و کرم خداوندی ہے اور کیا کہا جائے۔ اس خیال کے آتے ہی آپ میری جانب متوجہ ہوئے اور پھر اسی طرح آپ کا روئے مبارک بڑا ہونا شروع ہوا اور اس حد تک بڑا ہوا کہ پورا حجرہ روئے مبارک سے پُر ہوگیا۔ (یہ دیکھکر) میں نے اپنے کو ایک کونہ میں ڈال دیا اور حجرہ کی جگہ مجھ پر تنگ ہوگئی اور بدستورِ سابق حس و حرکت مجھ سے ساقط ہوگئی میں آپ کی آواز سن رہا تھا لیکن یہ نہ سمجھ پا رہا تھا کہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ یہ حالت بہت دیر تک قائم رہی اور میں بے خود ہوگیا۔ پھر جب اصلی حالت پر واپس آیا تو دیکھا کہ آپ کا روئے مبارک بھی اصلی حالت پر آگیا ہے [2]

---

[1] رشحات ۱۹۰ [2] ایضاً ۱۹۰

مولانا شیخ[1] بیان کرتے تھے کہ جب ابتدا میں مجھ پر آپ کی توجہ و عنایت سے اپنی کوششوں کی بدولت ثمرات ظاہر ہونا شروع ہوئے اور آپ کی تربیت و پرورش و پرداخت اپنا رنگ جمانے لگی تو آپ نے مجھ کو زراعت کے کاموں پر مقرر فرما دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امورِ ظاہری کی مصروفیت کی بنا پر باطنی امور میں کمی پیدا ہوگئی۔ ایک روز میں موقعہ تلاش کرکے خلوت میں حاضر ہوا۔ اور اپنا حالِ دل عرض کرنے کا قصد کیا ہی تھا کہ آپ اپنی روشن ضمیری سے میرے کل احوال پر مشرف ہو گئے۔ اور بغیر میرے عرض کئے ارشاد فرمایا کہ (ہمارے طریقہ کی) اس خانوادہ کے کاروبار کی علت غائی اور اصلِ کلی "خلوت در انجمن" ہے اور یہ ماخوذ ہے آیۂ کریمہ رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع الخ سے۔ اغیار سے اپنا طریقہ مخفی رکھنا۔ کیونکہ غیرت دار محب اپنے محبوب کا حجاب پسند کرتا ہے اور اس طریقہ کے اخفا کیلئے ظاہری امور میں مشغول ہونے کے سوا کوئی اور برقع (طریقہ کار) نہیں ہے پھر میں نے عرض کرنا چاہا کہ ان دونوں عظیم الشان باتوں کا جمع کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا ہمت مردانہ کام میں لاؤ۔ اللہ تعالیٰ امیدوں کا بر لانے والا ہے۔ اسی اثنا میں میری خامی اور نایافت پر نظر فرمائی اور ایسی توجہ ڈالی کہ جو چیز بڑی کوششوں اور مشقتوں سے کبھی کبھی میسر آتی تھی اچانک باطن پر حملہ کر آئی اور ہمیشہ قائم رہی۔ اور کسی بھی حالت میں کبھی زائل نہ ہوئی۔[2]

مولانا سلطان[3] بیان کرتے تھے کہ ایک روز مرشد برحق کی خدمت میں حاضری کا قصد کر رہا تھا۔

---

[1] مولانا شیخ احرار الاولیا کے جلیل القدر خلیفہ اور اصحاب میں تھے۔ تزکیہ۔ تصفیہ۔ تہذیب اور تربیت غرضکہ تمام صفات آپ کی ذات میں موجود تھیں۔ پیر بزرگوار کی سرکار میں ملکی و مالی کاموں کے انتظام کا بہت کچھ تعلق آپ کی رائے پر منحصر تھا شب کو جب اپنے گھر جاتے تو تھوڑی دیر اپنے گھر والوں میں بیٹھے اور کھانا وغیرہ کھاتے جب سب اپنے اپنے بستروں پر لیٹ جاتے تو خود بدولت چادر اوڑھ لیتے اور گوشہ مار کر صبح تک قبلہ رُو ہو کر پیر و مرشد کی نسبتِ باطنی کی جانب متوجہ ہو کر بیٹھے رہتے۔ ایک روز آپ نے فرمایا کہ میں ایک سانس میں اکاون بار ذکر نفی و اثبات کر لیتا ہوں قلب و قالب کو کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوتی۔ رشحات (۱۹۰)

[2] رشحات ۱۹۱ ۔ ۵

[3] آپ خواجہ احرار الاولیا کے مخصوص خلیفہ اور ظاہری و باطنی علوم میں متبحر عالم تھے۔ احرار الاولیا کی اجازت سے حجاز گئے اور حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہو کر پھر مرشد برحق کی خدمت میں لوٹ آئے اور فیوض و برکات حاصل کئے۔

میں نے چاہا کہ توجہ یا مراقبہ کے ذریعہ خدمت میں حاضر ہو جاؤں لیکن ممکن نہ ہوا۔ بالآخر نفی و اثبات کے ذریعہ کسی قدر حضوری حاصل کی اور اس کی نگہداشت کر کے خدمت میں حاضر ہوا۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے فرمایا کہ "سلطان! کبھی نفی و اثبات بھی کرتے ہو"۔ میں نے عرض کیا۔ جی ہاں۔ فرمایا اِس وقت ایک نسبت پیدا ہوئی جو نفی و اثبات کا نتیجہ ہے۔ پھر فرمایا اگرچہ حضور مع اللہ ایک ہی شے ہے لیکن جو نسبتیں توجہ یا مراقبہ یا نفی و اثبات کے ذریعہ پیدا ہوتی ہیں ان میں سے ہر ایک کا جدا جدا رنگ ہوتا ہے البتہ اس فرق کا پہچاننا ان بزرگوں کا کام ہے جو علم لدنی کے عالم ہیں۔[1]

مولانا خواجہ علی تاشکندی[2] بیان کرتے تھے کہ جب خواجہ احرار الاولیاء نے خراسان سے وطن تشریف لا کر کاشتکاری شروع کی تو اس وقت میں بیس سال کا تھا۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا اور آپ بھی میرے حال پر بہت عنایت فرماتے تھے۔ اسی دوران میرے طالب علم دوستوں نے مجھے تحصیل علم کیلئے سمرقند جانے کیلئے آمادہ کیا۔ میں ان کے شوق دلانے پر سمرقند کی جانب روانہ ہو گیا چونکہ آپ سے اجازت لیکر نہیں روانہ ہوا تھا لہٰذا پہلی ہی منزل میں ایسے مرض میں مبتلا ہو گیا کہ ایک قدم بھی آگے چلنے کی سکت نہ رہی۔ بخار کی شدت اتنی تھی کہ جسم بھن رہا تھا اور سر میں ایسا شدید درد تھا کہ سر پھٹا جا رہا تھا۔ جب موت کا یقین ہو گیا تو فریاد کرنے لگا کہ اے دوستو! تم جاؤ اور مجھ کو یہیں چھوڑ دو۔ مجھ میں تو حرکت کرنے تک بھی سکت نہیں رہی ہے۔ جیسے ہی لوٹنے کی نیت کی اسی وقت سے بہتر ہونا شروع ہو گیا۔ جیسے جیسے تاشقند قریب آتا جاتا تھا ضعف و کمزوری دور ہو جاتی تھی۔ جب آپ کے حجرہ میں پہنچا تو بالکل تندرست تھا۔ میں نے سلام عرض کیا۔ آپ نے جواب دیا اور مسکرا کر فرمایا۔ کیوں۔ تم سمرقند نہیں گئے۔ مجھ پر شدت سے گریہ طاری ہو گیا۔ نہایت شرمندگی کے ساتھ قدم بوس ہوا اور اپنی بے ادبی کی معافی کا خواستگار ہوا۔ آپ نے عنایت فرمائی پھر فرمایا خدمت کے لئے تیار ہو جاؤ۔ مجھے تم سے بہت کام لینا ہے جب خواجہ احرار الاولیاء مرزا سلطان ابو سعید کی عرضداشت پر تاشقند سے سمرقند روانہ ہونے لگے توکل کاروبارِ دنیاوی مولانا

---

[1] رشحات ۱۹۱

[2] مولانا خواجہ علی تاشقندی حضرت اقدس کے قدیم اور جلیل القدر اصحاب اور خلفا نیز کارکنوں میں تھے۔ ابتدائے حال میں تاشقند میں شرفِ قبولیت سے مشرف ہوئے آپ کا مفصل حال رشحات میں مذکور ہے۔

ہی کے سپرد فرمایا۔ اور مولٰنا کا تصرف اس حد تک پہنچ گیا کہ ایک وقت ایسا آیا کہ آپ کی طرف سے بیس بیس خطوط شاہانِ وقت۔ امراء ارباب حکومت (افسران) کو لکھتے اور ان میں سے کسی ایک کی بھی یہ مجال نہ تھی کہ مولٰنا کے فرمودات سے سر مُو روگردانی اور تعمیلِ حکم میں کوتاہی کرتا۔[۱]

شیخ حبیب[۲] تاجر تاشقندی بیان کرتے تھے کہ ایک بار حضرتِ اقدس تاشقند میں کچھ احباب سے رنجیدہ و منغص ہو کر فرکت روانہ ہو گئے۔ وہ لوگ بھی آپ کے پیچھے پیچھے نیاز مندانہ عذر و معذرت کرتے ہوئے چلے۔ جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ آپ "منار" گاؤں میں مولٰنا سیف الدین مناری کی قبر کے سرہانے مولٰنا اسمٰعیل فرکتی ولد مولٰنا سیف الدین کے حجرہ میں تشریف فرما ہیں یہ سن کر وہ سب وہاں پہنچ گئے۔ آپ پر اس وقت شانِ جلال طاری تھی۔ جیسے ہی انھوں نے حجرہ میں قدم رکھا اور جس کی بھی نظر چہرۂ اقدس پر پڑی بیہوش ہو کر لوٹنے لگا نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ قریب تھا ان سب کی روحیں پرواز کر جائیں۔ صورت حال دیکھ کر مولٰنا اسمٰعیل وہاں کے چند مخلصین کے ساتھ کھڑے ہوئے اور سروں کو برہنہ کر کے ان کی جانب سے معافی کے خواستگار ہوئے۔ آپ نے ان کے التماس پر ان سب کی خطاؤں کو معاف فرمایا اور لطف و کرم کے آثار آپ سے ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ پھر وہ سب یکے بعد دیگرے ہوش میں آکر اپنی اصلی حالت پر واپس آئے۔[۲]

مولٰنا زادہ[۳] انزاری بیان کرتے تھے کہ میں جب احرار الاولیا کی خدمت میں شرف قبولیت سے مشرف ہوا تو ایک روز آپ کی مجلس میں میرے دل میں آیا کہ کیا وجہ ہے جو حضرت مجھے ذکر تلقین نہیں فرماتے جب اس خیال نے بار بار ستایا تو اچانک آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا "ہر کام ہر شخص کے مناسب حال نہیں ہوتا ذکر دوسرے لوگوں کے لئے مناسب ہے۔ تمہاری استعداد تو ویسے ہی اچھی ہے تم کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"[۴]

(نہ ترکِ عمل کارِ ہر کس بود   نہ فضلِ خدا یارِ ہر کس بود)

---

[۱] رشحات ۱۹۵

[۲] شیخ حبیب تاجر تاشکندی احرار الاولیا کے خلیفہ اور مقبول ترین اصحاب میں تھے۔ معرفت و حقیقت آپ کا شعار اور رجال لا تلہیہم کے گروہ سے آپ کو خاص نسبت تھی۔ نیز خدمت کے پیکر مجسم تھے۔ احرار الاولیاء کی طرف سے تاشقند کے لنگر خانہ اور مخلصین و متعلقین کے قیام و طعام کا انتظام وغیرہ آپ ہی کے سپرد تھا۔ رشحات ۱۹۵

[۲] رشحات ۱۹۵

[۳] مولٰنا زادہ انزاری بھی خواجہ احرار الاولیا کے جلیل القدر خلفاء اور مقبول اصحاب میں تھے۔ ان کا اصل نام تو محمد عبد اللہ تھا لیکن مولٰنا زادہ انزاری کے نام سے مشہور ہوئے۔ احرار الاولیاء کی حیات میں سفر کی اجازت لیکر حجاز گئے اور حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہو کر شام آئے پھر وہاں سے دمشق آکر مستقل سکونت اختیار کی اور عرصہ تک مرجع طالبان رہے پھر اسی جگہ دنیا سے رحلت فرمائی۔ رشحات ۱۹۷

[۴] رشحات ۱۹۷

نیز وہ بیان کرتے تھے کہ ابتدائی حال میں جب میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے دل میں ایک خلش یہ رہتی تھی کہ اس سے قبل میں "طبقۂ عشقیاں" کی صحبت میں پہنچ گیا تھا اور کچھ عرصہ ان کے طریقہ کی مشق بھی میں نے کی تھی۔ اب تو میں ان کی محبت و عقیدت کے پھندے سے نکل آیا ہوں ایسا نہ ہو کہ ان کی ارواح کی طرف سے مجھے کوئی نقصان پہنچ جائے۔ صبح تک یہ خیالات پریشان کرتے رہے جب صبح کو خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ نے دریافت فرمایا کہ "مشائخ کے کس طبقہ سے تمہارا میل جول رہا ہے"۔ عرض کیا کہ یہاں کی حاضری سے قبل "طبقۂ عشقیاں" سے عقیدت رکھتا تھا اور ان کے طریقہ کی مشق بھی کیا کرتا تھا۔ فرمایا آج رات کو ایسا نظر آیا (مشاہدہ ہوا) کہ ترکی مشائخ کی ایک جماعت بڑے بڑے ہتھیاروں سے لیس ہمارے احاطہ کے چاروں جانب گھوم رہی ہے لیکن (باوجود کوشش) کسی طرح اندر داخل نہ ہو سکی اور نہ تصرف ہی کر سکی۔ غالبًا یہ سب تمہاری وجہ سے ہوگا۔ یہ سنکر میرے اندر سے تمام خیالاتِ پریشاں نکل گئے۔ اور مجھے یک گونہ سکون مل گیا اور مجھے اس کا یقین ہو گیا کہ حضرت کے سایۂ شفقت و رافت میں ہمیشہ ہمیشہ آفاتِ ظاہری و باطنی سے محفوظ رہوں گا۔[1]

نیز وہ بیان کرتے تھے کہ ایک بار آپ میرے حجرہ میں تشریف لائے اور کھانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ کھانے کا سامان خواجہ علی سے لے لو۔ اور خواجہ علی اس وقت آپ کے کل امور کے نگراں اور مہتمم تھے۔ جب کھانا حاضر کیا گیا تو آپ نے اسکی طرف رغبت نہ فرمائی لیکن اور لوگوں نے کھایا۔ فراغت کے بعد آپ نے فرمایا کہ اس کھانے میں کچھ بے احتیاطی ہوئی ہے اور بہت تاکید سے فرمایا کہ اس بات کی تحقیق کرو چنانچہ بہت چھان بین کے بعد یہ پتہ چلا کہ ایندھن کے سلسلہ میں کچھ سہو (قصور) ہوا ہے۔ یہ بات جب آپ کو معلوم ہوئی تو غصہ آگیا اور فرمایا کہ خیر العمل کا دارومدار اکلِ حلال پر ہے جس میں بہت احتیاط کرنا چاہیئے۔ کیونکہ بدن میں جو کچھ پہنچتا ہے اس کا اثر سالک کے تمام اعضا پر ہوتا ہے۔ یہ تمام بے لطفی اور پریشانی جو تم دیکھتے ہو بیشتر مشتبہ کھانے کے باعث ہوتی ہے۔[2]

بعض خدام بیان کرتے تھے کہ ایک روز حضرتِ اقدس فقراء کی ایک جماعت کے ساتھ ایک مخلص

---

[1] شمحات ۱۹۷ [2] ایضاً ۱۹۷

کے حجرہ میں تشریف فرما تھے۔ محفل خوب گرم تھی اور آپ کے تصرف کا اثر تمام حضار پر طاری تھا۔ حتیٰ کہ جو شخص بھی اس وقت مجلس میں آکر بیٹھتا اس کیفیت میں ایسا محو ہو جاتا کہ (چاہنے کے باوجود) وہاں سے نہ اٹھ سکتا۔ اسی اثنا میں کھانا لایا گیا۔ مولانا زادہ پر ایسا شدید استغراق طاری تھا اور وہ اپنے سے اس حد تک غائب اور بے خبر تھے کہ ہر چند لوگوں نے انھیں چونکانا چاہا لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا اچانک حضرتِ اقدس کی نظر اس جانب اٹھی تو دیکھا کہ ایک شخص مولانا زادہ کو جھنجھوڑ رہا ہے۔ آپ کو یہ دیکھ کر غصہ آگیا اور فرمایا۔ کیوں بے ادبی کر رہے ہو۔ کیا تم کو نہیں معلوم کہ ہر شخص اپنی حسب استعداد وقابلیت ہم سے کچھ نہ کچھ فیض حاصل کرتا ہے۔ مولانا زادہ بھی اس وقت ہم سے ایسی حالت سے مشرف ہیں کہ دونوں جہانوں سے بے خبر ہیں۔ اگر تم کو ان کی اس حالت وکیفیت کا علم ہو جائے تو اس کے رشک میں کھانے کی لذت ہی تم بھول جاؤ۔ پھر یہ اشعار پڑھے ؎

ایں شیوۂ عشق ہر خسے را نہ بود　　ایں واقعہ ہر بوالہوسے را نہ بود
منکر چہ شوی بہ حالتِ زندہ دلاں　　نے ہر چہ ترا نیست کسے را نہ بود[1]

رشحات کے مصنف لکھتے ہیں کہ ایک روز حضرت اقدس محبت ذاتی پر تقریر فرما رہے تھے۔ دورانِ تقریر فرمایا کہ صوفیاء کی اصطلاح میں محبتِ ذاتیہ سے مراد حضرتِ حق کے ساتھ بغیر کسی وجہ اور سبب کے ربط وعشق ہے۔ بلکہ ایسا میل وانجذاب جس کے دفع کرنے پر اختیار نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ تاشقند کے اطراف میں دو لڑکوں میں یہ نسبت میں نے دیکھی۔ ایک تو ہمیشہ ہمارے حلقہ کے چاروں طرف پھرا کرتا تھا۔ اور کبھی دور پر گردن جھکائے بیٹھا کرتا تھا۔ ایک روز جب میں وضو کے لیے اٹھا اور لوٹا اٹھا کر وضو کیا تو اس سے یہاں آنے اور حلقہ کے گرد گھومنے کا سبب پوچھا۔ کہنے لگا سبب تو میں جانتا نہیں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ جس وقت یہاں آتا ہوں تو اپنے باطن میں حضرتِ حق کے ساتھ ایک کشش اور جذبہ شوق پاتا ہوں اور اپنے کو تمام خواہشات سے بری سمجھتا ہوں اور اس سے مجھے بڑی لذت ملتی ہے اور جس وقت یہاں سے باہر نکلتا ہوں تو اس نسبت سے محروم ہو جاتا ہوں۔ اور جو دوسرا لڑکا تھا وہ نہایت حسین وجمیل تھا۔ اور ہمارے اصحاب کے ساتھ انس رکھتا تھا۔ اور اس اطراف میں بکثرت لوگ

---

[1] رشحات ۱۹۷

اس سے دِلی محبت رکھتے تھے ۔ اور اس ربطِ قلبی پر اکثر اغیار ہمارے اصحاب کو نشانۂ ملامت بناتے تھے ۔ میں نے کہا اس سے کہو چلا جائے ۔ چنانچہ اس سے بہت اصرار کیا گیا اور اس کو وہاں سے دور کرنا چاہا لیکن وہ کسی طرح جانے کو تیار نہ ہوا ۔ جب بہت کہا گیا تو اس نے رونا شروع کر دیا اور بہت بیتاب ہو کر کہنے لگا کہ میرے یہاں نہ آنے سے تم کو کیا ملے گا ؎

(جانِ نثارِ دیوانہ یہ تو بتا برہم کیوں ہے۔ ہم جو محبت کرتے ہیں تجھ سے ترا کیا جاتا ہے)

باہر لوگ مجھے پریشان کرتے ہیں اور میرا دل خواہشات کی کشاکش میں مبتلا ہو جاتا ہے اور وسوسے مجھے گھیر لیتے ہیں اور اس کیفیت حضوری و جمعیت باطنی سے جو اس حلقہ میں مجھے ہوتی ہے محروم ہو جاتا ہوں ۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے اسے دل کے ہاتھوں معذور و مجبور سمجھ کر اس کو اس کی حالت پر چھوڑ دیا ۔ حتیٰ کہ ایک وقت وہ اس نسبت سے ایسا مغلوب ہو گیا کہ اکثر اوقات اس عالمِ وارفتگی میں اپنے گھر کا راستہ تک بھول جاتا ۔ اور جب کبھی مجھے اس سے کوئی کام ہوتا تو قبل اس کے کہ میں اس سے وہ کام کرنے کو کہوں پہلے ہی سے وہ کام کر دیتا تھا یا کرتا ہوتا تھا ۔ اور یہ قبول صورت لڑکا جس کے سلسلہ میں حضرت فرماتے تھے مولانا نور الدین تاشکندی تھے [1]

؎ مولانا نور الدین تاشقندی احرار الاولیاء کے خلیفہ در متوسلین میں آپ کے بہت نزدیک تھے ۔ آغاز شباب بلکہ بچپن سے ہی آپ کی محبت کا تصور اپنے دل میں رکھا کرتے تھے ؎

اَتَانِی ھَوٰھَا قبل ان اعرف الھویٰ۔ فصادف قلبی خالیا فتمکنا بالکل ان کے حسبِ حال تھا

(میرے پاس اس کی محبت آئی قبل اس کے کہ میں محبت کو پہچانوں ۔ اور چونکہ میرا قلب خالی تھا وہ اسمیں گھس گئی ور قیام اختیار کر لیا)

وبا کے ابتدائی سال یعنی ۸۹۰ھ میں نیلے رنگ کا ایک دانہ جو طاعون کی علامت تھا احرار الاولیا کے بائیں پہلو پر برآمد ہوا ۔ فنافی الشیخ کا ثبوت دیتے ہوئے مرشد برحق کے اس دانہ کو اپنے اوپر لے لیا اور خود کو ان پر قربان کر دیا اسی وقت وہ دانہ مولنا کے پہلو پر منتقل ہو گیا ۔ خواجہ صاحب صحتیاب ہو گئے اور تیں روز بعد مولنا رحلت فرما گئے ۔ رشحات ۱۹۷ ۔ اذکارِ ابرار ۱۷۷

[1] رشحات ۱۹۶

مولانا ناصر الدین اترازی[1] بیان کرتے تھے کہ ابتداء حال میں جب کہ سمرقند والے احرار الاولیا، سے واقف بھی نہ تھے۔ ایک جماعت تاشقند سے آئی ہوئی تھی ان میں سے بعض لوگ حضرتِ اقدس کے فضائل وخصائل۔ خرق عادات۔ امور غیبہ اور کمالاتِ باطنی کا ذکر کر رہے تھے۔ یہ عجیب وغریب خبریں اور کرامتیں سن کر (جو سوا اولیاء اللہ کے دوسرے میں نہیں ہو سکتیں) مجھے شدت سے شوق قدم بوسی پیدا ہوا۔ لیکن چونکہ دل ایک پیکر ناز وحسن پر فریفتہ تھا اور اس حسین مظہر سے آنکھ لڑی ہوئی تھی لہٰذا سمرقند چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ جب متواتر یہ خبریں سنتا رہا تو باوجود گرفتاریِ دل کے طالبین کی ایک جماعت کے ساتھ تاشقند روانہ ہو ہی گیا۔ جب تاشقند پہنچا تو آپ اس وقت باغستان (جو تاشکند کا ایک پہاڑ ہے) میں تشریف فرما تھے۔ جب میں خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو اس سے کہیں زائد پایا جیسا سنا تھا چند روز بعد موسم بہار آیا جو عشق ومحبت کے سلسلہ کا محرک ہوتا ہے۔ اُدھر پہاڑ کی شادابی۔ اِدھر اس جوان کی محبت کی شورش اور ولولہ اور خارِ عشق کی چبھن ان سب باتوں نے دل کو بے چین کر دیا۔ میں نے چاہا کہ آپ سے اجازت مانگ کر "لبِ آب کوہک" کی سیر کو جاؤں اور وہاں اس جوان سے ملاقات ہو جائے۔ چنانچہ میں اجازت مانگنے کے لئے خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اجازت نہ دی جب نوروز کی صبح ہوئی تو اس جوان کی یاد شدت سے ستانے لگی۔ اور بلا کا رنج طاری ہو گیا اسی دوران ایک روز حضرتِ اقدس اپنے چند اصحاب کے ساتھ سوار ہو کر ایک گاؤں کی جانب روانہ ہوئے اور مجھے بھی اپنی ہمرکابی کا شرف عطا فرمایا لیکن اس سیرِ صحرا میں بھی میرا دل بالکل نہ بہلا کیوں کہ وہ اس جوان اور "لبِ آب کوہک" کی سیر کی طرف ہمہ تن متوجہ تھا ؎

(ان کے بہلائے بھی نہ بہلا دل رائگاں سعی التفات گئی)

اور میں اس صورت حال سے نہایت شرمندہ تھا۔ اچانک ایک لالہ زار کے قریب سے گذرے اور گھوڑے کی پیٹھ سے دستِ مبارک بڑھا کر لالہ کا ایک پھول توڑا اور مجھے دیکر فرمایا کہ "مولانا ناصر الدین! تم کو شرم نہیں آتی کہ ایسی صحبت۔ سیرِ صحرا۔ اور لالہ زار میں تم اس جوان کی یاد اور "لبِ آب کوہک" کی سیر کو یاد کر رہے ہو۔" آپ کا یہ فرمانا تھا کہ میں سر سے پیر تک پسینہ پسینہ ہو گیا آپ نے

---

[1] مولانا ناصر الدین اترازی احرار الاولیا کے خلیفہ نیز خدام اور مقبولین میں تھے۔ اور مولانا زادہ اترازی کے برادر اصغر تھے۔ آپکا زائد حال دریافت نہ ہو سکا

جب میری حالتِ ندامت ملاحظہ فرمائی تو اسی وقت ایسی توجہ وعنایت فرمائی کہ اس جوان کی محبت اور تعلق میرے دل سے یکلخت مٹ گیا اور اس کی جگہ حضرت اقدس کی محبت نے ڈیرہ ڈال دیا۔[۱]

نیز وہ بیان کرتے تھے کہ جب سلطان ابوسعید مرزا نے سمرقند فتح کیا اور حضرت اقدس اس کی درخواست پر تاشقند سے سمرقند آئے تو ایک روز اپنا مستقر طے کرنے کیلئے (یعنی کس جگہ قیام کیا جائے) سمرقند کے باہر محلات اور باغات میں سیر فرما رہے تھے چلتے چلتے خواجہ کفشیر کے محلہ میں پہنچے اور اس جگہ کو پسند فرما کر منتخب کر لیا۔ اور میں بھی اس سیر کے دوران آپ کے ہمراہ تھا۔ جب رات ہوئی اور آپ استراحت فرمانے کیلئے تشریف لیگئے تو میرے دل میں آیا کہ آپ آج بہت تھک گئے ہوں گے اور میں خود سے اس کی جرأت اور بے ادبی نہیں کر سکتا تھا کہ بغیر حکم کے آپ کے سامنے جاؤں اور خدمت کروں۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ خود بدولت اس کا حکم فرماتے۔ میں اشارہ کا منتظر تھا کہ اچانک آپ نے فرمایا۔ مولنا ناصر الدین! تم بھی بہت تھک گئے ہو گے۔ اگر نہ تھکے ہو تو آؤ۔ میرے لئے اتنا ہی اشارہ کافی تھا۔ چنانچہ میں دوڑ کر خدمت میں مشغول ہو گیا۔[۲]

نیز وہ بیان کرتے تھے کہ جب میں ابتدائے حال میں سمرقند سے تاشقند آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہاں ایک بہت بڑے عالم تھے جو فن منطق میں منفرد اور تمام علوم ریاضی میں نہایت متبحر تھے۔ ان کا نام مولنا میر جال تھا وہ قلندری لباس یعنی گدڑی پہنا کرتے تھے اور تارکِ صلوٰۃ تھے۔ محرمات کے ارتکاب میں نہایت دلیر اور بے حیا۔ نیز مشائخ کرام اور اولیائے عظام کے طریقہ کے منکر تھے اور ہر وقت حضرت کی غیبت کرتے اور آپ کے بارہ میں ناشائستہ کلمات اور بے ادبانہ باتیں کہا کرتے تھے۔ ایک روز میں ایک مجمع میں تھا اور وہ بھی وہاں تھے اور حضرتِ اقدس کے بارہ میں حسب معمول سرگرم لاف تھے اور اپنی کمینگی اور خبثِ نفس کا مظاہرہ کر رہے تھے جب مجھ کو دیکھا اور یہ سمجھ لیا کہ میں بھی آپ کے خدام میں سے ہوں مجھ سے الجھنا شروع کر دیا۔ (اعتراضات شروع کر دیئے) اور کہنے لگے کہ تم بھی کس کے معتقد ہو گئے جس کے پاس نہ علم ہے اور نہ حال۔ نہ ذکر ہے نہ خلوت میں آج اس کی مجلس میں آؤں گا اور اس سے چھپا کر بھنگ کھاؤں گا اور اس کو حکم دوں گا کہ فلاں فلاں

---

[۱] رشحات ۱۹۸۔ اذکار ابرار ۱۲۸۔ [۲] رشحات ۱۹۸

کھانا اور حلوا میرے لئے منگوائے تاکہ تم دیکھ لو کہ اس کا نہ کوئی باطن ہے اور نہ حال۔ اور اس کا عمل کوئی اصلیت و حقیقت نہیں رکھتا۔ میرے دل کو اس کی ان باتوں سے سخت چوٹ لگی لیکن مصلحتاً خاموش رہا۔ پھر وہاں سے غمگین و افسردہ اٹھ کر حضرت کی خدمت میں روانہ ہوا اور وہ بھی میرے پیچھے پیچھے اپنے تین چیلوں کے ساتھ جو اس تمسخر اور کمینہ پن میں شریک تھے روانہ ہوئے اور سب ایک ساتھ آپ کی خدمت میں پہنچے۔ اور میں نہایت پریشان اور متفکر تھا کہ (کہیں ایسا نہ ہو) وہ کمینہ پھر کوئی بے حیائی اور بے ادبی نہ کرے۔ جب وہ بیٹھے تو گفتگو کرنے سے قبل حضرت سے چھپا کر تھوڑی بھنگ نکالی اور منہ میں رکھ لی نگلنا چاہا تھا کہ وہ حلق میں پھنس گئی۔ (حالت اتنی نازک ہوگئی کہ سانس رک گئی۔ لاکھ کوشش کی لیکن وہ کسی طرح حلق سے نیچے نہ اتری۔ اور حالت غیر ہوگئی۔ (آخر کار) حضرت اقدس کے حکم سے ان کی گدی پر زور زور سے گھونسے مارے گئے جس کی وجہ سے وہ بھنگ ان کی حلق سے نکل کر بیچ مجلس میں گر پڑی۔ یہ دیکھ کر تمام حاضرین ہنسنے لگے اور وہ اس بری طرح شرمندہ ہوئے کہ بیان نہیں کیا جا سکتا اسی شرمندگی میں اپنے چیلوں کے ساتھ حضرت کی مجلس سے باہر آئے اور یہ قصہ پورے تاشقند میں مشہور ہو گیا اور وہ بہت بدنام و رسوا ہوئے۔ اور پھر وہاں سے ایسے بھاگے کہ ان کا کہیں نام و نشان تک نہ ملا۔[١]

رشحات کے مصنف لکھتے ہیں کہ حضرتِ اقدس نے ایک روز ہندو خواجہ ترکستانی[٢] کو ایک صحرا میں محو طیران دیکھا کہ بلند پرواز چڑیوں کی طرح ہواؤں میں اڑ رہے ہیں آپ کو ان کا یہ طریقہ (اظہار کرامت) پسند نہ آیا۔ نہایت برہم ہوئے اور اسی وقت ان کی وہ کیفیت سلب کر لی۔ اور وہ ہوا سے اس طرح زمین پر گرے کہ ہڈیاں تک ٹوٹ گئیں اور وہ نہایت بے نسبت اور اجنبی ہو کر رہ گئے۔ پھر اٹھ کر نہایت نیازمندانہ عذر خواہ ہوئے اور آپ کے قدموں پر سر رکھ کر منت و سماجت اور گریہ و زاری کرنے لگے

---

[١] رشحات ١٩٨ [٢] ہندو خواجہ ترکستانی حضرت اقدس کے مقبول اور منظور نظر متوسلین میں تھے اور آپ کے پرانے ساتھیوں میں تھے۔ وہ ایک جواں سال سپاہی تھے اور ترکستان کے ان شیخ زادوں میں تھے جن پر حضرت اقدس نے عنایت فرمائی اور ان کو ایک شغل باطنی تلقین فرمایا۔ ان سے عجیب و غریب احوال ظاہر ہوئے۔ رشحات میں لکھا ہے کہ وہ ایک وجیہ اور بارعب آدمی تھے اور جذبی کیفیت ان پر طاری رہتی تھی رشحات ص ١٩٩

لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا اور آپ نے کوئی توجہ نہ فرمائی۔ تقریباً ایک سال اسی بے توجہی میں گذر گیا۔ آخرکار صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا اور جھلا کر حضرت سے سختی اور بے ادبیاں شروع کر دیں۔ ایک روز کہنے لگے کہ میری نسبت وحالت جو آپ نے سلب کر دی ہے اگر واپس کر دیں تو خیر ورنہ میں آپ کو قتل کر دوں گا جب بھی قابو پاؤں گا۔ یا اپنے کو ہلاک کر لوں گا۔ جب آپ نے اس کی بھی کوئی پروا نہ کی تو وہ ہر وقت آپ کی تاک میں رہنے لگے۔ ایک روز حضرت کو باغ کے ایک کونہ میں پیدل اور تنہا پاکر چھرے سے حملہ کر دیا۔ وہاں کوئی جگہ بچاؤ کی نہ تھی۔ آپ نے اپنے کو بطریقِ خلع لبس ایک چرواہے کی صورت میں تبدیل کیا یعنی سر پر سیاہ بالوں کی ٹوپی جسم پر سفید ریشمی قبا اور ہاتھ میں چرواہوں والی مضبوط لاٹھی جب انھوں نے ایک اجنبی آدمی کو دیکھا تو اپنا ہاتھ روک لیا اور متعجب ومتحیر ہو کر اپنی جگہ کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ اور ہاتھ پیروں کی حرکت جاتی رہی۔ آپ نے ان کے ہاتھ سے چھرا لے لیا اور اپنی اصل صورت میں آکر تبسم فرمایا۔ اور فرمایا کہ اب بتاؤ اگر میں تم کو اِس چھرے سے قتل کر دوں تو تم کیا کرو گے۔ وہ یہ دیکھ کر آپ کے سامنے زمین پر اپنا منھ رگڑنے لگے اور زار وقطار رونے لگے اور نہایت درد سے فریاد کرنے لگے۔ آخر حضرت کو ان پر رحم آگیا اور ان کو ان کی باطنی نسبت واپس کر دی۔ پھر انھوں نے آپ کے دستِ مبارک پر یہ عہد کیا کہ اب آئندہ اِس قسم کی کوئی کرامت نہ دکھائیں گے۔ اور خوارقِ عادات کو پوشیدہ رکھیں گے۔ اور ان کے کتمان میں حتی الامکان کوشش کرینگے۔[۱]

مولنا اسمٰعیل[۲] فرکتی بیان کرتے تھے کہ میں ابتدائے حال میں آپ کی خدمت میں حاضری کی نیت سے فرکت سے تاشقند آیا تو آپ نے میرے والد کی اس نسبت وارادت کا خیال کرتے ہوئے جو انکو حضرت خواجہ بزرگ قدس سرہٗ سے تھی مجھ پر بڑی توجہ وعنایت فرمائی اور اسی مجلس میں آپ کی عنایت کی برکت سے ایک عظیم نسبت اور قوی جمعیت حاصل ہوئی۔ جو مسرت وخوشی اور انبساط باطنی کا سبب بنی رات میں خواب دیکھا کہ ایک سفید باز میرے ہاتھ پر بیٹھا ہوا ہے اور مجھے اس سے بہت محبت ہے۔ اچانک وہ میرے ہاتھ سے اڑ گیا۔ جب بیدار ہوا تو شدت سے حالت قبض اور

۱؎ رشحات ۱۹۹ ۲؎ مولنا اسمٰعیل فرکتی احرار الاولیاء کے مقبول اصحاب میں تھے اور مولنا سیف الدین مناری کے صاحبزادے تھے جو حضرت خواجہ بزرگ خواجہ بہاء الدین قدس سرہٗ کے جلیل القدر اصحاب میں تھے جن کا ذکر اس کتاب میں گذر چکا ہے

رنج و غم پیدا ہوا۔ اور اس نسبت و طمانیت کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔ صبح کو خدمت میں نہایت ملول و غمگین حاضر ہوا۔ آپ نے سبب پوچھا میں نے خواب عرض کیا۔ آپ نے فرمایا۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ تم کو صحبت میں بہت اچھی نسبت حاصل ہوئی تھی لیکن جب تم سو گئے تو وہ نسبت جاتی رہی۔ اس لئے کہ وہ ایک ایسی چیز ہے جس سے کسبِ معارف اور اخذِ حقایق کیا جا سکتا ہے اور باز کو جو تم نے دیکھا تو وہ اسبابِ صید میں سے ہے۔ غمگین نہ ہو شائد وہ باز دوبارہ ہاتھ آجائے۔ یہ فرماتے وقت ایسی توجہ فرمائی کہ اسی مجلس میں وہی طمانیتِ قلبی اور گمشدہ نسبت حاصل ہو گئی۔ اور وہ قبض اور رنج و ملال مُبدّل بہ انشراح و انبساطِ باطن ہو گیا اور سرورِ عظیم حاصل ہو گیا۔ اس واقعہ اور مشاہدہ کے بعد پھر میں کبھی آپ سے جدا نہ ہوا۔ اور آپ سے میرے تعلق خاطر کا یہی سبب ہوا [1]

نیز وہ بیان کرتے تھے کہ ایک روز حضرت اقدس کے اصحاب کی ایک جماعت فرکت میں میرے گھر پر تھی اور صحبت بڑی دلچسپ تھی۔ اس وقت سب لوگوں کے دلوں میں یہ آیا کہ کاش کیا ہی اچھا ہوتا اگر حضرت بھی یہاں تشریف فرما ہوتے۔ (اتفاق سے) اسی وقت حضرتِ اقدس بھی تاشقند سے تشریف لائے اور اس مجلس میں آکر بیٹھ گئے آپ پر ایک خاص کیفیت طاری تھی۔ جب آپ کی نظر ان احباب پر پڑی اور سب کو خوش اور مطمئن دیکھا تو یہ شعر پڑھا۔

بر شکر غلطید اے سودائیاں   از برائے کوری صفرائیاں

اے سودائیو! شکر پر لوٹو   صفرائیوں کے اندھے پن کی وجہ سے

(یعنی اے سودائی مزاج رکھنے والے عشّاقِ ذات تم کو وہ شیرینی نصیب ہوئی جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ کے مشاہدے سے حاصل ہوئی تھی یہ شیرینی صفراوی مزاج رکھنے والوں کے لئے مضر ہے اور ان کو یافتِ ذات سے اندھا (محروم) کر دیتی ہے مطلب یہ ہے کہ علمائے ظاہر (علمائے سوء) علمائے راسخین کے مقام سے نابلد رہتے ہیں)

---

[1] رشحات ۱۹۹

آپ کا یہ شعر پڑھنا تھا کہ سب پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ یکبارگی لوٹنے لگے اور بہت دیر تک مدہوش پڑے رہے۔ پھر آپ کی توجہ سے سب کے سب یکے بعد دیگرے ہوش میں آتے گئے۔ ہر ایک کو عجیب و غریب کیفیت حاصل ہوگئی تھی۔ اور اس کا اثر ہر شخص کی قابلیت و استعداد کے مطابق بعض کے باطن میں تین روز تک۔ بعض میں ایک ہفتہ تک اور بعض میں دس روز تک بلکہ اس سے بھی زائد باقی رہا (رشحات ۱۹۹)

ع۵ احرار الاولیاء کے منجملہ خلفاء کے تین خلفاء اور بھی تھے جن میں سے ایک خلیفہ مولنا اسمٰعیل قمری دوسرے مولنا اسمٰعیل شمسی۔ تیسرے مولنا اسمٰعیل ثالث تھے۔ مولنا اسمٰعیل قمری اور مولنا اسمٰعیل شمسی دونوں تبریز کے رہنے والے تھے مولنا اسمٰعیل قمری نہایت دانشمند اور متقی تھے ہرات سے سمرقند آئے اور حضرت کی ملازمت اختیار کی۔ اکثر اوقات آپ کے ہمراہ سوار ہوتے اور حضرت خود بھی کبھی کبھی مجالس میں ان سے علمی مباحثہ فرماتے تھے۔ ان پر نسبت علمیہ غالب تھی۔ مولنا اسمٰعیل شمسی نہایت صاحب اہلیت و استعداد تھے۔ حضرت اقدس سے تعلیم سے مشرف تھے۔ شغل باطنی کے آثار اُن سے ظاہر تھے۔ مولنا اسمٰعیل قمری کے ہمراہ آئے۔ چونکہ دونوں ہم نام تھے لہٰذا سب لوگ دونوں میں امتیاز دینے کے لئے ایک کو مولنا اسمٰعیل قمری اور دوسرے کو مولنا اسمٰعیل شمسی کہنے لگے۔ چنانچہ وہ اسی سے مشہور ہوگئے۔ چند سال بعد حضرت اقدس نے ان کو تاشقند میں اپنے تعمیر کردہ مدرسہ میں درس و تدریس کے کام پر مامور فرما دیا۔ چنانچہ وہ بقیہ عمر وہیں رہے۔

مولنا اسمٰعیل ثالث ایک خوش طبع طالب علم اور کتب مروجہ کے عالم تھے۔ حضرت اقدس کی خدمت میں ہرات سے سمرقند آئے ان ایام میں مولنا اسمٰعیل قمری اور مولنا اسمٰعیل شمسی دونوں حضرت کی خدمت میں تھے لہٰذا اصحاب نے ان کو مولنا اسمٰعیل ثالث سے یاد کیا چنانچہ وہ اسی لقب سے مشہور ہوگئے۔ بعض لوگ بیان کرتے تھے کہ ان کے سمرقند آنے سے چند روز قبل حضرت اقدس نے فرمایا کہ ایک قابل آدمی میرے لئے آرہا ہے۔ انھیں ایام میں مولنا اسمٰعیل ثالث ہرات سے آئے اور حضرت اقدس نے ان پر بہت عنایت فرمائی۔ اتفاق سے اس وقت اس مجلس میں انگور رکھے ہوئے تھے۔ آپ نے ان میں سے ایک خوشہ اٹھا کر ان کو عطا فرمایا اور ان پر ایسا تصرف فرمایا کہ ان کا حال متغیر ہوگیا اور غیبت و بیخودی کی ایسی کیفیت ان پر طاری ہوئی کہ وہ خوشہ ہاتھ سے چھوٹ کر ان کی گود میں گر پڑا۔ اور وہ دیر تک اسی غیبت و بیخودی کی حالت میں پڑے رہے۔ جب ہوش میں آئے تو آپ کی خدمت پر کمربستہ ہوگئے۔ وہ ایک قد آور اور قوی ہیکل آدمی تھے۔ جب تک حضرت اقدس حیات رہے وہ مردانہ وار آپ کی خدمت کرتے رہے اور سفر و حضر میں موجود رہے۔ پھر آپ کی وفات کے بعد حجاز چلے گئے اور حرم مکہ میں مجاورت کی نیت سے مستقل سکونت اختیار کی اور اس سرزمین میں مرجع خلائق رہے۔ (رشحات ۲۰۱)

واقعۂ وصال

"الا ان اولیاء اللہ لایموتون بل ھم ینتقلون من دار الی دار"

فنا کیسی بقا کیسی جب اس کے آشنا ٹھہرے   کبھی اس گھر میں جا اترے کبھی اس گھر میں جا ٹھہرے

اس محفل اشک و آہ اور منزل آب و گل میں آپ کا وجود باجود وہ نعمت عظمیٰ اور انعام غیر مترقبہ تھا جس سے محرومی اس دور کی سب سے بڑی بدقسمتی شمار ہو سکتی ہے اپنی عمر عزیز او جو کے تقریباً نواسی سال تک رشتۂ ناسوتی میں منسلک رہنے کے بعد اب وہ وقت آگیا تھا کہ جز و کل میں مل جائے وہ ہستی جو عالم مستی میں بھی باہوش و باکمال رہی جو دینوی جلال و جبروت کا ایسا نمونہ تھی جس سے بڑے بڑے سلاطین لرزتے تھے جس کے چشم و ابرو کے اشاروں اور کنایوں پر امرار سر تسلیم خم کر دیتے تھے جس کے تارِ نظر سے ملکوں کے قضیئے فیصل ہوتے تھے جس کے حلقۂ اقتدار کی وسعت سے ہزاروں بندگان خدا محفوظ و مامون تھے جس کا ایک ایک لمحہ خلق خدا کے غموں کو دور کرنے کے مرہم ڈھونڈھتا رہتا تھا جس کا دل تمام دولت سرمد کے ساز و برگ رکھنے کے باوجود معرفت و محبتِ الٰہی سے معمور رہا جس کا ہر بُنِ مو زبان حال سے یہ اعلان کرتا رہا ہ

بخدا کہ سینہ ام را بشگاف وجاں بروں کن   کہ درون خانۂ تو دگرے چہ کار دارد

جس میں غیر اللہ اور ماسویٰ کی کہیں گنجائش نہ تھی جس کے خانۂ دل پر اس حسنِ ازل کا قبضہ تھا جس کی تجلیوں نے ان کی ہستی کو سراپا نور ہی نور کر دیا تھا اور جس کے باعث تسخیر قلوب کا وہ اسمِ اعظم ان کو عنایت ہوا تھا کہ ساری خدائی اُن کے قدموں پر سر نیاز خم کرتی رہتی تھی جن کی ظاہری دولت و ثروت اور افراط متاع دنیا ان کی نظروں میں ایک ذرۂ خاکی سے بھی حقیر درجہ رکھتی تھی جو دولت کونین کو املاکِ حق سمجھ کر خلق عامہ کی فلاح و بہبودی اور راحت رسانیوں کا ذریعہ بنائے رہے یہی دولت جو اہل دنیا کے لئے عذاب جان اور برباد کنِ عافیت بن سکتی ہے وہ اس کے ہاتھوں مفاد عامہ کا ایسا کارآمد اور مؤثر ذریعہ بنی کہ اس کے شجرِ

طوبیٰ کے سایہ میں لوگ سکون و اطمینان کی زندگی بسر کرتے رہے اور خوش وقت و خوش حال رہے جس نے باہم یک دگر مخالف بادشاہوں کی سرحدوں کی نشاندہی کی اور ان کے حلقہ اقتدار کو تشخیص اور مقرر کرکے ان کو صلح و آشتی کی سعادت سے نوازا۔ اب وہ وقتِ موعود آگیا تھا کہ جاہ و جلال۔ کروفر۔ رعب وداب اور افواجِ ظفر موج رکھتے ہوئے بھی ان تمام بادشاہوں کے تاج سرنگوں ہو جائیں طالب مطلوب سے جاملے اور جب وہ چشم ظاہر سے پردہ فرمائے تو اپنے تصرفِ باطنی کا ایک مستقل اور پائدار اثر چھوڑ جائے اور جس کے سلسلہ کے مابعد بزرگ اس روحانی شمعِ فروزاں سے اکتسابِ نور کرکے زہد و ورع، تقویٰ اور کمالات روحانی میں سرآمد روزگار ہو کر نقشبندی کے کارحسین میں مشغول رہیں آج بھی نقشبندیہ سلسلہ شرع پر سختی سے کاربند اور اپنے مشغلۂ حسین میں نمایاں مقام رکھتا ہے جس کے بزرگوں میں سادگی و پرکاری۔ بے خودی و ہشیاری کے اوصاف نمایاں رہے۔

رشحات کے مصنف لکھتے ہیں کہ جب دوبارہ راقم حروف ۲۴ ربیع الآخر ۸۹۳ھ میں آستان بوسی سے مشرف ہوا تو ایک روز آپ اپنی عمر شریف کے سلسلہ میں گفتگو فرما رہے تھے اسی دوران فرمایا کہ تین سال چار ماہ بعد میری عمر کے نوے سال پورے ہو جائیں گے (یعنی عمر میں تین سال چار ماہ اور جوڑ دیئے جائیں) آپ کے مرض کی ابتدا یکم محرم الحرام ۸۹۵ھ سے ہوئی اور وفات اسی سال ۲۹ ربیع الاول کو ہوئی یعنی کل ایام مرض کی تعداد نواسی روز رہی وفات سے بارہ روز قبل فرمایا کہ اگر زندگی باقی رہی تو پانچ ماہ بعد نواسی سال پورے ہو کر عمر نوے میں داخل ہو جائے گی بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس میں بعید یہ ہے کہ آپ کے مرض کی میعاد بھی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی مدت کے مطابق ہوئی گویا اس حدیث شریف حُمّٰی یَوْمًا کَفَّارَۃُ سَنَۃٍ (ایک دن کا بخار ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے) کے معنی متحقق ہو گئے۔

مولانا محمد قاضی اپنے مسموعات میں لکھتے ہیں کہ "حضرتِ اقدس جب پہلی بار علیل ہوئے تو مجھے طبیب بلانے کے لئے ہرات بھیجا مولانا قاسم علیہ الرحمتہ اس وقت صحت مند تھے۔

ے مولانا قاسم خواجہ صاحب کے جلیل القدر خلیفہ اور اصحاب میں تھے اور آپ کے اس حد تک مقبول تھے کہ سب

بقیہ اگلے صفحے پر

مجھ سے بہت اصرار سے فرمایا کہ جاؤ اور جلد طبیب کو لے آؤ۔ مجھ سے حضرت کی تکلیف اب دیکھی نہیں جاتی

بقیہ حاشیہ۔ لوگ آپ کو سایۂ خواجہ احرار کہتے تھے۔ پیر کی اتباع اور فنافی الشیخ میں درجۂ کمال پر فائز تھے جس کا بیّن ثبوت مندرجہ ذیل واقعہ سے ظاہر ہے۔ استغراق توحیدی آپ پر غالب تھا جس کی وجہ سے اکثر بے خود رہا کرتے تھے ابتدا میں حضرت کے باغ کی دیکھ بھال آپ کے سپرد تھی روزانہ صبح کو پھاوڑا کندھے پر سنبھال باغ چلے جاتے تھے۔ جاتے وقت ان کی بیوی چند روٹیاں پکا کر جیب میں رکھ دیا کرتی تھیں شام تک پھاوڑا چلاتے شب میں واپسی پر جب کپڑے اتارتے تو وہ روٹیاں جیب ہی میں رکھی ہوتی تھیں۔ طریقۂ خواجگان میں ایسے کھو جاتے تھے کہ یہ یاد ہی نہ رہتا تھا کہ ان روٹیوں کو کھانا چاہیئے یا جیب میں رکھنا چاہیئے۔ سچ ہے

مل گئی بے خودی شوق سے راحت کیسی ہو گئی دونوں جہاں سے مجھے فرصت کیسی

ایک روز حضرتِ اقدس اپنے گاؤں میں ایک خیمہ میں تشریف فرما حقایق و معارف بیان فرما رہے تھے۔ مولنا قاسم تھوڑی تھوڑی دیر بعد بیخود ہو جاتے تھے اور آپ اپنے تصرف سے انکو پھر اصلی حالت پر واپس لے آتے تھے جب کئی بار یہ واقعہ پیش آیا تو آپ کو غصہ آگیا اور فرمایا کہ میں تو حقایق بیان کر رہا ہوں اور تم دوسرے عالم کی سیریں کر رہے ہو کیا تم کو علم نہیں کہ حلقہ میں بیٹھنے والے کو حلقہ سے باہر قدم نکالنا سخت بے ادبی ہے مولنا جامیؒ مولنا قاسم کے مقابلہ میں کسی کے معتقد نہ تھے ان کی بہت تعریف فرماتے متعدد بار فرمایا کہ مولنا قاسم اس نسبت میں گھی ملی ہوئی روٹی کی طرح ہیں یعنی ان کا ریشہ ریشہ رواں رواں اس نسبت سے معمور ہے رشحات کے مصنف نے پہلی بار جب حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضری کا قصد کیا تو حضرت مولنا جامی سے اجازت چاہی انھوں نے فرمایا تم ابھی بہت چھوٹے ہو (میں اسوقت ۲۲ سال کا تھا) اور حضرت بہت بڑے اور اب وہ طالبین کی طرف کم توجہ فرماتے ہیں ایسا نہ ہو کہ تم جاؤ اور وہاں سے بجائے خوش ہونیکے افسردہ و غمگین واپس آؤ اگر جانا ہی چاہتے ہو تو پہلے مولنا قاسم کی خدمت میں جاؤ اور ان کی ملازمت میں رہو عرض کیا کہ حضور براہ عنایت انکو ایک سفارشی خط لکھدیں تو زائد بہتر ہے انھوں نے انکی خواہش پر ایک پرچہ لکھدیا (جو رشحات میں تحریر ہے) جب انھوں نے خط دیکھا تو کھڑے ہو گئے بوسہ دیا، اور سر پر رکھا اور جب تک آپ رہے وہ بڑی عنایت فرماتے رہے ایک روز تنہائی میں آپ سے فرمایا کہ میرے پاس کوئی علم و ہنر ایسا نہیں جو تمہیں بتاؤں لیکن چونکہ تم ایک صالح اور نیاز مند نوجوان ہو اور مولنا جامی کی ایسی سفارش لائے لہٰذا حضرت کی ایک ایسی بات تم سے بیان کرتا ہوں جو اس سے قبل کسی سے نہیں بتائی اور وہ یہ ہے کہ حضرتِ اقدس تمام مخلوق کے احوال پر مشرف اور قلوب پر مطلع ہیں ساٹھ سال کی عمر میں میرے ظاہری و باطنی اقوال میں کوئی فعل ایسا صادر نہیں ہوا جس سے آپ واقف نہ ہوں اور اسکے واقع ہونے سے پیشتر مجھے آگاہ نہ فرمادیں میر عبدالاول اپنے مسموعات میں لکھتے ہیں کہ ۶ ذی الحجہ ۸۹۱ھ بوقتِ ظہر مولنا قاسم نے وفات پائی شام کو جب میں حاضر ہوا تو حضرت اقدس بہت روئے اور انکے اخلاق حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ بیان کر کے فرمایا کہ فنائیت اور تجرید باطن میں انکا مثل نہ تھا افسوس اب ہمارے پاس کیا رہا۔

تلمیح دفات :- شمعِ فقر ارقاسم انوار وجود ۔ مستہلک بحر جمع و دریائے شہود ۔ زال رو کہ برستہ بود از فیضِ وجود ۔ تاریخ وفاتِ او ز فیاض کشود ۸۹۱ھ

رشحات (۱۸۶)

یہ کہتے ہوئے کافی دور تک میرے ساتھ ساتھ آئے جب میں طبیب کو لیکر آیا تو حضرت مولٰنا وفات پا چکے تھے . . . . . جب حضرتِ اقدس کو ان کی وفات کا علم ہوا تو فرمایا" ایک روز مولٰنا قاسم میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں اپنے کو حضور پر قربان کردوں گا میں نے کہا قاسم! تم فقیر (غریب) اور بال بچے دار آدمی ہو۔ ایسا نہ کرنا۔ کہنے لگے۔ میں اس سلسلہ میں حضور سے مشورہ لینے نہیں آیا ہوں میں یہ کام کر چکا ہوں اور اللہ نے اسے قبول بھی فرمالیا ہے میں ان کو منع کرتا رہا لیکن وہ یہی کہتے رہے پھر چلے گئے اور واقعی یہی ہوا کہ ان کے جانے کے دوسرے ہی روز سے حضرتِ اقدس کا مرض مولٰنا قاسم میں منتقل ہو گیا اور حضرت اقدس ایسے صحتیاب ہوئے کہ طبیب کی بھی ضرورت نہیں رہی[۱]

حضرت مولٰنا ابو سعید اوبہی (جو حضرت اقدس کے زمانہ علالت میں شب و روز آپ کی نقل و حرکت اور نشست و برخاست میں ہمہ وقت حاضر اور آپ کی خدمت و تیمار داری میں مستعد و کمربستہ رہتے تھے) کا بیان ہے کہ ۲۰ ربیع الاول ۸۹۵ھ شب چہار شنبہ جب کہ تحویلِ حوت کا وقت تھا آپ چہار شنبہ کے روز خواجہ کفشیر کے محلہ سے کمانگراں گاؤں جانے کے ارادہ سے روانہ ہوئے اور شب پنجشنبہ کو محلہ غوجیاں کے باغ میں قیام فرمایا۔

---

[۱] رشحات ۱۸۵ [۲] مولٰنا ابو سعید اوبہی آپ کے خلیفہ اور عالم باعمل تھے بتیس سال کی عمر سے خواجہ احرار الاولیاء کی خدمت میں آمد و رفت رکھتے تھے ان سے تعلق پیدا ہونے کا سبب یہ ہوا کہ مرزا الغ بیگ کے مدرسہ میں درسی علوم کی تحصیل میں مشغول تھے اچانک بلا کسی سبب کے علوم ظاہری سے تکدر پیدا ہوا اور بے اختیار مدرسہ چھوڑنے کا عزم کر لیا وہاں سے روانہ ہوئے تو راستہ میں ایک دوست سے ملاقات ہوئی پوچھا کہاں سے آتے ہو اس نے جواب دیا کوہ نور سے شیخ الیاس عشقی کے پاس سے آرہا ہوں آپ یہ سنکر کوہ نور کی جانب روانہ ہوئے راستہ میں احرار الاولیاء کے مدرسے کے پاس سے گذرے اس وقت احرار الاولیاء سواری سے اتر کر مدرسہ کے دروازہ پر کھڑے ہوئے تھے آپ نے سوچا کہ خواجہ سے ملاقات کر کے کوہ نور کو چلنا چاہیئے جیسے ہی خدمت میں حاضر ہوئے تو احرار الاولیاء نے یہ شعر پڑھا ؎

تو کوہ کجا روی بہ من باغش۔ امروز معاذ مد جبل نیست۔ آپ کو مضمون شعر سننے پر حیرت ہوئی دل میں کہا کہ اگر خواجہ نے میرے حال کے مطابق خیال فرمایا ہے تو دوبارہ پھر پڑھیں گے اسی خیال میں تھے کہ خواجہ نے آپ کا نام لیکر فرمایا (حالانکہ آپ کو ان کا نام معلوم نہ تھا) کہ یہ شعر جو تم نے سنا شیخ کمال کا ہے پھر دوبارہ اسے پڑھا اسی وقت سے آپ کی محبت و عقیدت بڑھتی گئی اور پھر آپ ہی کی خدمت میں رہے اور فیوض و برکات اخذ کئے (اذکار ابرار ۱۷۵) آپ کا مفصل حال رشحات میں مذکور ہے

اور صبح کو مصر کے راستہ سے کمانگراں روانہ ہوئے لیکن مرض کی شدت اور ضعف کے باعث اس دن اور اس رات مصر ہی میں قیام فرمایا پھر جمعہ کی صبح کو کمانگراں کی جانب روانہ ہوئے اور راستہ میں تھوڑی تھوڑی دیر بعد توقف فرماتے اور ٹھہر ٹھہر کر چلتے تھے شب شنبہ کو عشاء کے وقت کمانگراں پہنچے اور پورے سات روز وہاں قیام فرمایا اور جمعہ کی صبح سے آخر روز تک لحہ بہ لحہ ضعف بڑھتا ہی گیا ان تین ماہ کی مدت میں یعنی مرض کی حالت میں فرض نماز کی ادائگی کا بطور خاص لحاظ فرماتے اور اسے ہمیشہ نہایت اہتمام کے ساتھ ادا فرماتے تھے اور اسے اول ہی وقت پڑھ لیا کرتے تھے خصوصاً شدتِ مرض اور ضعف میں اس کا خاص خیال رکھتے تھے جب کمزوری اور ضعف بہت بڑھ گیا تو ۲۹ ربیع الاوّل شام کی نماز کے وقت فرمایا کہ شام کی نماز تو ہو چکی ہوگی لوگوں نے عرض کیا کہ جی ہاں ہو چکی آپ نے اشارہ سے نماز ادا کی عشاء کی نماز کے بعد تھوڑا وقت گذرا تھا کہ روحِ مبارک نے صعود فرمایا اور جوارِ رحمت میں پیوست ہو گئی جب آپ کی حالت میں تغیر پیدا ہوا تو وہ جمعہ کے دن کا ابتدائی وقت تھا یکبارگی زمین لرز اٹھی اور شہر سمرقند میں بہت سخت زلزلہ آیا اور فضا میں غبار چھا گیا اس وقت لوگ جامع مسجد میں تھے جن میں بیشتر لوگوں کو آپ کی شدتِ علالت کا علم تھا جب اس زلزلہ اور ان علاماتِ عظمیٰ کو دیکھا تو آپ کے بارہ میں یہ یقین ہو گیا کہ ضرور کوئی سانحہ عظیم رونما ہوا ہے بعد نماز جمعہ لوگوں کا ایک سمندر امنڈ پڑا اور شہر سے نکل کر کمانگراں روانہ ہوا اور عشاء کی نماز کے وقت جب حضرت کی روح مبارک نے ملاءِ اعلیٰ کی جانب کوچ فرمایا تو دوبارہ پھر زمین لرز اٹھی اور شہر سمرقند میں شدید زلزلہ آیا اور مرزا سلطان احمد اپنے تمام ارکانِ دولت کے ساتھ غروب آفتاب کے وقت شہر سے کمانگراں شام کی نماز کے بعد آپ کے پاس پہنچے اور پنجشنبہ کے روز صبح کے وقت میر درویش محمد ترخان بعجلت مرزا کے (پاس) سامنے سے آئے اور آپ کی نعشِ مبارک کو ایک میانہ میں رکھ کر شہر کی جانب روانہ ہوئے اور فجر کی نماز خواجہ کفشیر کے محلہ میں ادا کر کے فوراً غسل اور تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے اور فراغت کے بعد شہر کے تمام خواص و عام نے ملّایوں کے احاطہ میں آپ کی نماز جنازہ پڑھ کر اسی احاطہ میں دفن کیا اور آپ کی اولادِ بزرگوار نے اس جگہ ایک رفیع الشان مقبرہ کی بنیاد رکھی اور آپ کے مزار مبارک کو نہایت عمدہ اور خوشنما انداز اور بہترین طور پر تعمیر کیا۔

بعض لوگ جو آپ کی وفات کے وقت موجود تھے نیز بعض وہ حضرات جنھوں نے حضرت خواجہ محمد یحییٰ سے سنا تھا بیان کرتے تھے کہ جب آپ کی روحِ مبارک کی رخصتی کا وقت قریب ہوا تو وہ مغرب وعشاء کا درمیانی وقت تھا اور گھر میں بہت سے چراغ جل رہے تھے جن کی روشنیوں سے پورا گھر خوب روشن تھا اچانک لوگوں نے دیکھا کہ آپ کی ابروانِ مبارک کے درمیان سے بجلی کی ایسی تیز روشنی نکلی جس نے گھر میں جلتی ہوئی تمام روشنیوں کو مدھم کر دیا اور وہاں جتنے لوگ موجود تھے سب نے یہ چیز مشاہدہ کی سلہ

اعلی اللہ تعالیٰ درجۃ فی علیین مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین روح اللہ روح اسلافہ وطول اللہ عمر اخلافہ،

حضرت مخدومی مولانا نورالدین عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ السامی نے آپ کا مرثیہ لکھا اور تاریخ وفات کے سلسلہ میں ایک غزل اور قطعہ نظم کیا جو ان کے تیسرے دیوان میں مذکور ہے اور امیر علی شیر (شاگرد حضرت جامیؒ) نے بھی آپ کی وفات پر ایک قطعہ نظم کیا ہے جو درج ہے ۔

خواجۂ خواجگان عبید اللہ — مرشدِ سالکانِ راہ یقیں
شد بہ خلد بریں کہ در فوتش — سال تاریخ گشت خلد بریں سلہ

مولانا محمد قاضی لکھتے ہیں کہ آپ نے اپنے مرض الوصال میں یہ وصیت فرمائی کہ میں نے سوچا تھا کہ ایک اور عمارت اس زمین پر بنوا دوں جو "مسجد نگاریں" کے مقابل میں نے خریدی ہے اور اس میں تفسیر۔ حدیث۔ فقہ۔ اور مصنفات امام غزالی کے درس کے لئے ایک مدرسہ اور کھول دوں ۔ اور پچاس ہزار اشرفی کی جائداد خرید کر "بازار سوزن فروشاں"، کی مسجد کے لئے وقف کر دوں تاکہ مدرس امام۔ خدام اور موذن کو کچھ اور زائد دیا جا سکے اور ان عمارات کی آئندہ مرمت وترقی بھی اسی آمدنی سے کی جا سکے اس جائداد کی آمدنی جس طرح میری زندگی میں اس مدرسہ پر خرچ ہو رہی ہے میرے بعد بھی اس پر خرچ ہو سلہ

نیز وہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نے ایک روز مجھ کو بلا بھیجا اور فرمایا کہ زندگی کے آخری ایام

سلہ رشحات ۲۰۷ سلہ تاریخ حبیب السیر جلد سوم جزو سوم ص ۲۲۰ سلہ مقامات عبایہ ۱۸۵

میں میری یہ خواہش ہے کہ اپنے آباء واجداد کے مزارات پر حاضر ہو کر فقراء کا پیٹ بھروں اور یہ وہ زمانہ تھا جب ترکستان میں سخت قحط پڑا ہوا تھا اور آپ اس سے دل شکستہ ہو کر "شاش" آئے تھے فرمایا کہ یہ خدمت میں اپنے ذمہ لوں یا تم لوگے میں نے اس خدمت کو اپنے سر لے لیا ایک ایک دن میں اتنی اتنی بکریاں حلال کی جاتی تھیں جن کا شمار مشکل تھا میں خود اپنے ہاتھ سے مزارات پر موجود رہ کر فقراء کو تقسیم کرتا تھا گرد و نواح میں جتنا خربوزہ بویا گیا تھا وہ سب انھیں فقراء کو بانٹ دیا گیا یہ رمضان کا مہینہ تھا مگر میری عدیم الفرصتی کا حال یہ تھا کہ افطار کرنا بھی دشوار ہو جاتا تھا [1]

---

[1] مقامات عالیہ ۱۵۰

اولاد بزرگوار

حضرت خواجہ محمد عبداللہ نقشبندی

حضرت خواجہ کلاں ۔معروف بہ خواجہ عبداللہ یہ آپ کے بڑے صاجزادہ تھے اور خواجہ کے خواجہ کے نام سے مشہور تھے ۔علومِ ظاہری و باطنی سے آراستہ ۔علوم نقلی و عقلی میں درجۂ کمال پر فائز۔ کتاب و سنت کے علوم میں دقیق النظر۔ حدید البصر اور نکتہ رس محقق تھے ۔ کوئی دقیقہ ان کی نگاہِ حقیقت بین سے پوشیدہ نہ تھا۔ باوجود علوم ظاہری میں متبحر ہونے کے والد محترم کی نسبتِ باطنی سے بھی فیضیاب تھے ۔ بعض خدام ان کے تصرفات اور خرقِ عادات (کرامات) کے متعدد واقعات بیان کیا کرتے تھے خود والدِ محترم انکی بہت تعظیم و توقیر فرماتے اور اعزازی طریقہ پر سلوک فرماتے تھے ۔ باپ اور بیٹے کے برتاؤ کی طرح پیش نہیں آتے تھے یعنی بیٹے کی عزت بہت زائد کرتے تھے ۔ ایک روز والدِ محترم خواجہ کفشیر کے محلہ میں ملاؤں کے احاطے کے اندر حجرہ میں رومال باندھے ہوئے نہایت اطمینان سے آزادانہ بیٹھے ہوئے تھے اور مخصوص حضرات خدمت میں حاضر تھے ۔ اچانک کسی نے آکر بتایا کہ "خواجہ کلاں آرہے ہیں" ، وہ ان ایام میں "درین" میں تھے ۔ جہاں کا خاص گاؤں تھا اور شہر سے ایک منزل پر تھا ۔ ہر دوسرے تیسرے مہینہ ایک بار خدمت میں حاضر ہوتے ۔ جیسے ہی آپ نے ان کی آمد کی خبر سنی تو پگڑی ۔ موزے ٹپکہ منگوایا اور رومال سر سے اتار کر پگڑی باندھی ۔ موزے پہنے اور ٹپکہ باندھا پھر چند قدم ان کی پیشوائی کو بڑھے اور اپنے حجرہ میں لاکر لوگوں کے آگے بٹھایا ۔ ان کیساتھ ایک جماعت علمائے سمرقند کی تھی ۔ تھوڑی دیر تک تو سب خاموش رہے پھر حضرتِ اقدس نے خواجہ کلاں سے فرمایا کہ "باتیں کرو اور فوائد حاصل کرو"۔ انھوں نے انکساری برتی ۔ حضرتِ اقدس نے یہ دیکھکر تفسیر قاضی اٹھائی اور اسے کھول کر ایک آیت کے سلسلہ میں گفتگو کا آغاز کیا ۔ خواجہ کلاں نے اس آیت میں تمام علمائے ظاہر و باطن کے اقوال اور تحقیقات بیان کیں ایسا کہ تمام موجودہ اکابرِ علماء ان کے علمی تبحر پر متحیر و دنگ رہ گئے ۔ پھر کھانا لایا گیا اور کھانے سے فراغت کے بعد جب خواجہ کلاں واپسی کیلئے اٹھے ۔ تو حضرتِ اقدس (والدِ محترم) نے چند قدم

چل کر ان کو رخصت کیا۔ پھر آکر بیٹھ گئے موزے اتارے۔ اور بدستور رومال باندھ کر بیٹھ گئے[1]

مصنفِ "رشحات" مولانا علی صفی لکھتے ہیں کہ ایک بار میں آپ کی خدمت میں "ورسین" کے محلہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک تقریب سے آیہ کریمہ قلنا یا نار کونی برداً و سلاماً علی ابراہیم کی تفسیر کا ذکر نکلا آپ نے تمام علمائے ظاہر کے اقوال نہایت عمدہ طریقہ پر بیان کئے اور حکماء نے جو یہ تاویل کی ہے کہ نار سے مراد نمرود کی آتشِ غضب اور برد سے مراد شعلۂ غضب کا فرو ہونا ہے۔ اس تاویل کے رد میں معقول اور حکمی دلائل سے یہ ثابت کر دیا کہ وہ نار عنصری نار تھی اور برودت اسکی ماہیت پر عارض ہوئی۔

ایک ہدایتی فرمان جس میں والدِ بزرگوار نے آپ کو نصیحت فرمائی اور تلقین کی ہے یہ ہے

"فرزند نور چشم۔ تم کو ایسی ہمت رکھنی چاہیئے کہ جن باتوں کا جاننا تم پر فرض ہے اور جن کے بغیر قطعی ممکن ہی نہیں ہے۔ جیسے اعتقادِ صحیح رکھنا اور علم کا احکامِ الٰہی کا جاننا۔ ان سب باتوں سے تم جلد اپنے کو فارغ کر لو اور ظاہری و باطنی دائمی عبادات میں مشغول ہو جاؤ۔ اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل سے اپنے غیر کا اعتبار۔ تعظیم اور دید دور کر کے تم کو ہمہ تن انھیں تمام امور میں مشغول کر دے جو تم سے مقصود ہیں۔ خداوند۔ جن اصحاب کو تو نے محض اپنی عنایت سے اپنے غیر کے اعتبار۔ تعظیم اور دید سے نجات دی ہے ان اصحاب کے قرب کے طفیل میں حقیر اور ضعیف بندہ زادہ کو جس کے لئے تیری عنایت۔ رافت اور رحمت کے سوا کوئی امید کی جگہ نہیں ہے تمام گرفتاریوں سے رہائی عطا فرما"۔ بمنہٖ وکرمہٖ ۔

غیرِ حق ہر ذرہ کان مقصودِ تست   تیغ لا برکش کہ آں معبودِ تست

آپ کے حالات کا بیان مختصراً یہ ہے کہ جب شاہ بیگ خاں کا تسلط اور ظہور ہوگیا تو آپ لوگوں کے آثار و اطوار سے زمانہ کی تباہی معلوم کر کے اپنے وطن سے بحکم الفرار مما لا یطاق من سنن المرسلین (جن تکالیف کی برداشت کی قوت نہ ہو ان سے بھاگنا رسولوں کی سنت ہے) اندجان کی طرف ہجرت فرما گئے لیکن اس جگہ کو بھی آپ کی طبیعت نے پسند نہ کیا لہٰذا جلد از جلد عالمِ فردوس کو جانے کیلئے آخری سفر کا سامان باندھ لیا۔ اور آپ کی نعش کو لوگوں نے اس ملک سے تاشقند لا کر آپ کی والدہ ماجدہ کے پہلو میں دفن کیا[2]

---

[1] رشحات ۱۷۷-۱۷۸ [2] اذکارِ ابرار ۳۲۸

آپ کے شاگرد مولانا حسن مجرد (جنھوں نے آپ سے صحیح بخاری وغیرہ بھی پڑھی ہے) بیان کرتے تھے جب آپ کی روحِ مبارک نے جدائی اختیار کی اور ہم نے چہرۂ اقدس کو ڈھانپ دیا تو آپ کے صاحبزادہ نے "ہائے بابا" کہہ کر نعرہ فرمایا آپ میں حرکت پیدا ہوئی۔ ہم نے یہ دیکھ کر جیسے ہی چہرۂ اقدس سے کپڑا ہٹایا تو آپ نے فرمایا "مجھ کو نیند سے کس نے بیدار کیا۔ پھر فرمایا کہ مجھے اِس کتاب (بخاری شریف) سے کوئی حدیث سناؤ میں نے جیسے ہی کتاب کھولی تو معراج کا واقعہ نظر پڑا۔ میں نے اس خیال سے قلبِ مبارک افسردہ و ملول نہ ہو کتاب کو بند کر کے دوبارہ کھولا۔ پھر وہی حدیث نکلی میں نے پھر کتاب بند کر دی۔ جب تیسری بار اسے کھولا تو بھی وہی حدیث برآمد ہوئی (مجبوراً) میں نے وہی حدیث پڑھنا شروع کی۔ چونکہ میں شدتِ رنج و غم سے بیقرار ہو رہا تھا لہٰذا اعراب کو غلط پڑھ گیا۔ آپ نے میری جانب تیز نظروں سے دیکھ کر سرِ مبارک ہلایا اور رحمتِ حق سے واصل ہو گئے۔ [1]

نیز وہ بیان کرتے تھے کہ اسی روز میں نے یہ خواب دیکھا کہ ایک بہت بڑا مجمع ہے جس میں تمام بزرگانِ دین موجود ہیں اور ایک بلند گنبد میں جس کی چھت اور دیواریں رنگ برنگے چینی کے ٹکڑوں سے مزین ہیں ایک جماعت سپاہیوں کی صورت میں ہاتھ میں تلواریں لئے بیٹھی ہے اور آخری صف سے ایک صف پہلے میں بیٹھا ہوں میں نے ان میں سے ایک سے پوچھا کہ یہ جماعت کیسی ہے؟ انھوں نے کہا کہ "آج قطب اس دنیا سے چلا گیا اِس جماعت میں سے کسی ایک کو قطب کریں گے لیکن ابھی تک یہ طے نہ ہوسکا ہے کہ کس کو کریں گے۔ [2]

---

[1] مقاماتِ عالیہ ۱۹۴ [2] مقاماتِ عالیہ ۱۹۴

حضرت خواجہ محمد یحییٰ رحمتہ اللہ علیہ

دوسرے صاحبزادہ خواجہ محمد یحییٰ تھے جو اپنے پدرِ بزرگوار کے جانشین ہوئے۔ یہ اپنے والد بزرگوار کے بہت مقبول و محبوب تھے ایسا کہ انھوں نے اپنی آخری عمر میں اِن کو اپنا قائم مقام کیا اور اپنے مزار کی تولیت سپرد فرمائی جب کبھی وہ پدرِ بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوتے تو وہ بہت زائد حقایق و معارف فرماتے اور ان سے مخاطب در اصل حضرت خواجہ ہی ہوتے تھے۔ حالانکہ حقایق و معارف کے بیان کے وقت اور اکابرِ علماء و فضلاء و عرفاء بھی موجود ہوتے تھے حضرت مخدومی مولانا نور الدین عبدالرحمٰن جامیؒ خواجہ محمد یحییٰ کے بہت معتقد و معرف تھے۔ فرماتے تھے کہ خواجہ محمد یحییٰ کو طریقۂ خواجگان سے کامل مناسبت ہے۔ خواجہ پر نسبتِ علمیہ غالب ہے اور خواجہ محمد یحییٰ پر نسبتِ جذبہ۔

مصنف رشحات لکھتے ہیں کہ خواجہ محمد یحییٰ جب ہری تشریف لائے تو ایک روز حضرت حقایق پناہی کے ساتھ مولٰنا محمد روجیؒ[1] کی ملاقات کو گئے۔ صاحبِ خانہ (مولانا محمد روجی) نے اپنے عزیز مہمان کے ساتھ نہایت ادب کا برتاؤ کیا اور خاطر مدارات و تعظیم میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ لیکن ہمنشینی کا کا تمام وقت طرفین کی خاموشی میں گذر گیا۔ میں دوسرے روز تنہا مولٰنا کی خدمت میں گیا تو ظاہر و باطن کی آراستگی کے متعلق انھوں نے حضرت خواجہ کی تعریف حد سے زیادہ فرمائی۔ جب خواجہ کی خدمت میں واپس آیا تو سنی ہوئی باتیں مختصراً بیان کیں۔ خواجہ نے فرمایا۔ کل کے روز میں آپ کی صحبت میں اپنی فنا اور مولٰنا کے اثبات میں مشغول تھا۔ میری تعریف جو مولانا فرماتے ہیں یہ درحقیقت مولٰنا ہی کی تعریف ہے کیونکہ اس وقت مجھ میں مولٰنا ہی کی حقیقت جلوہ گر تھی[2]

۱؎ مولانا محمد روجی کا لقب شمس الدین اور کنیت ابوالمکارم تھی۔ ہرات کے پرگنوں میں سے کسی پرگنہ کے رہنے والے تھے استقامت و کرامت میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ مولٰنا سعد الدین کاشغریؒ سے بیعت تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ نہایت پرہیزگار اور صالحہ تھیں اور ان کا رتبہ ریاضت و بلند ہمتی میں بہت بڑا تھا۔ فرماتی تھیں کہ میں امید سے تھی۔ ایک رات عالم مثال میں حضور سرور کائنات صلعم کی زبان ما ینطق عن الہویٰ سے نوید پسر سنی۔ اسی کے بعد اسی حمل سے یہ لڑکا پیدا ہوا۔ اس واقعہ کی بنیاد پر محمد نام رکھا گیا۔ کہتے ہیں کہ آغازِ زمانہ ہوش سے لے کر آخری وقت تک آپ کے سلوک میں کسی قسم کی لغزش نہیں آئی۔ آپ نے اپنی تمام عمر راست روی اور اتباع شریعت میں گذاری۔ صاحب کرامات و مقامات تھے۔ (اذکار ابرارص ۱۹۱)

۲؎ رشحات ۱۸۰ - ۱۷۹

خراسان کے ایک شخص بیان کرتے تھے کہ حضرت کی وفات کے بعد میں خواجہ محمد یحییٰ کی خدمت میں بہت حاضر ہوا کرتا تھا ایک روز میں حاضر ہوا آپ مکان کے اندر تھے۔ میں باہر ہی ایک دوکان پر انتظار میں بیٹھ گیا۔ اسی اثنا میں میرے دل میں آیا کہ حضرتِ اقدس تو کبھی کبھی استعداد والوں کے باطن میں تصرف فرماتے تھے۔ اور ان کو عالم بیخودی پر پہنچا دیا کرتے تھے۔ کیا حضرت خواجہ میں بھی تصرف کی قوت ہے۔ یا نہیں۔ یا اب کوئی اس کا اہل ہی نہیں رہا ہے۔ انھیں خیالات میں تھا کہ آپ تشریف لاکر میرے پاس بیٹھ گئے۔ قدرے خاموش رہے۔ پھر فرمایا کہ " ارباب تصرف کی کئی قسمیں ہیں۔ بعض اس کے مجاز و مختار ہیں کہ اللہ کی اجازت اور اپنے اختیار سے جس وقت چاہیں اور جس کے باطن میں چاہیں تصرف کر کے فنا و بیخودی کے مقام پر پہنچا دیں۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو باوجود تصرف کی قوت ہونے کے امرِ غیبی کے بغیر تصرف نہیں کرتے۔ اور جب تک ان کو پہلے سے حکم نہ دیا جائے کسی پر توجہ نہیں کرتے اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن پر کبھی کبھی کوئی صفت اور حال ایسا غالب آجاتا ہے جس سے وہ مغلوب ہو جاتے ہیں اور مریدین کے باطن میں تصرف کر کے اپنے حال سے ان کو متاثر کر دیتے ہیں۔ پس جو شخص نہ مختار ہو نہ مجاز۔ نہ مامور ہو نہ مغلوب اسے تصرف کی امید نہ رکھنی چاہیے۔ اس فرمانے کے ساتھ ساتھ مجھ پر ایسی توجہ فرمائی کہ میں بے خود و بے شعور ہو گیا اور خود فراموش ہو گیا تھوڑی دیر بعد جب ہوش آیا اور آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ اسی دوکان پر ایک پہلو پر (الٹا) پڑا ہوا ہوں اور حضرت خواجہ آنکھیں بند کئے مراقب بیٹھے ہیں۔ میں فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا اور یقین ہو گیا کہ حضرت خواجہ ضرور صاحبِ تصرف ہیں [1]

حضرت خواجہ نہایت غیور اور تند خو تھے اور بے پناہ محبت کی وجہ سے حضرتِ اقدس پر غیرتِ عظیم رکھتے تھے۔ جب کبھی وہ حضرتِ اقدس (والدِ بزرگوار) کی خدمت میں تشریف لاتے تو حاضرین ان کے خوف و رعب کی وجہ سے اٹھ جاتے کیوں کہ ان میں بعض تو ایسے تھے جو حضرت خواجہ کے تھپڑ کھائے ہوئے تھے اور خواجہ نے تین بار اصحاب کی غیرت کی وجہ سے حضرتِ اقدس کی ملازمت اور صحبت ترک کر کے حجاز کی طرف روانگی اختیار فرمائی۔ پہلی بار بخارا تک۔ دوبارہ ہرات تک اور تیسری بار یزد تک۔ لیکن جتنی جلد بھی وہ سفر سے روانہ ہوتے

---

[1] ایضاً ۱۸۰

حضرت اقدس نے اپنی قوت جاذبہ اور توجہ باطنی سے ان کو راستہ سے ہی واپس کر لیا ایک روز قرش
میں بعد نماز ظہر حضرت اقدس کے ساتھ خلوت میں تشریف لے گئے اور باطنی حالات عرض کرنا شروع
کیے، حضرت اقدس حالات سنتے جاتے تھے اور توجہ وعنایت فرماتے جاتے تھے صحبت نہایت
گرم تھی اور تمام اصحاب خلوت کے باہر تھے یہاں تک کہ عصر کا وقت آگیا مؤذن چونکہ اس
خلوت وصحبت سے لاعلم تھا اس نے اول وقت ہی اذان دے دی حضرت اقدس اذان کی آواز
سن کر اٹھ کھڑے ہوئے اور بہت سی باتیں ادھوری و ناتمام رہ گئیں خواجہ کو یہ دیکھکر خیال ہوا کہ
شاید خلوت کے باہر موجود لوگوں کو ان باتوں اور اس خلوت وصحبت سے رشک ہوا ہے اسی لئے
انھوں نے قصداً مؤذن سے جلد اذان دینے کو کہا ہے تاکہ یہ صحبت درہم برہم ہو جائے چنانچہ نہایت
غصہ سے باہر آئے اور لوگوں سے فرمایا کہ لو ہم جاتے ہیں اور حضرت کو تمہارے لئے چھوڑے
جاتے ہیں اب تم بغیر میری مزاحمت کے خوب اچھی طرح صحبت کے فوائد حاصل کرلو اور بغیر
کسی تاخیر کے اور حضرت سے رخصت ہوئے اسی وقت خراسان روانہ ہو گئے خدام اور
متعلقین کو جب اس کا علم ہوا تو اونٹوں پر اسباب سفر لاد کر فوراً آپ کے پیچھے روانہ ہو گئے
اور آب اموریہ کے کنارہ آپ کو جالیا جس وقت شام کو خواجہ روانہ ہوئے تو لوگوں میں ایک
ہنگامہ برپا ہو گیا سب نے اس قصہ کو حضرت اقدس سے بیان کیا آپ ان کے جانے سے بہت
متاثر ہوئے اور اسی وقت ایک قاصد خراسان کی جانب حضرت مخدومی مولانا نور الدین
عبد الرحمن جامی کے پاس یہ کہہ کر روانہ کیا کہ جہاں تک ہو سکے ان کو واپس کردیں چنانچہ جب
خواجہ ہرات پہنچ کر مولانا سعد الدین کاشغریؒ کے مزار پر حاضر ہوئے اور خواجہ ابوالبرکہ کے
مکان پر نزول فرمایا تو حضرت مخدومی نے موقع ومحل دیکھ کر نہایت لطیف پیرایہ اور مودبانہ انداز میں
ان سے واپسی کے لئے اصرار کیا آپ نے نہایت ادب سے فرمایا، مخدوم من! میرا ارادہ اس
سفر کے لئے ایسا مصمم (پختہ) ہو چکا ہے کہ اب میں اس کی تبدیلی پر قادر نہیں ہوں (یعنی اگر میں
چاہوں تو بھی اپنے اس ارادہ میں تبدیلی نہیں لا سکتا) مولانا جامی یہ سن کر خاموش
ہو گئے پھر ان سے کچھ نہ کہا اور قاصد مایوس واپس چلا گیا اور آپ ایک ہفتہ تک وہاں رہے
پھر یزد روانہ ہو گئے، جب یزد پہنچے تو جتنی بار بھی وہاں سے روانہ ہونے کا ارادہ کرتے

نہایت تیز بخار میں مبتلا ہو جاتے اور جب اپنے ارادہ کو فسخ کر دیتے تو اسی وقت بخار جاتا رہتا آخر کار یہ سمجھ میں آیا کہ میرے اس سفر کی حضرت کی اجازت نہیں ہے انھیں ایام میں ایک روز اسی قسم کا خواب دیکھا جیسے ہی بیدار ہوئے مضطرب و بیقرار ہو کر بے اختیار بستر سے اٹھے اور (اصطبل) طویلہ میں جاکر اپنے خاص گھوڑے پر اسی طرح (برہنہ) بغیر کاٹھی چڑھائے ہوئے سوار ہو گئے ملازمین و خدام یہ دیکھ کر آپ کے پیچھے دوڑے آپ نے نوکران سے فرمایا کہ "موزے اور زین وغیرہ لیکر میرے پیچھے آؤ حضرت نے مجھے طلب فرمایا ہے میں رک نہیں سکتا یہ کہہ کر گھوڑے کو ایڑ لگائی اور نہایت تیزی کے ساتھ خراسان کی جانب روانہ ہو گئے اور پیچھے پیچھے تمام ملازمین و متعلقین بھی بعجلت تمام سامان لاد کر دوسری منزل پر خواجہ کے پاس پہنچ گئے ہرات میں بھی توقف نہ کیا محررِ سطور بھی آپ کی رفاقت میں سمرقند کی جانب روانہ ہوا اور یہ سفر اوائل ربیع الآخر ۸۹۳ھ میں ہوا باوجود اس کے کہ فقیر کے پاس جو سواری تھی وہ نہایت تیز رفتار تھی لیکن "حل دختران" تک بھی میں ان کا ساتھ نہ دے سکا کیوں کہ خواجہ اپنی سواری کو نہایت تیز بھگا رہے تھے اور جتنی سواریاں تھیں وہ سب پیچھے رہ گئی تھیں مجھے کئی بار یہ خیال آیا کہ خواجہ سے عرض کروں کہ جب حجاز کا عزم مصمم ہو چکا تھا تو پھر اب اس قدر جلد واپسی کا کیا سبب ہے لیکن ادباً اس خیال سے خاموش رہا کہ ہو سکتا ہے آپ خود اظہار فرمائیں "حل دختران" پہنچنے پر مجھ سے فرمایا کہ میں تو بہت تیز چلتا ہوں تم میرے ساتھ چلنے میں پریشان ہو جاؤ گے بہتر یہ ہے کہ جو لوگ پیچھے آرہے ہیں ان کے ساتھ اطمینان سے آؤ سمرقند میں مجھ سے مل جانا اور شاید تم کو یہ خیال ہو کہ میں حجاز جانے کا مصمم عزم کر چکا تھا اب اس قدر جلد واپسی کا کیا سبب ہے تو سنو بات یہ ہے کہ جس رات میں نے حجاز جانے کا پختہ ارادہ کیا تو خواب دیکھا کہ حضرتِ اقدس تشریف لائے اور میرے جوتوں کو سمرقند کی جانب گھمایا بیدار ہونے پر نہایت بےچین و مضطرب ہوا اور آپ کی جانب سے باطن میں ایسا والہانہ اشتیاق اور کشش پیدا ہوئی جس نے مجھے بالکل بے طاقت اور بے آرام کر دیا اور مجھ سے ایک لمحہ بھی ٹھہرا نہ جا سکا اسی وقت رات ہی میں اٹھا اور طویلہ میں جاکر گھوڑا لیا اور ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر بھگاتا ہوا یہاں تک آگیا

دراصل یہ ساری توجہ حضرتِ اقدس کی ہے جو جذب اور کشش کی صورت میں کمند کی طرح میری گردن اور جان میں ڈال کر کشاں کشاں اپنی جانب دوڑا رہی ہے۔ اور مجھے یہ یقین ہے کہ جب تک آپ کی خدمت میں نہ پہنچ جاؤں گا یہ بیقراری اور اضطراب نہ جائے گا۔[۱] یہ فرمایا اور گھوڑے کو چابک مار کر ہوا ہو گئے یہ فقیر آپ کے خدام اور شتربانوں کے ساتھ ایک ماہ بعد جب آپ کی خدمت میں سمرقند پہنچا تو مجھ سے فرمایا کہ یزد سے واپسی کے بعد پھر مجھے حجاز کے سفر کا شدت سے داعیہ پیدا ہوا چنانچہ میں نے مولنا سید حسن[۵] سے کہا کہ وہ میرے لیے حضرت سے اجازت حاصل کریں مولنا نے موقعہ دیکھکر عرض کیا۔ آپ نے ان سے استفسار فرمایا کہ آخر ان کو اس سفر پر اتنی شدت کیوں ہے اور ان کی غرض اس سفر سے کیا ہے۔ مولنا نے مجھ سے پوچھا۔ میں نے کہا کہ سب سے بڑا سبب میرے اس سفر کا یہ حدیث ہے کہ من زارنی میتاً فکانما زارنی حیاً (جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا میری زندگی میں میری زیارت کی) حضرت اقدس نے فرمایا کہ اچھا تین روز اور توقف کرو ہم دیکھتے ہیں اسمیں کیا مصلحت ہے۔ تیسری شب میں نے خواب دیکھا کہ حضور سرورِ کائنات صلعم تشریف لائے۔ میں نے آپ کے قدموں پر سر رکھدیا۔ حضور نے فرمایا اپنے والد کو بلا لاؤ۔ ہم ان سے ملاقات کریں گے۔ میں نے دوڑ کر آپ کو بتایا آپ فوراً تشریف لے آئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے داہنی جانب بٹھایا اور میں سامنے سر جھکائے آنکھیں بند کر کے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد سر اٹھایا تو دیکھا کہ حضور کے دو جسمِ مبارک ہیں اور حضرتِ اقدس دکھائی نہیں دے رہے ہیں۔ ہر چند میں نے غور کیا لیکن

---

[۱] رشحات ۱۸۲۔ ۱۸۱

[۵] مولنا سید حسن خواجہ احرار الاولیاء کے جلیل القدر خلیفہ، متبحر عالم اور نہایت نیک سیرت تھے۔ ایک روز آپ کے والد بزرگوار زمانہ طفولیت میں آپ کو احرار الاولیا کی خدمت میں لیکر حاضر ہوئے۔ اتفاقاً اس وقت آپ کی مجلس میں ایک پیالہ شہد کا رکھا ہوا تھا۔ آپ کو بہ تقاضائے سن طفولیت شہد کی خواہش ہوئی اور شہد کو دیکھنے لگے۔ اسی درمیان حضرت خواجہ نے آپ سے نام دریافت فرمایا۔ آپ نے فرمایا، شہد۔ احرار الاولیا اس جواب سے بہت محظوظ ہوئے اور تبسم فرماکر کہا کہ چھوٹے سے عنصر میں کامل استعداد اور صحیح قبولیت عطا کی گئی ہے صرف اسی سی بات پر کہ اس کے ذہن نے شہد کا مزہ چکھ لیا ہے۔ ایسا شہد کے خیال میں کھو گیا ہے کہ اپنا نام ہی بھول گیا ہے بلکہ اسے شہد میں گم کر کے کوئی نام ہی زبان پر نہیں لاتا۔ اگر اس کی جان میں شہد سے زیادہ شیرینی کی چاشنی پہنچا دی جائے تو ضرور اس کی توجہ اور استغراقی کیفیت اسمیں زائد ہوگی۔ یہ فرماکر اسی وقت آپ کو والدِ بزرگوار سے لیکر اپنی تربیت میں لیلیا اور ظاہری و باطنی علوم تعلیم فرمائے۔ (اذکار ابرار۔ ۱۸۱)

آنحضرت ؐ اور حضرتِ اقدس میں کسی طرح امتیاز نہ ہوا۔ اور یہ معلوم ہو سکا کہ آنحضرت ؐ کون ہیں، اور حضرتِ اقدس کون۔ اسی حیرت و دہشت میں جاگ پڑا دیکھا تو صبح کا وقت تھا۔ میں فوراً وضو کر کے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ آپ تہجد کی نماز پڑھ کر مراقب بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں آہستہ سے جاکر بیٹھ گیا۔ آپ نے (میری آہٹ پر) سر مبارک اٹھایا اور فرمایا کہ خواجہ تمہارا مطلب حاصل ہوگیا اور مراد پوری ہوگئی۔ اب ہم کو پریشان نہ کرو۔ ہم بوڑھے ہو چکے ہیں اور دیدار غنیمت ہے۔ میں نے آپ کے قدموں پر سر رکھ دیا اور دوبارہ اس قسم کی خواہش میرے دل میں نہ ابھری [۱]

نیز خواجہ بیان کرتے تھے کہ حضرتِ اقدس نے مجھ کو رابطہ کا ایک طریقہ تعلیم فرمایا تھا۔ ایک بار اس شغل کی ابتدا میں آپ خدمت میں بیٹھا ہوا تھا اور اصحاب کی ایک جماعت بھی موجود تھی۔ اس وقت میرے دل میں آیا کہ حضرتِ اقدس کے چہرۂ مبارک کی جانب توجہ کرنا چاہیئے یا آپ کی آنکھوں کی جانب۔ جب میں نے آپ کی جانب نظر کی تو آپ نے انگشتِ شہادت کو اپنی دونوں ابروؤں کے درمیان رکھا۔ میں یہ دیکھ کر سمجھ گیا کہ آپ کی دونوں ابروؤں کے درمیان نظر رکھنا چاہیئے۔ جب سب لوگ چلے گئے تو اور تخلیہ ہوگیا تو آپ نے اس کی وضاحت فرمائی [۲]

نیز وہ بیان کرتے تھے کہ ایک بار مجھ کو سخت انقباض لاحق ہوا۔ جب زائد پریشان ہوا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت افسران کی ایک جماعت اپنے حسابات پیش کر رہی تھی جب ان کی گفتگو نے طول پکڑا تو میں نہایت ملول اور دل گرفتہ ہوا۔ اچانک مجھے محسوس ہوا کہ جیسے کسی درخت پر بہت سی چڑیاں بیٹھی ہوں اور کوئی شخص پھینک کر ڈھیلا مار دے مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ جتنے خواطر میرے باطن میں ہجوم کئے ہوئے تھے اور میں ان سے سخت پریشان تھا یکلخت محو ہوگئے اور سکون ہوگیا اسی حالت میں میں نے حضرت کی جانب نظر کی تو دیکھا کہ آپ مجھے بڑی تیز نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ پھر بہت آہستہ سے فرمایا ایسا کہ میں نے سن لیا کہ "یہ ہے اور وہ ہے اور یہ بھی ہے" پھر افسران سے فرمایا کہ جاؤ مجھے ان سے کچھ کام ہے (باتیں کرنا ہیں) جب سب چلے گئے

---

[۱] رشحات ۱۸۲-۱۸۱ [۲] ایضاً ۱۸۲

تو مجھ سے غصہ سے فرمایا کہ اگر کسی کو کوئی پریشانی یا انقباض ہو تو محض اس کے لئے اپنا سارا کاروبار نہیں چھوڑا جا سکتا اس قسم کی باتیں دل میں نہ لانا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ کوئی ایسا موقعہ پڑ جائے جہاں باپ بیٹے کی بھی گنجائش نہ ہو کوشش اسکی کرنا چاہیئے کہ اس قسم کی باتوں سے تنگدل نہ ہونا چاہیئے اور نہ پریشان ہونا چاہیئے[1]

احرار الاولیاء اکثر خلوتوں میں آپ سے حضرت امیر المومنین امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ کا ذکر کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ تمہاری روح کو شہید دشتِ کربلا کی ولایت اور شہادت کے ساتھ کامل نسبت ہے کہتے ہیں کہ آپ کے والدِ بزرگوار کی وفات کے چند ہی روز بعد شاہ بیگ خاں نے پرگنہ سمرقند ضبط کیا اور محرم ۹۰۶ھ کے پہلے عشرہ میں جمعہ کے روز حضرت خواجہ محمد یحییٰ سے مواخذہ و مطالبہ کرکے جو کچھ نقد و جنس مکانات میں تھا سب سرکار میں داخل کر لیا اور تمام دیہات ۔ آراضی ۔ اور فارم وغیرہ سب سرکاری ملازمین کے سپرد کر دیئے خواجہ کو انتظار تھا کہ شاید عاشورہ کے روز شہادت کا واقعہ بھی پیش آجائے لیکن ایسا نہ ہوا اسی دوران شاہ بیگ خاں نے یہ حکم نافذ کیا کہ آپ معہ فرزندوں مریدوں اور متعلقین کے خراسان چلے جائیں چنانچہ آپ کرمینہ کے راستہ سے خراسان روانہ ہوئے جب تاشقند سے نکل گئے اور محرم کی دسویں تاریخ بھی نکل گئی تو خواجہ کو حیرت ہوئی اور حیرت سے انقباض پیدا ہوا کہ حضرت والد ماجدؒ کا فرمان تو یحییٰ کی شہادت کا مخبر تھا اور یہاں تاخیر نظر آرہی ہے خدا معلوم اس میں کیا حکمت اور کیا مصلحت ہے اسی خیال میں تاشقند سے دو تین منزل آگے گئے تھے کہ اچانک صحرا میں ازبک کی ایک فوج نے حملہ کرکے ظلم و زیادتی شروع کر دی چاروں طرف سے تلواروں اور تیروں کی بارش ہونے لگی بالآخر فوج مذکور نے خواجہ محمد یحییٰ کو معہ ان کے دونوں صاحبزادوں خواجہ محمد زکریا اور خواجہ عبد الباقی کو اسی صحرا میں مظلومی کی حالت میں شہید کر دیا تینوں نسبی اور حسبی بزرگوں کی نعشیں خواجہ کفشیر کے محلہ میں لاکر ملایوں کے احاطہ میں خواجہ احرار الاولیاء کے جوار میں دفن کی گئیں اور مزار بنا دیئے گئے[2]

---

[1] رشحات ۱۸۲ [2] رشحات ۱۸۳ و اذکارِ ابرار ص ۱۷۰-۱۷۱

اقوال

صوفیاء اور خاصانِ خدا کے اقوال و ملفوظات ۔ ارشادات و تعلیمات دراصل حکمِ الٰہی اور ارشادِ رسول اللہؐ کی صدائے بازگشت ہیں جو نغمۂ الست کی یاد تازہ کرتے ہیں اور اس میثاقِ ازل کی یاد دلاتے ہیں جن کا صبحِ ازل اَلَسْتُ بِرَبِّکُم کے جواب میں ارواح نے قالوا بلیٰ سے اقرار کیا تھا ۔ یہ اقوال وہی تجدیدِ عہد ہیں جو منصبِ ولایت پر فائز ہونے اور میراثِ ولایت حاصل کرنے کے بعد ہزارہا بندگانِ خدا کو معرفت کا آبِ زلال مہیا کرتے ہیں ۔ اور ہر شخص بقدرِ ظرف و مراتب اس مئے ناب سے مست و سرشار ہو کر حق و حقانیت کے مراتبِ اعلیٰ پا لیتا ہے ۔ یہ اقوال اس کے جامۂ ہستی کو وہ ملبوسِ زیبا عطا کرتے ہیں جس سے انسانی ذات کے جوہر نکھرتے اور سنورتے ہیں ۔ ان زریں اقوال پر جو تفسیرِ قرآن اور شرح منشائے رسولؐ ہیں عمل پیرا ہو کر وہ اپنے چمنِ ہستی کو شاداب و تازہ ۔ اپنی حیاتِ افسردہ و مردہ کو زندہ و پائندہ بنا کر فنا کے دامن پر بقا کے گل بوٹے بناتے اور نقش ہائے رنگیں رچ دیتے ہیں ۔ یہ اخلاقِ حسنہ سے مزین ہستیاں روتی ۔ بلکتی اور دکھوں ماری انسانیت کے لئے سامانِ مرہم اور اس کے زخمی دلوں کے لئے سامانِ صد التیام مہیا کرتی ہیں ۔ وہ خود شمع آسا عشقِ الٰہی کی آگ میں جلتے تپتے اور سلگتے ہیں لیکن اپنی ذات کی روشنی سے صدہا قندیلیں روشن کرتے ہیں

فاتحِ بابِ ولایتؓ کے اقوال آج بھی رہ نوردانِ راہ طلب کے لئے مشعلِ راہ ہیں ۔ ان کو خلعتِ ولایت عطا ہوا اور وہ ذاتِ نبیؐ کا نقشِ ثانی بن گئے ۔ ان کی حیاتِ اقدس نے گرم و سرد زمانہ ۔ مسرت و غم کے ہر پہلو کو دیدۂ عبرت آشنا سے دیکھا ۔ زمانہ کے بدلتے ہوئے تیور کو پہچانا ۔ تلخ تجربات نے حقائق کی بصیرت عطا کی ۔ ارادوں کی شکست سے اپنے رب کو پہچانا ۔ عزائم کے ٹوٹنے سے شکستگیِ قلب کی دولتِ بیدار دمِ نقد ہوئی عَرَفْتُ رَبِّیْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ کہاں درِ خیبر کا اکھاڑ پھینکنا اور لافتیٰ الا علی کے خطاب سے نوازا جانا ۔ کہاں مباہلہ میں شرکت و معیتِ رسولؐ ۔ سورۂ توبہ کے پڑھنے کے لئے منجانب اللہ منتخب ہونا ۔ نفسِ رسول کی بشارت اور پھر اس کے بعد وہ زمانۂ ناسازگار ۔ ملامت ہائے گوناگوں ۔ ناکردہ خطاؤں کے الزام ۔ بدگمانیوں کے تیر سینے پر کھانا ۔ سب و شتم کی مسلسل بوچھار ۔ راہ کے کانٹوں کا دامن سے الجھنا ۔ ان سب تجرباتِ حیات

نے دانش و فکر کے دریچے کھول دیئے۔

نہج البلاغہ کے بیشتر اقوال قال نہیں سراسر حال ہیں جن کو پڑھکر ہر انسان اپنی تعمیر کردار کر کے معاشرہ میں معتبر بن سکتا ہے۔ اسی طرح حسن بصریؒ کے مواعظِ حسنہ جو دِل سے نکلتے ہیں اور دلوں میں ترازو ہو جاتے ہیں۔ ان بزرگوں کے ایک قول اور ایک جملہ نے زندگیوں کی کایا پلٹ دی۔ خطا کار باصفا ہو گئے گنہ گار صاحبِ خدمت بن گئے۔ واعظانِ شیریں مقال کی خراب و منبر پر لن ترانیاں اس طرح اثر انداز نہیں ہو سکیں جس طرح ان صاحبِ دل اربابِ ولایت کے کھنکتے ہوئے جملوں اور غنچہ کی طرح چٹکتے ہوئے فقروں نے معرفت کے مخفی رموز دلوں پر افشا کر دیئے۔ ان کی گفتگو نے آنِ واحد میں زنگِ خودی اور سیاہیِ قلب کو مبدل بہ نور و نورانیت کر دیا۔ اور جب دِلوں کی دنیا بدلی۔ خفتگانِ راہِ غفلت ان کے دلنشیں اقوال سے بیدار ہوئے تو دِل کی آنکھیں کھُل گئیں۔ اور ان کے ایک فقرہ پر غور و تفکر کرنے سے جلوۂ حق بصد ناز ان کے کاشانۂ دل میں مسند نشین ہو گیا۔

اقوال اور طورِ اقوال پر اگر نظر ڈالی جائے تو یہ تین اقسام پر مشتمل ہے۔ اور یہ کہ کچھ اقوال تعلیمات اور ارشادات کے سلسلہ میں زبانہائے معجز نما سے ادا ہوتے ہیں جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ طالبین کو راہِ حق کی کٹھن۔ صبر آزما اور دشوار گذار گھاٹیوں سے کس طرح مقصودِ اصلی تک پہنچایا جا سکے۔ یہ اقوال بیشتر بلکہ تمام تر قرآن و حدیث کی روح کی عکاسی کرتے ہیں اور یہ اقوال ایک ولی کے مرتبۂ ولایت کا لازمی اور ناگزیر جزو ہے۔

دوسری قسم اقوال و ارشادات کی وہ ہے جو توجہ باطنی کا مظہر ہوتی ہے۔ یہ ایک خاص وقت اور خاص لمحہ میں سالک کی آمادہ طبیعت کو دیکھ کر کہے جاتے ہیں تاکہ اس مثل کے مصداق "کہ لوہے کو اس وقت پیٹنا چاہیئے جب وہ سرخ انگارہ ہو رہا ہو" اسے اپنی مرضی کے مطابق بنایا اور سجایا جا سکے۔ یہ وقت ہوتا ہے۔ جب دِل الم آشنا نہیں ہوتے لیکن ان کی استعداد اور صلاحیت کو دیکھ کر بنائے خونِ جگر ڈالی جاتی ہے۔ صدہا بزرگانِ دین کے متعلق دیکھا گیا ہے کہ بہ ظاہر معمولی جملوں نے دلوں کی دنیا بدل دی اور وہ کر دکھایا جو بظاہر ارشاد و تلقین کی مسلسل اور طویل کوششوں سے بھی ممکن نہ ہو سکا۔

تیسری قسم اقوال کی وہ ہے۔ جہاں سالک اپنے الہام روحانی سے بشارات اور آنے والے واقعات کی طرف اشارے کرتا ہے اور یہ اقوال بطور آگاہی اور بطور تنبیہ کے ہوتے ہیں کہ رہروِ راہِ سلوک پیچدار اور خطرات سے پُر منزلوں سے وساوس شیطانی سے بچ کر لقائے حق سے شاد کام

اور خوش وقت ہوسکے۔

تصوف اور علمِ باطن کے متعلق آپ کے صدہا واقعات اور بیش قیمت وانمول ارشادات موجود ہیں جو ان تینوں اقسام سے تعلق رکھتے اور ایک مستند دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے چند مقولے انتخاب کر کے لکھے جاتے ہیں۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے کہ فراستِ مومن کی کیا معراج ہے۔ اور ان صوفیائے کرام نے تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس کے فرائض کس اہتمام باشان اور عظیم انداز میں ادا کئے ہیں یہ کرامتِ تاثیر وتاثر ایک ایسی نعمتِ الٰہی اور موہبتِ عظمیٰ ہے جو خواص کے حصہ میں آئی ہے۔ بقول شاعر

نہ ہر کس از محبت مایہ دار است ــــ نہ با ہر کس محبت سازگار است

بروید لالہ باداغِ جگر تاب ــــ دلِ لعلِ بدخشاں بے شرار است

آپ کے اقوال

آپ نے فرمایا کہ بعض کتابوں میں عبادت اور عبودیت کے درمیان فرق لکھا ہے یعنی وظائفِ بندگی کا شریعت کے مطابق ادا کرنا "عبادت" ہے اور حضورِ قلب میں تعظیم کا خاص خیال رکھنا "عبودیت" ہے لے

آپ نے فرمایا کہ انسان کی تخلیق کا اصل مقصد عبودیتِ نامہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمام احوال میں خشوع وخضوع کی صفت سے آگاہ رہنا ہے (یعنی تمام حالات وکیفیات میں کیفِ حبی پیدا کرنا ہے) ۲ے

آپ نے فرمایا دو درویش حضرت شیخ ابوبکر واسطی کی ملاقات کو چلے۔ جب شہر کے دروازہ پر پہنچے تو بلبلیوں کو دیکھا ایک دوسری سے کہہ رہی تھی "افسوس شیخ ابوبکر واسطی نے وفات پائی۔ دونوں درویش جو درحقیقت خود صاحبِ حال ومقام تھے یہ سنکر نہایت ملول اور افسردہ ہوئے اور کہنے لگے۔ افسوس ہماری قسمت میں ان کی زیارت نہ تھی۔ خیر چلو۔ ان کے آستانہ اور خانقاہ شریف کی ہی زیارت کرلیں جب آپ کے آستانہ شریف پر پہونچے تو یہ دیکھ کر کہ آپ بصحت وعافیت زندہ اور تشریف فرما ہیں نہایت مسرور ہوئے اور سابقہ صورت حال نیز بلبلیوں کی گفتگو بیان کی۔ سنتے ہی آپ پر شدت سے گریہ طاری ہوگیا۔ فرمایا "اللہ سے حضوری اور آگاہی کی نسبت مفقود اور

لے مقاماتِ عالیہ ۵ ۲ے ایضاً ۵

منقطع ہوگئی ہے۔ ابوبکر واقعی ایسا مردہ ہے جس کی موت کی خبر جانوروں تک کو ہے سآپ نے یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بات تجربہ سے معلوم ہوئی نیز اکابر نے بھی اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ ایسے لوگوں کو ہمنشینی جو اتحادِ نسبتی نہ رکھتے ہوں نسبت کے فقدان کا سبب ہوتی ہے اور نسبت کا مفقود ہوجانا ہی دراصل موت ہے ؎ (روح را صحبت ناجنس غدا بے است الیم)

آپ نے فرمایا کہ صوفیار کے طریقہ کا مذاق بہت بڑی دولت ہے لیکن اس سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ اور جو ان سے مشرف ہے وہ بڑا غنیمت ہے۔ حضرت جنیدؒ فرمایا کرتے تھے الایمان بطریقنا ھذا ولایۃ (یعنی ہمارے طریقہ پر ایمان لانا ہی ولایت ہے) اور سلطان العارفین سے منقول ہے انھوں نے اپنے بھانجہ کو یہ وصیت فرمائی کہ تم جس کو ہمارے طریقہ پر ایمان رکھتا ہوا دیکھو اس سے دعا کی درخواست کرو کیونکہ وہ مستجاب الدعوات ہے ؎

آپ نے فرمایا۔ ذکر کی حقیقت تمام احوال میں پیش قدمی اور توجہ کلی ہے ؎

آپ نے فرمایا۔ ایک بار حضرت ابن عمرؓ حالتِ طواف میں تھے ایک شخص نے آپ کو سلام کیا آپ نے اس کو سلام کا جواب نہ دیا۔ اس نے حضرت عمرؓ سے اس بات کی شکایت کی۔ آپ نے صاحبزادہ کو طلب فرما کر جواب طلب کیا۔ انھوں نے عرض کیا .... کہ اس وقت شہود کا اس قدر غلبہ تھا کہ میں اس کے سلام کا جواب نہ دے سکا۔ اسی وجہ سے حضراتِ صوفیار نے ان کو اصحابِ مشاہدہ کا مقتدا کہا ہے ؎

آپ نے فرمایا کہ عبدالخالق قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ہمارا طریقہ "خلوت در انجمن" ہے اور خواجہ اولیار (جو اس خانوادہ کے خلفار میں ہیں) نے فرمایا کہ خلوت در انجمن کا مطلب یہ ہے کہ ذکر میں اس حد تک استغراق ہو کہ اگر بازار بھی جائے تب بھی حقیقتِ دل پر غلبۂ ذکر کی وجہ سے وہاں کا شور و غوغا نہ سن سکے۔ یعنی یہ تمام لوازمات اس کی محویت کے مانع نہ ہوں ؎ (یعنی دل کے دریچوں سے جب معشوق چشمک زنی کرتا ہے اور اس کا سرور رگ رگ میں سرایت کر جاتا ہے تو ہر ہر چیز میں اسی کا جلوہ نظر آتا ہے اور عاشق ہمہ تن معشوق بن کر اس کی زبان سے اپنی فنا کی شہادت سن کر خود بھی شہادت دینے لگتا ہے۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ غلبۂ حال کی وضاحت کرتے ہوئے ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں کہ انسان

۱۔ مقامات عالیہ۔ ۲۔ ایضاً ۹ ۳۔ ایضاً ۹ ۴۔ ایضاً ۱۱ ۵۔ ایضاً

پر جس چیز کا خیال چھا جاتا ہے وہی چیز اسے سنائی اور دکھائی دیتی ہے۔ میں ایک بار لکھنؤ سے بھوپال جا رہا تھا۔ غلبۂ ذکر کی بنا پر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ریل سے جو آواز پیدا ہو رہی ہے۔ وہ بھی الا اللہ الا اللہ کہہ رہی ہے چنانچہ موصوف نے بے اختیار یہ اشعار موزوں فرمائے ؎

کوئی ہو آواز میرے کان میں — ہر صدا آوازِ الا اللہ ہے

وجد میں جاں ہے تو اعضا رقص میں — جام مے آوازِ الا اللہ ہے[۱]

آپ نے فرمایا کہ مقامِ تمکین پر فائز ہوئے بغیر بے ضرورت بات نہ کرنا چاہیئے۔ جس طرح بہت ہنسنا دل کو مردہ کرتا ہے اسی طرح بہت اور بے ضرورت بات کرنا دل کی موت ہے اور مقامِ تمکین سے مطلب یہ ہے کہ حضوری و آگاہی دل کی ذاتی صفت بن گئی ہو اور وہ کسی طرح زائل نہ ہو۔ جس طرح قوتِ سامعہ اور قوتِ باصرہ سماعت و بصارت کی ذاتی صفات ہیں۔ جس وقت اس مرتبہ پر حضوری و آگاہی حاصل ہو جائے اس وقت بات کرنا چاہیئے۔ ورنہ غفلت پیدا کرنے والی ہے۔ اور غفلت دل کی موت ہے۔ اور آگاہی و حضوری دل کی زندگی ہے[۱]

آپ نے فرمایا۔ اکابرِ طریقت کا ارشاد ہے کہ جو دل غم سے خالی ہو اسے کتے کے سامنے ڈال دینا چاہیئے وہ دل دل نہیں ہے بلکہ جانوروں کی طرح سے گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ یہ شعر کیا ہی اچھا ہے ؎

جرعۂ نوشانِ جہاں را شاد کامی درغم است — اے خوشا آں دل کی دروے سکۂ غم می زنند[۲]

حضرت مولائے روم فرماتے ہیں کہ ؎

آں روح راکہ عشقِ حقیقی شعار نیست — نابودہ بہ کہ بودنِ او غیر عار نیست

اور حضرت شیخ بہائی فرماتے ہیں کہ ؎

دل کہ فارغ شد زمہر آں نگار — سنگ استنجائے شیطانش شمار

آپ نے فرمایا۔ ایک نبی پر وحی آئی کہ اپنی امت کو ان کے حال پر چھوڑ کر باہر نکل جاؤ۔ ان کی نافرمانیوں کے سبب ان پر عذاب نازل ہونے والا ہے۔ وہ یہ حکم ملتے ہی باہر چلے گئے۔ اس شب کوئی عذاب نازل نہ ہوا انھوں نے اس سلسلہ میں دعا کی۔ خطاب ہوا کہ ایک بت تراش بیدار تھا اور بت تراش رہا تھا اس کی بیداری کی برکت سے عذاب نازل نہ ہو سکے[۳]

آپ نے فرمایا۔ اکابرِ طریقت کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے مشائخ کے سلسلہ سے لاعلم ہو اور

---

[۱] مقالات ۱۲ [۲] ایضاً ۱۳ [۳] ایضاً ۱۴

ان کی نسبت خرقہ سے نابلد ہو وہ اقتدار کے لائق نہیں ہے [1]

اعزہ میں ایک شخص بیمار تھا اس کی بیماری سے آپ کو بہت دکھ ہوا فرمایا نیک لوگ بہت غنیمت ہیں ۔ انسان جبہ و دستار سے انسان نہیں ہوتا ہے

گر بہ صورت آدمی انساں بُدے — احمدؐ و بوجہل ہم یکساں بُدے

جو شخص اپنے اعزہ پر رنجیدہ نہ ہو وہ کُتا ہے [2]

آپ نے فرمایا ۔ اکابر طریقت کی یہ وصیت ہے کہ مرید کو اجنبی کی صحبت سے پرہیز کرنا چاہیئے اور مشائخ کو چاہیئے کہ اپنے مریدین کو غیر لوگوں کی صحبت سے منع کریں کیونکہ ان کے ساتھ بیٹھنا یکسوئی میں تفریق پیدا کرتا ہے [3]

آپ نے فرمایا کہ حضرت مولنا یعقوبؒ فرماتے تھے ۔ بعض اکابر نے کہا ہے ذِکْرُ اللِّسَانِ ہِذْیَانٌ وَ ذِکْرُ الْقُلُوْبِ وَسْوَسَۃٌ (ذکر زبانی ہذیان ہے اور ذکر قلبی وسوسہ) پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ جس وقت حضرتِ حق کے ساتھ آگاہی اس حد تک پہنچ گئی ہو کہ دل کو طمانیت حاصل ہو گئی تو یقیناً وہ ہذیان اور وسوسہ ہو گا ۔

چوں شدی بر بامہائے آسماں — زشت باشد جست وجوئے نردباں

عبادات واذکار کا اصل مقصد حضور مع اللہ ہے [4]

آپ نے فرمایا کہ خشوع سے مطلب تذلل اور رقتِ دل ہے اور خضوع سے مطلب انکسار وفروتنی جوارح ہے ۔ مرید کے منجملہ آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اس کا جسم خاضع اور دل خاشع ہو جیسا کہ ماثورہ دعاؤں میں ہے کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ قَلْبٍ لَّا یَخْشَعُ [5]

آپ نے فرمایا ۔ ایک شخص کے سَو کوڑے لگائے گئے ۔ ننانوے کوڑوں تک تو اس نے اف نہ کی لیکن آخری کوڑا پڑتے ہی بلبلا اٹھا اور چیخنے چلانے لگا ۔ اس سے کہا گیا تو ننانوے کوڑوں تک تو بالکل خاموش رہا اور اُف نہ کی ۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ یہ کوڑے تجھ پر اثر ہی نہیں کر رہے ہیں اور آخری کوڑے پر تو اس قدر واویلا مچا رہا ہے ۔ کہنے لگا کہ ننانوے کوڑوں تک میرا حال یہ تھا کہ مجھے مشاہدۂ محبوب حاصل تھا اسمیں محویت کی وجہ سے ان کوڑوں نے مجھ پر کچھ اثر نہ کیا اور آخری کوڑے کے وقت میں اسکے

---

[1] مقامات عالیہ ۱۱، [2] ایضاً ۱۵ [3] ایضاً ۱۹ [4] ایضاً ۳۴ [5] ایضاً ۸۵

مشاہدہ سے غیر حاضر رہا جس کے نتیجہ میں میرے جسم پر ظاہری طور پر اس کا اثر ہوا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ مشاہدۂ محبوب میں کسی قسم کا رنج والم مطلق محسوس نہیں ہوتا۔ اور اسکی بے پناہ لذت رنج والم کو کو ڈھانپ لیتی ہے [۱]

آپ نے فرمایا۔ خلوت میں بیٹھ جانا۔ آسمان پر اڑنا۔ اور پہاڑوں و غاروں میں بیٹھ رہنا درویشی نہیں ہے درویشی یہ ہے کہ اپنے دل کو ماسوا سے خالی و یکسو رکھے [۲]

آپ نے فرمایا۔ ہمت سے مطلب ہے غلبہ اور کسی ایک چیز پر یکسوئی۔ بزرگوں نے فرمایا ہے جس کو کوئی اہم کام درپیش ہو تو اسے چاہیئے کہ اپنی پریشانی اور مہم کے مناسب اسمار کی طرف پورے طور سے متوجہ ہو۔ مثلاً اگر خود بیمار ہو یا کوئی دوسرا تو اپنی پوری ہمت اسم یا شافی کی جانب مصروف کرے اور اگر مالی حیثیت سے پریشان ہو تو اپنی ہمت کو اسم یا غنی کی جانب مصروف کرے کیونکہ اسمار کی طرف پورے طور پر متوجہ ہونا باعثِ فلاح و نجات ہے۔ چوں کہ ہمت کی تاثیر عظیم اور اس کے آثار کا مرتب متحقق و یقینی ہے لہٰذا اگر کوئی شخص عقل و ایمان کے مطابق حصولِ درجات (اخروی) اور سعادتِ سرمدی کی جانب ہمت مصروف کرے گا تو ہدایت پائیگا اور اگر اسے (ہمت کو) دنیا کی طرف متوجہ کرے گا تو گمراہ ہو جائے گا [۳]

آپ نے فرمایا۔ اکابر نے یہ بات مقرر کر دی ہے کہ جس طرح قرآن کے تحدی و معارضہ ممکن نہیں اسی طرح ہمت کے ساتھ بھی معارضہ ممکن نہیں اور اگر کوئی شخص معارضہ کرے تو وہ یقیناً مغلوب ہوگا۔ حضرات انبیا علیہم السلام بحرِ توحید میں غرق رہنے کے باوجود اپنی ہمت کو دشمنوں کا قلع قمع کرنے کے لئے مصروف رکھتے تھے اور غزوات وغیرہ میں سعیِ بلیغ کرتے تھے۔ خواطر کو رفعِ موانع و دفعِ اعدائے دین کیلئے صرف کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اصحابِ تجرید کو چاہیئے کہ کبھی کبھی ہمت کا امتحان کرتے رہیں کہ ان کو .... کس مرتبہ سے مناسبت ہے اور ان کی ہمت کی تاثیر کیسی ہے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے کمالِ ہمت سے آگ کی تاثیر کو ختم کر دیا۔ چونکہ ان کی ہمت آگ کے اثر کو رفع کرنے میں مصروف تھی لہٰذا ان کے کمالِ ہمت میں قول قلنا یا نار کونی برداً و سلاماً علی ابراہیم مرتب ہوگیا [۴]

---

[۱] مقامات عالیہ ۱۹ [۲] ایضاً ۱۹ سے ۲۱ اس کی علمی و عملی مکمل تشریح و تفسیر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فرمائی ہے تفسیر ترجمہ قول الجلی سے معلوم ہو سکتی ہے

[۳] ایضاً ۲۴ [۴] ایضاً ۲۴ - ۲۵

آپ نے فرمایا کہ جب کوئی دوست یا عزیز بیمار ہو تو (بجائے ظاہری دوا علاج کے) ہمت سے اس کی مدد کرنا بہت اچھا ہے اور مدد دو طرح پر کی جاتی ہے۔ ایک تو یہ کہ اپنی ہمت پورے طور پر مصروف ہو تا کہ مرض زائل ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ مرض کی حالت میں تفرقہ بہت پیدا ہوتا ہے اور آسانی کے ساتھ دل مطمئن نہیں ہوتا (چاہیے) کہ ہمت سے مدد کرے تاکہ خطراتِ متفرقہ (خیالاتِ پریشان) دور ہوں اور جو کچھ مقصدِ اصلی ہے۔ وہی نصب العین ہو جائے [1]

آپ نے فرمایا کہ اکابر طریقت قدس اللہ ارواحہم نے فرمایا ہے کہ علم و دانش سب سے بڑا حجاب ہے (یعنی العلم حجاب الاکبر) اور اس سے گذرنا سخت دشوار اور مشکل ہے [2]

آپ نے فرمایا کہ بعض اکابر طریقت نے ذکر و توجہ کے وقت حبسِ دم کو ضروری سمجھا ہے۔ یہ بات کسی نے حضرت شیخ بہاءالدین عمرؒ کی خدمت میں بیان کر دی انھوں نے فرمایا کہ حبسِ نفس ہندو جوگیوں کا طریقہ ہے اور جو اس راہ کے لئے ضروری شرط ہے وہ حصرِ نفس ہے نہ کہ حبسِ نفس۔ جب حضرت خواجہ یوسف بن حضرت خواجہ حسن عطارؒ کو یہ معلوم ہوا کہ شیخ بہاءالدین عمرؒ نے اس بات کی نفی کی ہے تو ان کو لکھا کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم نے حبسِ نفس کے طریقہ کی نفی کی ہے اور مشائخ میں سے کسی نے اس کا حکم نہیں دیا۔ حالانکہ یہ چیز متحقق و مقرر ہے کہ حضرت خواجہ بہاءالدین اور ان کے خلفاء نے اسی حبسِ نفس کا حکم دیا ہے۔ شیخ بہاءالدینؒ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہمارا مقصد اس بات سے ان کے طریقہ کی نفی نہ تھی اور اس کا کوئی واضح جواب نہ دیا بلکہ مبہم دیا [3]

آپ نے فرمایا۔ اکابرین میں سے ایک نے لکھا ہے کہ میں نے حسین بن منصور کی چار سو تصانیف مطالعہ کیں۔ ان میں ایک چیز بھی ایسی نہ پائی جو ان کے عدمِ استقامت پر دلالت کرتی ہو اور اہل اللہ کے عقیدہ کے خلاف ہو [4]

آپ نے فرمایا۔ سید قاسم فرماتے تھے کہ دو گروہ بہت محروم اور حقیقت سے دور ہیں۔ ایک تو وہ علماء جنھوں نے اپنی معلومات کو محدود کر رکھا ہے یعنی جو کچھ وہ جانتے ہیں بس وہی سب کچھ ہے۔ دوسرے وہ سادات جو نسبتِ صوری پر قانع اور مغرور ہیں اور نسبتِ معنوی و کمالات سے محروم ہیں اور یہ دونوں چیزیں ان کے لئے حجاب ہیں [5]

آپ نے فرمایا۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ اپنے مہمان بھائیوں کے ساتھ کھانا کھانا نفل روزہ سے بہتر ہے [6]

آپ نے فرمایا۔ حضرت نظام الدین علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ شریعت و طریقت و حقیقت ایک ہی چیز ہے اور اس کی اس طرح مثال دی کہ جھوٹ بولنا غیر شرعی بات ہے۔ زبان کی جھوٹ سے حفاظت کرنا شریعت ہے اور جھوٹ کے خیال

---

[1] مقاماتِ عالیہ ۲۸ [2] ایضاً ۲۵ [3] ایضاً ۲۸ [4] ایضاً ۲۹ [5] ایضاً ۳۰ [6] ایضاً ۳۰

کو دل سے دور کرنا طریقت ہے۔ اور اس طرح ہو جانا (اپنے کو ایسا بنا لینا) کہ کوئی جھوٹی بات بھی دل میں نہ آسکے حقیقت ہے اور شریعت و طریقت و حقیقت سے مقصد اسی کا چیز حصول ہے [1]

آپ نے فرمایا۔ تہجد کی نماز بعض روایات کے مطابق چھ رکعتیں ہیں اور خواجگان کے نزدیک تحیۃ الوضوء کے علاوہ چھ سلام سے بارہ رکعتیں ہیں [2]

آپ نے فرمایا۔ ایک بار میں سید قاسم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ امیر شاہ ملک کے مدرسہ میں بیٹھے ہوئے تھے حاضرین میں سے ایک شخص شرح منازل السائرین ڈھائی دینار میں خرید کر لایا۔ آپ نے نہایت اظہارِ افسوس کیا اور فرمایا کہ جس جگہ حضرت خواجہ عبید اللہ انصاری کے معارف ڈھائی دینار میں فروخت کیے جائیں وہاں بھلائی کی کیا امید رکھی جائے [3]

آپ نے فرمایا۔ حضرت خواجہ عبدالخالق اپنے مریدین و اصحاب کو اپنا فرزند کہا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ کوئی شخص میرے فرزندوں کو (یعنی مریدین کو) چشمِ حقارت سے نہ دیکھے اور یہ بھی فرماتے تھے کہ قبا نوش مجھے چشمِ حقارت سے نہ دیکھے [4]

آپ نے فرمایا کہ خطرات پر مشرف ہونا ارشاد و تکمیل کی شرط نہیں ہے بلکہ اس راہ میں رشد و ارشاد مشکلات کا حل اور مقامات کا عبور شرط ہے مرید کے احوال بیان کرنے کے بعد شیخ کو مرید کے حال سے اتنا واقف اور باخبر ہونا چاہیئے کہ جو مشکل وہ عرض کرے بہ کمالِ دانائی و ولایت اسکی مشکلات کا حل کر سکے۔ امام قشیری نے فرمایا ہے کہ شیخ و مرشد اگر صاحبِ کشف ہو تو مرید کو اپنا حال اور خطرات عرض کرنا بے ادبی ہے۔ اور اگر صاحبِ کشف نہیں ہے تو اپنا حال عرض نہ کرنا بے ادبی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خطرات پر مشرف اور باخبر ہونا شرط نہیں ہے [5]

آپ نے فرمایا۔ محققین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شیخ و مرشد کے لئے اس قدر مال و دولت جو مریدین کی ضروریات کے لئے کافی ہو ضروری ہے اور اس چیز کو ارشاد و تکمیل کی شرط کہا ہے۔ کیونکہ اگر وہ خود اس کی استطاعت نہیں رکھتا تو مرید کو اس کی ضروریات کے لئے دنیا کی طرف بھی مشغول کرنا چاہیئے۔ اور طریقت کا سبب اس بات کی طرف مشغول ہونا چاہیے جس کی وجہ سے تمام دنیا سے بیگانہ ہو جائے۔ اور بعض محققین نے یہ بھی کہا ہے کہ شیخ و مرشد کے لئے صاحب جاہ ہونا بھی ضروری ہے اور یہ بھی تکمیل کی شرط ہے۔ کیونکہ مرید کی اطاعت و خضوع اس صورت میں بہت زائد ہے۔ اور اس راہ میں ارادت و تسلیم و اطاعت ہی رکنِ اعظم ہے [6]

---

[1] مقامات ۱۳ [2] ایضاً ۱۴ (حضرات قلندریہ کا بھی یہی معمول ہے) [3] ایضاً ۳۳ [4] ایضاً ۳۴ [5] ایضاً ۳۶ [6] ایضاً ۳۷

آپ نے فرمایا ۔ سہل بن عبد اللہ تستریؒ حضرت ذوالنون مصریؒ کے شاگرد تھے ۔ جب تک حضرت ذوالنون مصریؒ حیات رہے نہ آپ نے اپنے پاؤں دراز کیے اور نہ (حقائق و معارف کے سلسلہ میں) کوئی بات فرمائی ۔ ایک روز خلاف معمول پاؤں دراز کر (حقائق و معارف) بیان فرمانے لگے ۔ حاضرین نے صورتِ حال دیکھ کر استفسار کیا ۔ آپ نے فرمایا ۔ جب تک حضرت ذوالنون روئے زمین پر رہے ۔ میری نہ بات کرنے کی مجال تھی اور نہ پاؤں دراز کرنے کی آج وہ اس دنیا سے تشریف لے گئے لہٰذا میری یہ صورت حال بے ادبی نہیں ہے [1]

آپ نے فرمایا کہ ذکر کرتے وقت مذکور کے ساتھ رابطہ اور آگاہی شرط ہے ۔ اسی آگاہی کو شہود ۔ وصول اور وقوف قلبی کہتے ہیں اور یہ آگاہی جب تک مستقل نہ ہو اس کو اہل شہود وجود نہیں کہتے [2]

آپ نے فرمایا کہ بدن کے لوازمات اور مقتضیات بعض ارواح کے لئے حجاب نہیں ہوتے ۔ اور جو کچھ روح کو اس میں معلوم و مشہود تھا وہ فراموش نہیں ہوتا ۔ مرصاد العباد میں ہے کہ شیخ علی موذن کہتے تھے مجھے وہ وقت یاد ہے جب میری روح بدن میں ڈالی گئی اور فرشتوں کی ایک جماعت نے یہ دیکھ کر کہا کہ افسوس ۔ صد افسوس ۔ اس کی روح کو عالم قدس سے عالم سفلی کی طرف لئے جا رہے ہیں جہاں ہزاروں لاکھوں معاصی ہیں ۔ حضرتِ حق سے خطاب ہوا کہ میری عزت و کبریائی کی قسم ۔ اگر ایک لاکھ سال بھی وہ جوارِ قدس میں رہے تب بھی اس کی وہ وقعت اور قدر و منزلت نہ ہوگی جتنی اس دنیا میں رہ کر ایک ڈول پانی سے بھر کر کسی بڑھیا کو سیراب کرنا ۔ (یعنی عالم قدس میں اس کی سکونت عالم سفلی میں ایک بڑھیا کو پانی پلانے کے ثواب میں ذرہ برابر وقعت نہیں رکھتی [3]

آپ نے فرمایا ۔ خادم خدمت کے شرائط کا جتنا زائد خیال رکھے گا ۔ ادب خضوع اور انکسار بڑھتا ہی ہے گا اور یہ خدمات اس کے لئے جرأت کا سبب نہ ہوں ورنہ بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا [4]

آپ نے فرمایا مرید کو چاہیئے کہ شیخ کے تمام عادات و اطوار و افعال کو اسی طرح محبوب رکھے جس طرح محبوب کا ہر فعل اور ہر ادا محبوب ہوتی ہے اور اگر اس کا کوئی فعل یا ادا محبوب یا پسندیدہ نہ ہو تو فوراً اس کا ازالہ کرے اور یہ سمجھ لے کہ شاید اس میں حکمت یا مصلحت ایسی ہے جس کا اسے علم نہیں ہے ۔ اس کی استعداد اسکی مقتضی نہیں ہے ۔ اور یہ خیال کر کے اس کے ازالہ کی کوشش کرے تاکہ فیض کی راہ میں رکاوٹ نہ ہو ۔ اور اس کا ازالہ استغفار کے ذریعہ کیا جا سکتا ہے ۔ حضرت مولانا نظام الدین فرماتے تھے کہ خواجہ علاء الدین کے پاس ایک عورت آئی جیسے ہی حضرت خواجہ کی اس پر نظر پڑی فوراً بیہوش ہو کر گر پڑی ۔ میرے دل میں آیا کہ آپ نے کیوں ایسی توجہ فرمائی

---

[1] مقامات عالیہ ۲۷ [2] ایضاً ۲۹ [3] ایضاً ۳۰ [4] ایضاً ۳۱

جو وہ بیہوش ہو کر گر پڑی۔ آپ کو اس سے کیا فائدہ ہوا۔ لیکن میں فوراً متنبہ ہو گیا۔ میں نے کہا مجھ کو اس سے کیا مطلب اور کیا سروکار۔ آپ کا کوئی فعل مصلحت سے خالی نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے اس میں بھی کوئی مصلحت ہو۔ حضرت نے فوراً فرمایا۔ مولانا نظام الدین نے اپنے کو بہت جلد آزاد کرا لیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ مرید کو اپنے مقتدا کے ادب کا لحاظ اہم کام ہے لے (ادب کا پاس رکھنا بہت مشکل کام ہے)

آپ نے فرمایا۔ ایک روز حضرت خواجہ عبد اللہ انصاریؒ کا پیر سہواً (بھولے سے) اپنے شیخ حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کے مصلے پر پڑ گیا۔ انھوں نے اس پر توبہ و استغفار نہ کیا۔ اس دوران آپ ہرات میں تھے وہاں کے بادشاہ کو جو بلخ میں تھا یہ دکھایا گیا کہ وہ بد مذہب ملحد عذاب و عقوبت کا مستحق ہے۔ اسکو لاکر سنگسار کر دو اس حکم کے بموجب آپ کو قید کر لیا گیا اور بلخ کی جانب لے چلے۔ راستہ میں بلخ سے ہرات جانے والے لوگ ملے اور کہنے لگے۔ بلخ والوں نے ایک ملحد کو سنگسار کرنے کے لیے بے شمار پتھر جمع کئے ہیں۔ خواجہ عبد اللہ یہ سن کر سخت متحیر ہوئے اور سوچنے لگے کہ ان سے کون سا گناہ اور جرم ایسا سرزد ہوا جو اس مواخذہ کا سبب ہوا۔ بہت غور کرنے کے بعد ان کو یاد آیا کہ ایک روز غلطی سے ان کا پیر حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی کے مصلے پر پڑ گیا تھا۔ اس غلطی پر انھوں نے نہ توبہ کی اور نہ استغفار کیا۔ چنانچہ آپ نے فوراً توبہ و استغفار کرنا شروع کیا۔ اسی رات اس بادشاہ نے خواب میں حضرت شیخ کو یہ فرماتے سنا کہ عبد اللہ نے اپنے جرم و گناہ پر استغفار کر لیا (معافی مانگ لی) لہٰذا میں نے اس کو معاف کر دیا۔ اب اس کو ذرا بھی تکلیف نہ دو۔ بلکہ عزت و احترام کرو۔ جب وہ بیدار ہوا تو بہت متاثر ہوا اور حضرت شیخ کے اشارہ اور فرمان کی بجا آوری کرتے ہوئے تمام معززین اور اشراف و اعیان کو ساتھ لے کر آپ کے استقبال کو چلا اور خدمت میں حاضر ہو کر نہایت تعظیم و تکریم کی۔ چند روز بعد نہایت عزت و احترام کے ساتھ آپ کو رخصت کیا ۲ہ

آپ نے فرمایا۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ نے لکھا ہے کہ آدمی پر جب کوئی مصیبت نازل ہو تو اسے بارگاہِ الٰہی میں تضرع و زاری کرنا چاہیے تاکہ اس بلا سے چھٹکارا پائے۔ اور یہ صورت صبر کے منافی نہیں ہے کیونکہ صبر نہ کرنا غیر حق سے شکوہ کرنا ہے اور بارگاہِ الٰہی میں گریہ و زاری کرنا قاطعِ صبر نہیں ہے۔ جیسا حضرت ایوب علیہ السلام کے سلسلہ میں واقع ہے کہ آپ نے رب انی مسنی الضر و انت ارحم الراحمین فرمایا لیکن اس کے باوجود انا وجدناہ صابرا نعم العبد ان کی شان میں نازل ہوئی۔ اور اگر صبر پر تضرع و زاری نہ کرے اور

لہ مقاماتِ عالیہ ۴۲ ۲ہ ایضاً ۴۲

اللہ تعالیٰ سے اس کے دفعیہ کی التجا نہ کرے تو یہ مناسب نہیں ہے اور نہ اس کو اچھا سمجھا گیا ہے بلکہ اس کو قہر الٰہی سے جنگ (مقابلہ) کہا ہے اور اس سے مقابلہ کی کس کو طاقت ہے۔ اس کے ساتھ تواداب اور گریہ وزاری ہی کرتے رہنا چاہیئے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس بلا کو دور فرما دے۔[1]

آپ نے فرمایا۔ حضرت شیخ عمر باغستانی قدس سرہ اپنے صاحبزادہ سے فرماتے تھے۔ اے بیٹے! پاکی مُلّا نہ ہو۔ شیخ نہ ہو۔ صوفی نہ ہو بلکہ مسلمان ہو۔[2]

آپ نے فرمایا۔ منقول ہے کہ شیخ بہاء الدین قدس سرہ نے فرمایا "بہاء الدین کے وجود سے مطلب کمالات محمدی کا ظہور ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ ان کی مراد اس اسم سے خواجہ محمد پارسا ہیں لیکن میرے نزدیک یہ ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اولیائے امت نبیؐ کی ولایت کے وارث ہیں جو کچھ رشد وارشاد اور ہدایت وتلقین ان سے ظاہر ہوتا ہے وہ سب در اصل آنحضرتؐ کے ہی کمالات ہیں جس طرح علمائے امتِ نبیؐ کی نبوت کے وارث ہیں اسی طرح جو کچھ علماء واولیاء سے ظاہر ہوتا ہے وہ سب اللہ کے ہی کمالات ہیں۔[3]

آپ نے فرمایا۔ حضرت مولٰنا نظام الدین نے مزارات پر فاتحہ خوانی کا ایک طریقہ مجھے بتایا ہے۔ سورہ فاتحہ ایک بار۔ آیۃ الکرسی ایک بار۔ قل ہو اللہ بارہ بار اور درود شریف دس بار پڑھنا چاہیئے۔[4]

آپ نے فرمایا۔ اسمٰعیل آتا سے منقول ہے کہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ فرماتے تھے "آفتاب میں سایہ ہو جاؤ۔ سرما میں جامہ ہو جاؤ اور بھوک میں روٹی ہو جاؤ"۔ آپ ان تین باتوں کی بہت تعریف فرماتے تھے اور کہتے تھے یہ بڑی جامع ہیں۔[5]

آپ نے فرمایا۔ حضرت مولٰنا نظام الدین سے میں نے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلشَّرِیعَۃُ اَقْوَالِی وَالطَّرِیقَۃُ اَفْعَالِی وَالْحَقِیقَۃُ اَحْوَالِی لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کا حال کیسا ہے۔ میرا حال یہ ہے کہ اگر میری نظر کسی جانب ہو تو میں نہیں کہہ سکتا کہ دوسری جانب مجھے نظر کرنے کا موقعہ مل بھی سکے گا یا نہیں۔ اور اگر میرے منھ میں لقمہ ہو تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اسے نگل بھی سکوں گا یا نہیں آپ فرماتے تھے۔ میں نے یہ حدیث نہ کہیں لکھی دیکھی اور نہ کسی سے سنی۔ صرف "شہاب الاخبار" میں جس کا نام "صنور الاخبار" بھی ہے ایک حدیث اسی سے ملتی جلتی لکھی ہے۔[6]

---

[1] مقاماتِ عالیہ ۴۵ [2] ایضاً ۴۵ [3] ایضاً ۴۸ [4] ایضاً ۴۹ [5] ایضاً ۵۰ [6] ایضاً ۵۴

آپ نے فرمایا حضرت خواجہ بہاءالدین قدس اللہ روحہٗ فرماتے تھے کہ اگر میں چاہوں تو پیاسے کو پچاس بار پانی پر لیجا کر بھی پیاسا لاؤں ۶ تو نقشِ نقشبنداں را چہ دانی ۔ لے

آپ نے فرمایا امام ابو یزید دیوسی قدس سرہٗ نے کتاب مقصدات میں لکھا ہے کہ "ایک گروہ ایسا ہے جو عدمِ معرفت کی وجہ سے دنیا کی مذمت کرتا اور سلطنت و بادشاہت کو بھی بُرا کہتا ہے حالانکہ یہ دونوں چیزیں بُری نہیں ہیں کیوں کہ آدمی جس طرح فطرتاً کھانے کا محتاج ہے اور بغیر قوت کے عبادت ممکن ہی نہیں ہے اسی طرح گھر گرہستی اور لباس وغیرہ وغیرہ ۔ اور دنیاوی مال و دولت ۔ روپیہ پیسہ اگر اصولِ شریعت کے مطابق فقراء و مساکین کی امداد و نصرت کے لئے صرف کیا جائے تو درجاتِ اخروی کے حصول کا سبب ہو جاتا ہے اور درجاتِ اخروی کے بے شمار مراتب دنیا سے ہی وابستہ ہیں ۔ دنیا حاصل کئے بغیر اس کا حصول مشکل ہے ۔ اور سلطنت بھی ایک بلند مرتبہ ہے جو مرتبۂ نبوت سے قریب ہے ۔ نبوت کے بعد کوئی مرتبہ سلطنت و بادشاہت سے زائد معزز نہیں ہے ۔ شریعت اور دین و ملت کی حفاظت جتنی بادشاہوں سے ممکن ہے کسی دوسرے سے ممکن نہیں ہے ۲ے

آپ نے فرمایا ۔ جن بادشاہوں کا عمل احکامِ خداوندی اور شریعتِ محمدی پر نہیں ہے ان کے گھر میں خدا و رسول ﷺ نہیں ہیں ان کا خیال ہے کہ ملک و ملت ان کے ہی فکر و تدبیر پر منحصر ہے ۔ قل اللّٰھم مالک الملک توتی الملک من تشاء کی آیت سے غافل ہیں ۔ سلطنت و عزت عنایتِ الٰہی کے بغیر ممکن نہیں ہے ۲ے

آپ نے فرمایا ۔ ایک روشن ضمیر شخص نے یہ معلوم کیا کہ اس سال کس کا حج قبول ہوا اور کس کا قبول نہیں ہوا اسے مکشوف ہوا کہ ایک شخص کے علاوہ سب کا حج قبول ہوا ۔ حالانکہ وہ نہایت صالح اور پاکباز تھا ۔ اس کو اس بات سے بہت تعجب ہوا ۔ جب اس کا سبب معلوم کیا تو اس کے سر میں ندا کی گئی (بتایا گیا) کہ اس کی نامقبولیت کا سبب یہ ہوا کہ اس نے اپنی والدہ کی رضامندی کے بغیر حج کیا تھا ۳ے

آپ نے فرمایا ۔ میرے ماموں خواجہ ابراہیم فرماتے تھے کہ زمانہ والوں کا بھی عجیب حال ہے وہ جو بھی کہیں اس کی تصدیق کرنا چاہیئے ورنہ دشمن ہو جائیں ۔ حتیٰ کہ اگر کوئی یہ کہے کہ میں زہرہ و زحل تک کو آسمان سے دور لیجاؤں گا تب بھی اسے تسلیم کر لینا چاہیئے اور اس کی مخالفت نہ کرنا چاہیئے حالانکہ یہ چیز محال ہے ۴ے

آپ نے فرمایا ۔ ادب یہ تو ہے کہ اگر کسی درویش کی صورت دیوار پر بنی ہو تو اس دیوار کے نیچے سے بھی ادب سے گذرنا چاہیئے ۔ اور درویشی یہ ہے جس کی تعریف پیر ہرات نے ان الفاظ میں کی ہے ۔ کہ "درویشی چیست

لے مقاماتِ عالیہ ۵۶ ۲ے ایضاً ۵۵ ۲ے ایضاً ۶۵ ۳ے ایضاً ۸ ۴ے ایضاً ۶۵

خاکے بیختہ و آبے بر آں ریختہ۔ نہ پشتِ پارا ازاں دردے و نہ کفِ پارا ازاں گردے۔ (یعنی درویشی کیا ہے۔ درویشی چھنی ہوئی اور پانی ملی ہوئی (گندھی ہوئی) مٹی ہے۔ نہ پیروں کی پشت اس سے گرد آلود ہوتی ہے اور نہ تلووں کو اس سے کوئی تکلیف ہوتی ہے) اور درویشی کا خلاصہ یہ ہے کہ خود ہر شخص کا بار اٹھائے لیکن خود کسی پر بار نہ ہو۔ نہ ظاہری طور پر اور نہ باطنی طور پر لے

آپ نے فرمایا۔ حضرت خواجہ بہاءالدین فرماتے تھے کہ میں نے مکہ معظمہ میں دو آدمیوں کو دیکھا۔ ان میں سے ایک نہایت عالی ہمت۔ اور دوسرا نہایت پست ہمت تھا۔ جو پست ہمت تھا اسے میں نے بحالتِ طواف دیکھا کہ ایسی متبرک جگہ اور مبارک اوقات میں ہاتھ باندھے بیٹھا ہوا اللہ سے غیر اللہ کا مطالبہ کر رہا تھا اور جو بلند ہمت تھا وہ ایک جوان تھا۔ میں نے اسے دیکھا کہ منیٰ کی بازار میں پچاس ہزار دینار کی خرید و فروخت کی لیکن اس دوران ایک لمحہ بھی اس کا دلِ اللہ سے غافل نہ ہوا۔ مجھے یہ دیکھ کر اتنی شرم (غیرت) آئی کہ خون میرے اندر سے ابل پڑا ۲ے

ایک روز آپ نے فقر کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت غوث الاعظم سے خطاب فرمایا "اے غوث الاعظم! قل لا صحابك باختيار الفقر ثم بالفقر عن الفقر فاذا تم فقرهم فلا هم الا انا (اے غوث الاعظم اپنے اصحاب کو فقر اختیار کرنے کا حکم دو۔ پھر فقر عن الفقر کا۔ جب ان کا فقر کامل ہو جائے گا تو ان کا وجود باقی نہ رہے گا بلکہ عین میرا وجود ہو جائے گا) (الفقر اذا تم هو الله این است) ۳ے

آپ نے فرمایا۔ حصولِ نیستی کے لئے ذلت و خواری کی راہ اختیار کرنا چاہیئے تاکہ اس نیستی کے آئینہ میں شاہدِ لاہوتی کے جمال کا مشاہدہ کرے ۴ے

آپ نے فرمایا جو طالب لوگوں سے ذلت پانے اور اُن کی گالی گلوچ سے خوش نہیں ہوتا۔ کبھی حقیقت کے معانی کی خوشبو مشامِ جاں تک نہیں پہنچا سکتا اسلئے کہ محققین کے نزدیک لا فاعل فی الوجود الا اللہ ایک امرِ مقرر ہے جو کچھ محبوب سے ملے۔ خواہ ذلت ہو یا گالی گلوچ۔ محب کو نیاز مندانہ روش ہی اختیار کرنا چاہیئے۔ سرور ہی حضوری کا سبب ہوگا۔ (ہر چہ از دوست می رسد نیکوست) دشنام طرازی بھی معشوق کی ایک صفت ہے محب کو ہمہ وقت اسی کے صفات و افعال پر نظر رکھنا چاہیئے اور اس پر بجائے شکوہ و شکایت کے خوش اور مسرور رہنا چاہیئے ۵ے

لے مقاماتِ عالیہ ۹۸ ۲ے رشحات ۱۴۱ ۳ے ایضاً ۱۴۵ ۴ے ایضاً ۱۴۶ ۵ے ایضاً ۱۴۶

آپ نے فرمایا۔ کوئی چیز حقیقت انسانی کو اتنا پاک وصاف نہیں کرتی جتنی خصوصاً بلا ومحنت۔ کیونکہ یہ سب حجاب غلیظ کو اٹھا دینے والی ہیں۔ یہ حدیث شریف ان اشد البلاء علی الانبیاء ثم علی الاولیاء ثم الامثل فالامثل اسی بات کی شاہد ہے۔ ہم اسی طریقہ کے معتقد ہیں۔ لیکن ہمارے دوستوں میں سے کسی ایک کا بھی یہ عقیدہ نہیں ہے[1]

آپ نے فرمایا۔ حضرت سلطان بایزید قدس سرہ فرماتے تھے لوائی ارفع من لواء محمد صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی میرا جھنڈا حضورؐ کے جھنڈے سے بلند ہے) اکابر (صوفیاء) نے اسکی تاویل میں کہا ہے کہ لوائی سے آپ کا مطلب ہے مرتبۂ ولایت۔ اور لواء محمدؐ سے مطلب ہے مرتبۂ نبوت۔ اور الولایۃ افضل من النبوۃ کے یہی معنی ہیں[2]

آپ نے فرمایا۔ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمیل سے فرمایا سَائِلِ الْعُلَمَاءَ وَخَالِطِ الْحُکَمَاءَ وَجَالِسِ الْکُبَرَاءَ یعنی علماء سے سوال کرو۔ حکماء سے میل جول رکھو اور اکابر کی ہم نشینی اختیار کرو۔ اکابر طریقت نے اس سلسلہ میں فرمایا ہے کہ صاحبانِ ذوق وحال کی ان علمائے ظاہر کے ساتھ نشست وبرخاست جن پر احکام علمیہ غالب ہیں پسندیدہ ومستحسن نہیں ہے۔ ان کی ہمنشینی عطاو بخشش کا سدباب کر دیتی ہے۔ ان کی ملاقات (صرف) ضرورتاً کرنا چاہیئے۔ جیسا سائل العلماء سے ظاہر ہے۔ اور حکماء سے مراد وہ گروہ ہے۔ جن کے پیشِ نظر قلوب کے احوال واوصاف ہیں وہ اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں ان کی ملاقات اور ان سے وہاں آمدورفت سابقہ فرقہ کے مقابلہ میں زائد کرنا چاہیئے۔ جیسا خالط الحکماء سے ظاہر ہے۔ اور کبراء سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل ماسوا اسے خالی ہو چکے ہیں اور وہ اس کی جانب متوجہ ہوتے ہی نہیں۔ ان کی حقیقت مقصودِ اصلی میں سکونت پذیر ہے جیسا جالس الکبراء سے ظاہر ہے[3]

آپ نے فرمایا۔ اس امت سے مسخ صورت مرتفع ہے (صورت کا مسخ ہونا اٹھا لیا گیا ہے) لیکن مسخ باطن واقع ہے اور مسخ باطن کی علامت یہ ہے کہ صاحب کبیرہ کا باطن گناہِ کبیرہ کے ارتکاب کے باوجود متالم ومتاثر نہ ہو۔ اور فسق وفجور ومعاصی میں اس حد تک مبتلا ہو گیا ہو کہ جب اس سے گناہِ کبیرہ صادر ہو تو اس کے کرنے کے بعد بھی اسکے باطن میں کوئی ندامت وملال نہ پیدا ہو۔ اور اگر اس کو تنبیہ کی جائے تو وہ بوجہ اپنی قساوت قلبی (قلب کی سختی) کے متنبہ ومتاثر نہ ہو[4]

---

[1] نفحات ۱۴۰ [2] ایضاً ۲ [3] مقامات عالیہ ۵ [4] نفحات ۱۰۳

آپ نے آیت "رجال لاتلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ" کے معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مفسرین نے اس آیت کے دو معنی بیان کئے ہیں ایک تو یہ کہ یہ آیت اصحابِ صفہ کی شان میں نازل ہوئی ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و محبت اور ذکر و توجہ کی مداومت کی وجہ سے وہ خرید و فروخت اور تجارتی امور کی طرف مشغول نہیں ہوتے (یعنی رسولؐ کی محبت میں محویت و استغراق اور ذاتِ حق میں فنائیت انھیں کاروبارِ دنیاوی میں منہمک نہیں ہونے دیتی) دوسرے معنی یہ ہیں کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ان کے یہ تمام اعمال (یعنی تجارت) عبادات و اذکار میں شمار ہوتے ہیں۔ لیکن صوفیاء کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ تجارت سے مراد دنیا کے عوض آخرت خریدنا ہے۔ اور بیع سے مراد نفس کو بہشت کے عوض فروخت کرنا ہے یعنی شہودِ ذاتی میں اپنی محویت و استغراق کی وجہ سے وہ آخرت اور بہشت کے ملاحظہ سے فارغ ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ رابطہ اور محبت کا طریقہ اس کے لئے ہے جس کا دل تمام خطرات اور تعلقات سے پاک اور آزاد ہو۔ کیونکہ محبت جب درجۂ کمال پر پہنچ جاتی ہے تو محب کو محبوب کے ساتھ یکتائی حاصل ہو جاتی ہے اور جو کچھ محبوب کی مراد ہوتا ہے وہی محب کی مراد اور مطلوب ہو جاتا ہے۔ اور محب مظہرِ تجلی احدیت ہو جاتا ہے۔ یا ہم یہ کہیں کہ تمام مرادات سے بسبب اتحاد و یکتائی اسکو ایک استعداد حاصل ہو جائے جس کی وجہ سے وہ احدیت کے معنی کا صحیح ادراک کر سکے [1]

آپ نے فرمایا۔ جو بچے علم حاصل کرنے میں نیز صرف و نحو کے قواعد میں مصروف ہیں ان کو اس طرح سمجھانا چاہیئے کہ ان کی فطرتِ اصلی میں کوئی تبدیلی نہ آئے ۔۔۔۔۔ اور استاد کو چاہیئے کہ سبق پڑھانے کے بعد تصوف وغیرہ کی بھی تعلیم دے اور ترغیب دلائے۔ اگر اس سلسلہ میں کوئی غلطی نہ ہو تو فطری صفائی باقی رہے گی اور اگر روحانیت غالب ہو تو علومِ ظاہری کی طرف بھی مشغول ہونے سے فطری صفائی زائل نہیں ہوتی ہے [2]

آپ نے فَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ اور اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کے بارہ میں فرمایا کہ استقامت سے مراد ہے راہِ اعتدال (میانہ روی کا راستہ) جو افراط و تفریط سے پاک ہو یعنی اس کی کوشش و اہتمام کرے کہ اسکے تمام اقوال و افعال صراط مستقیم پر ہوں اور افراط و تفریط سے خالی ہوں اور اس راہ میں ہدایت انبیاءؑ و اولیاءؒ کو میسر ہے [3]

آپ نے فرمایا۔ فتوحات میں لکھا ہے کہ دنیا میں سب سے آخر میں ایک ضعیفہ دو توأم (جڑواں) بچے پیدا کریگی ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ لڑکا حضرت شیثؑ کے قلب پر ہوگا وہ مخلوق کو ہدایت دینے کی

---

[1] مقامات عالیہ ۸ [2] مقامات عالیہ ۱۸ [3] ایضاً ۹۷

بہت کوشش کرے گا لیکن کوئی اس کی ہدایت نہ قبول کرے گا۔ اس کے پیدا ہونے کے بعد باوجود اس کے کہ لوگوں میں آپس میں بہت نکاح ہوں گے لیکن کسی نے اولاد نہ ہوگی۔ وہ سب بانجھ ہو جائیں گی ۔ اس کے بعد قیامت قائم ہوگی [1]

آپ حضرت سید قاسم کے حوالہ سے فرماتے تھے ؎

قضا دستے است پنج انگشت دارد　　　چو خواہد از کسے کامے بر آرد

دو بر چشمش نہد دو نیز بر گوش　　　یکے بر لب نہد گوید کہ خاموش [2]

(قضا) موت پانچ انگلیوں والا ایک ہاتھ ہے، وہ جب کسی سے اپنا مقصد پورا کرنا چاہتی ہے، تو اپنی دو انگلیاں اس کی دونوں آنکھوں پر اور دو دونوں کانوں پر رکھ دیتی ہے ۔ اور ایک اس کے دونوں ہونٹوں پر رکھ کر اسے خاموش کر دیتی ہے)

آپ نے فرمایا شیخ خاوند ظہور نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ تمام گروہوں میں یہ بات مقرر اور طے شدہ ہے جس میں خوبصورتی اور حسن نہیں اس میں دلبری و دلربائی نہیں اور جس میں کمال نہیں اس میں رہبری نہیں اور اسی رسالہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ توحید سے مطلب ہے جسم کو شہوات سے عبادت کے لئے منفرد اور مخصوص کر دینا اور دل کو عبودیت کے لئے خطرات سے یگانہ دیکھنا اور اسی رسالہ میں یہ اشعار بھی لکھے ہیں ؎

محبوب بجز حبیب زیبانہ بود　　　ہر باغچہ جائے تماشا نہ بود



دل را بہ کسے مدہ کہ در عالم عشق　　　ہر جا کہ رود رخت دلاں جانبود



دل را بہ کسے بخش کہ دلدار بود　　　جاں را بہ کسے دہ کہ خریدار بود [1]

---

[1] مقامات عالیہ ۸۲ [2] ایضاً ۸۰

آپ نے فرمایا۔ صاحب کشف المحجوب نے کہا ہے کہ تمام محققین نے مجاہدہ کو مشاہدہ کا سبب کہا ہے۔ اور سہل بن عبداللہ تستریؒ نے مجاہدہ کو مشاہدہ کی علت کہا ہے اور دنیاوی زندگی کو حصول مراد کے سلسلہ میں حیات عقبیٰ پر فضیلت دی ہے یہ بیان کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ شہباز دل یہ چاہتا ہے کہ ناسوتی قیود کو توڑ کر عالم علوی کی جانب پرواز کر جائے اور حدیث شریف میں ہے کہ "اُطْلُبُوا الْحَوَائِجَ مِنَ الْحِسَانِ (یعنی ضرورتوں کو خوبصورت چہرے والوں سے طلب کرو) اور حسان الوجوہ سے مراد وہ حقایق ذاتی ہیں جو خواہش اور طبیعت کے تصرف سے محفوظ ہوں (یعنی ہوا و ہوس کا اس میں شائبہ نہ ہو) [1]

آپ نے فرمایا کہ بعض حضرات نے اشارتاً یہ کہا ہے کہ انبیاء و رسولوں کی بعثت کا (اصل مقصد) در اصل حضرت حق کے جمال و کمال کا ظہور ہے اس لئے کہ مقصودِ اصلی حضرتِ حق کے اوصاف کا ظہور ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام اس کے مظہر اور آئینۂ حق ہیں ان کا وجودِ بشریت عارضی ہے چنانچہ یہ آیاتِ کریمہ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ اور ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ۔ اسی بات کی تائید کرتی ہیں۔ اور وہ جماعت جو ازلی طور پر اپنے کمالِ استعداد کے ساتھ ہدایت یافتہ ہونے پر مقرر ہوئی ہے اسی مظہر اور آئینہ کمال و جمالِ حقیقی سے دیکھتی ہے اور اسی صفائی استعداد کی بدولت منجذب اور بہرہ مند ہوتی ہے۔ اور اکابر اولیاء اللہ بھی ایسے ہی ہیں یعنی مظہر اور آئینہ حق ہیں اور اس موقعہ پر یہ اشعار پڑھے

گر عشق نبودے و غمِ عشق نبودے ۔۔۔ چندیں سخنِ خوب کہ گفتے کہ شنیدے
گر باد نہ بودے کہ سرِ زلف ربودے ۔۔۔ رخسارۂ معشوق بہ عاشق کہ نمودے [2]

آپ نے فرمایا بعض حضرات نے لکھا ہے کہ شیطان کا بھی ایک عرش ہے اور وہ اپنے عرش پر مستوی ہے۔ اور عرش پر اس کے استویٰ کے سبب کوئی چیز اس کے احاطہ تصرف اور ہوا جس سے خالی نہیں ہے اور اس کا احاطہ بھی مجموعی اعتبار سے کسی نہ کسی مرتبہ میں ثابت ہے اس کی تاثیر سے نجات ممکن نہیں ہے لیکن وہ جماعت جو تشریف اضافت سے مشرف ہیں (یعنی اللہ سے اسے خاص نسبت حاصل ہو) یعنی

---

[1] مقامات عالیہ ۸۶، [2] ایضاً ۸۹

وہ بندگانِ خاص جو اسمِ اللہ سے محاط ہیں اور مشہودِ ذاتی کی تجلی سے مشرف ہیں۔ چوں کہ تمام عالم (ان اولیاء اللہ) کے لئے شہودِ ذات کا آئینہ ہے اِس حالت میں اگر شیطان بسبب اس احاطہ و غلبہ کے جو وہ رکھتا ہے ظاہر ہو وہ بھی اس شہود کا مظہر اور آئینہ ہوگا ۱؎

آپ نے فرمایا۔ صاحبِ شریعت ابوبکر قرطبی سے منقول ہے کہ روح ایک ایسی چیز ہے جو امرِ تکوینی کے تحت نہیں آتی یعنی حادث نہیں ہے ۲؎......

آپ نے فرمایا۔ بزرگانِ دین میں سے ایک بزرگ سادات میں سے ایک شخص پر بسبب ان کے احکامِ شرعیہ پر کُلیتاً عامل ہونے کے معترض تھے۔ ایک روز حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خواب میں دیکھا۔ ان کو سلام کیا۔ انھوں نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا۔ بلکہ ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ انھوں نے دوبارہ سلام کیا پھر آپ نے منہ پھیر لیا اور سلام کا جواب نہ دیا۔ انھوں نے یہ دیکھ کر عرض کیا کہ مجھ سے کون سی ایسی بے ادبی سرزد ہوئی جو آپ نے سلام کا جواب نہ دیا اور آپ کا رنگ متغیر ہوگیا۔ انھوں نے فرمایا کہ تم فلاں شخص کو کیوں اذیت دیتے ہو۔ انھوں نے کہا آپ کو علم ہے کہ وہ شریعت کے احکام میں سستی کرتا ہے۔ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میرا مقصد اس بات سے امرِ معروف اور نہیِ منکر کا ساقط ہوجانا نہیں ہے بلکہ اس سے مطلب سادات کی عزت و احترام ہے بواسطۂ اہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین ۳؎

آپ نے فرمایا جس شہر میں سادات ہوں میں وہاں رہنا نہیں چاہتا کیوں کہ ان کی تعظیم و احترام جیسی ہونا چاہیئے وہ اکثر مجھ سے نہیں ہو پاتی حضرت امام اعظمؒ کا قصہ ہے کہ آپ اپنی مجلس میں کبھی کھڑے ہوجاتے اور کبھی بیٹھ جاتے تھے لوگوں نے اس کا سبب پوچھا انھوں نے فرمایا۔ ان لڑکوں (بچوں) میں ایک علوی زادہ ہے میری نظر جس وقت اس پر پڑتی ہے تو تعظیماً کھڑا ہوجاتا ہوں ۴؎

آپ نے فرمایا۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ مُرید وہ ہے جس کا مراد شیخ کے علاوہ کوئی ارادہ نہ ہو اور وہ تمام ارادوں سے خالی ہو اور جب کوئی مرید بیعت کو فسخ کردے توڑ دے اور کسی دوسرے شیخ کے پاس جائے تو اس نے اللہ کا عہد توڑ دیا ۵؎

۱؎ مقاماتِ عالیہ ۲۰۵ ۲؎ ایضاً ۹۱، ۳؎ ایضاً ۹۲ ۴؎ ایضاً ۱۰۲ ۵؎ ایضاً ۲۰۸

آپ نے فرمایا۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ اگر مرید شیخ میں کوئی عیب دیکھے اور اس سے اس کے عقیدہ میں خلل پڑے اور پھر وہ شیخ کے رُوبرُو جائے تو وہ منافق ہے۔ مرید کو چاہیے کہ وہ شیخ میں سوا کمال کے کچھ نہ دیکھے[1]

آپ نے فرمایا۔ مرید کی چشم نقص کور ہے (یعنی تنقیدی نظر اندھی رہے) تاکہ وہ پیر کے کمال کے سوا کچھ اور مشاہدہ ہی نہ کرے[2]

آپ نے فرمایا۔ مرید کی توجہ پیر کی دونوں ابروؤں کے درمیان رہنا چاہئے اور وہ پیر کو اپنے تمام احوال و اوقات میں حاضر و ناظر و مطلع جانے تاکہ پیر کی عظمت و بزرگی اس میں تصرف کرکے جو چیز اس کی طبیعت کے مطابق نہ ہو اسے اس کے (مرید) دل سے نکال دے اور اس سلسلہ میں اس حد تک پہنچ جائے کہ پیر و مرید کا درمیانی حجاب اٹھ جائے اور پیر کے تمام مرادات و مقاصد بلکہ اس کے احوال و مواجید مرید کے معائن و مشاہد ہو جائیں۔ ع ایں کار دولت است کنوں تا کرا رسد[3]

آپ نے فرمایا کہ ان علمائے ظاہر کی صحبت سے جنھوں نے علم کو محض دنیا کمانے کا ذریعہ بنا رکھا ہے پرہیز کرنا چاہیئے[4]

خانۂ شرع خراب است کہ ارباب صلاح　　　در عمارت گری گنبد دستار خود اند

آپ نے فرمایا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بیت الحرام مومن کا دل ہے۔ اور بعض کہتے ہیں عارف کا دل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حق کے سوا جو کچھ اس پر گذرے وہ حرام ہے[5]

آپ نے فرمایا کہ سید قاسم فرماتے تھے۔ خوشنویسی بھی بہترین کسب ہے۔[6] (قول حضرت امیر المومنین علیؑ حُسنُ الخطِ تزدُوہُ)

آپ نے فرمایا۔ مرتبہ نبوت کے بعد بادشاہت کا مرتبہ ہے اس سے بڑھ کر سوا نبوت کے کوئی اعلیٰ مرتبہ نہیں ہو سکتا۔ دین کی امداد اور شریعت کی حفاظت جتنی عادل بادشاہوں کے ہاتھوں ہو سکتی ہے کسی عام آدمی سے ممکن نہیں ہے۔ ظالموں اور باغیوں کا دفاع بھی بادشاہ ہی بخوبی کر سکتے ہیں۔ جس قدر خیرات بادشاہ ایک گھڑی میں کر سکتا ہے۔ دوسرا برسوں میں نہیں کر سکتا۔ تباہی خرابی اور نکبت اس وقت ہوتی ہے جب بادشاہت اور حکومت سعادتِ آخرت کا ذریعہ نہ ہو[7]

---

[1] مقاماتِ عالیہ ۸۹ - ۸۵ [2] ایضاً ۹۴ [3] رشحات ۱۴۴ [4] فقرات خواجہ احرارؒ ۹۶ [5] مقاماتِ عالیہ ۹۸
[6] ایضاً ۱۰۰ [7] ایضاً ۵۶

آپ نے فرمایا سلطنت اور حکومت یہی ہے کہ خدا و رسولؐ کے احکام کی پوری پابندی کی جائے حضرت عمرؓ نے اپنے صاحبزادہ پر حدِ شرع جاری کی اور جسم سے روح کی مفارقت کے بعد بھی بقیہ کوڑے لگانے کا حکم دیا۔[۱]

آپ نے فرمایا۔ کوئی عمل اس سے بہتر نہیں ہے کہ امراء اور بادشاہوں کی ڈیوڑھی پر حاضر رہے۔ دولت و ثروت کی لالچ کے لئے نہیں بلکہ صرف اس لئے کہ حاجت مندوں۔ فقیروں اور مظلوموں کی مدد کرے ایک مرتبہ ایک بزرگ کو راہِ حق میں ایسی دشواری پیش آئی جو کسی طرح حل نہ ہوتی تھی۔ ان کو تین مرتبہ ہدایت ہوئی کہ فلاں شاہی چوبدار کے پاس جاؤ تاکہ تمہاری مشکل حل ہو انھیں کسی طرح یقین نہیں آتا تھا کہ اس چوبدار سے باطنی امور میں مدد مل سکے گی۔ متواتر الہام اور حکم حق ملنے پر مجبوراً یہ خیال کر کے چوبدار کے پاس گئے کہ غالباً خداوند تعالیٰ کی اس پر خاص عنایت ہے۔ جب مشکل حل ہو گئی تو چوبدار سے پوچھا کہ تمہارا کون سا عمل خداوند تعالیٰ کو اس قدر پسند آیا کہ تم کو یہ دولتِ باطنی عطا ہوئی۔ اس نے جواب دیا کہ میں روزانہ صبح کو اٹھ کر بادشاہ کی ڈیوڑھی پر حاضر ہوتا ہوں اور دن بھر اسی کوشش میں رہتا ہوں کہ میری کوشش سے مظالم اور خلاف شرع امور نہ ہونے پائیں۔ جس روز کامیاب ہو جاتا ہوں خدا کا شکر کرتا ہوں اور ناکامی کی حالت میں صبر اختیار کرتا ہوں جس کے انعام میں مجھ کو ایسا مرتبہ اور ایسی دولت نصیب ہوئی کہ تم جیسے لاکھوں ولی میرے پاس آتے ہیں۔[۲]

آپ نے فرمایا۔ عادل بادشاہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اقتدار کے مظہر ہیں۔ ان کو چاہیئے کہ اقتدار و حکومت میں مستقل رہیں تاکہ صحیح معنوں میں مظہرِ حق ہو سکیں۔ سلطنت میں شرکت عیب ہے۔[۳]

آپ نے فرمایا۔ صحبت کے فوائد بہت ہیں لہٰذا تھوڑے سے فائدہ کے لئے صحبت کو ترک نہیں کرنا چاہیئے۔[۴]

(صحبتِ مرداں اگر یک ساعت است　　بہتر از صد خلوت و صد طاعت است)

آپ نے فرمایا۔ بہت ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔[۵]

خندہ کم کن کہ خندۂ بسیار　　صد دلِ زندہ را بمیرا اند

آپ نے فرمایا۔ ایک بار حضرت شیخ سعدالدین اور شیخ علی لالا کے مابین کچھ اختلاف ہو گیا۔ جب ان

---

[۱] مقامات عالیہ [۲] ایضاً ۵ [۳] ۲، [۴] ایضاً ۸ [۵] ایضاً ۹،

کے شیخ حضرت نجم الدین کبریٰ کو یہ معلوم ہوا تو دونوں کو خطوط لکھے۔ شیخ علی لالا کو یہ نصیحت فرمائی کہ تم شیخ سعد الدین کے علوم و معارف سے ناواقف ہو وہ محبت و اخلاص کے مقام پر ہیں۔ اور شیخ سعد الدین کو یہ تحریر فرمایا کہ تم شیخ علی لالا کے مقام و حال سے واقف نہیں ہو جو اپنے دل میں ان کے متعلق یہ خیالات قائم کئے ہو۔ پھر آپ نے یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "حال کے لحاظ سے تو شیخ علی لالا خوب تھے اور علوم و معارف کے لحاظ سے شیخ سعد الدین۔

بعض اوقات آپ شیخ سعد الدین کی یہ رباعی پڑھا کرتے تھے[۱]

آنم کہ جہاں چو حقہ در مشتِ من است ۔۔۔ ایں قوتِ حق کہ قوتِ پشتِ من است
کونین و مکان و ہرچہ در عالم ہست ۔۔۔ در قبضۂ قدرتِ دو انگشتِ من است

(میں وہ ہوں کہ سارا عالم حقہ کی (نے کی) طرح میری مٹھی میں ہے یہ قوت جو مجھ میں ہے دراصل حق کی ہی قوت ہے۔ کونین میں جو کچھ ہے وہ میری صرف دو انگلیوں کے قبضۂ قدرت میں ہے۔)

آپ نے ایک بار یہ شعر پڑھا[۲]

تیغ حلم از تیغ آہن تیز تر ۔۔۔ بل ز صد لشکر ظفر انگیز تر

(حلم کی تلوار فولاد کی تلوار سے بھی زائد تیز بلکہ صدہا فتح مند لشکروں سے بھی بڑھ کر ہے)

آپ نے فرمایا۔ میں نے ایک شب خواب دیکھا کہ ایک بڑے چوراہے پر بیٹھا ہوں۔ اچانک حضرت شیخ زین الدین خوافی کو دیکھا کہ وہ بھی اسی سڑک پر ایک جگہ تشریف فرما ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَلسَّمَاعُ اَھْلٌ لِاَھْلِ اللہ (سماع اہل اللہ کے لائق ہے) پھر مجھ سے کہا "آؤ تم کو اپنے گاؤں لے چلوں"۔ لیکن میرا وہاں جانے کا دل نہ چاہا۔ اسی اثنا میں یہ دیکھا کہ حضرت سید قاسم ایک سفید گھوڑے پر سوار اسی سڑک سے آرہے ہیں۔ مجھ سے فرمایا کہ "یہ سڑک شہر کو جاتی ہے آؤ میں تمہیں اپنے ساتھ شہر لے چلوں۔ یہ فرما کر مجھے اپنی پشت پر بٹھالیا[۳]

آپ نے فرمایا۔ جو شخص دم نقد ہماری صحبت و ہمنشینی سے مستفیض ہونا چاہے وہ قابل

---

[۱] مقامات عالیہ ۲۹ [۲] ایضاً ۱۸ [۳] ایضاً صفحات ۱۳۰

مبارکباد ہے اور اگر کوئی اُس کا منتظر ہے کہ میری وجہ سے اس کو فائدہ و نفع ہوگا تو وہ فضول اپنے اوقات برباد کرتا ہے[1]..........

آپ نے حدیث شریف اَلْمُتَکَبِّرُ مَعَ الْمُتَکَبِّرِ صَدَقَۃٌ (مغرور کے ساتھ غرور کرنا صدقہ ہے) کے بارہ میں ارشاد فرمایا کہ تکبر کی دو قسمیں ہیں مذموم اور محمود۔ مذموم یہ ہے کہ تمام لوگوں سے اپنے کو بڑا اور افضل اور ان سب کو حقیر سمجھے۔ اور محمود یہ ہے کہ غیر اللہ کی تعظیم کی طرف متوجہ نہ ہو یعنی جو کچھ بھی غیر حق ہو وہ اس کی نظر میں حقیر او ر بے وقعت ہو اور اس کا علاقہ التفات اس سب سے (یعنی غیر اللہ) منقطع ہو جائے۔ یہی اصل تکبر ہے اور مرتبہ فنا پر پہنچا دینے والا ہے اور یہ محمود ہے[2]

آپ نے فرمایا شب معراج کی حدیث میں جو یہ ہے کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی سے رُک گئے اور یہ کہا کہ لَوْ دَنَوْتُ اَنْمُلَۃً لَاحْتَرَقْتُ۔ (اگر میں ایک پور بھر بھی قریب ہو جاؤں تو جل جاؤں گا) اگر یک سرِ موئے برتر پرم۔ فروغ تجلی بسوزد پرم) محققین نے اس کے معنی میں یہ کہا ہے کہ اگر میں ایک انگل بھر بھی اپنے مقام سے جس سے مراد شہود ذات مع الصفات ہے آگے بڑھوں تو یقیناً جل جاؤں گا۔ میں نہ رہوں گا بلکہ دوسری چیز ہو جاؤں گا۔ یعنی صفت جل جائے گی اور ذات باقی رہ جائے گی[3]

آپ نے فرمایا جوانی اور فرصت بڑی غنیمت ہیں۔ یہ بات بڑے افسوس کی ہے کہ انفاس و اوقات عزیز سعادت سرمدی کا ذریعہ نہ ہوں۔ فقیری اور درویشی دراصل ذکر کرنا نہیں ہے۔ بلکہ درویشی یہ ہے کہ اپنے کو اخلاق نبوی کے ساتھ یعنی حلم و کرم۔ سخاوت۔ تواضع۔ ایثار نیز تمام اوصاف کے ساتھ متخلق کر لے۔ اور اس بات کی خاص طور پر کوشش کرے کہ دل کو دنیاوی امور سے کوئی کسی چیز کے ساتھ التفات نہ رہے۔ مشائخ طریقت قدس اللہ ارواحہم نے فرمایا کہ دل کی ماسوا سے حفاظت کرے کیونکہ دل کی مثال آئینہ کی ہے۔ جو چیز بھی آئینہ کے مقابل ہوگی اسی صورت سے متصف ہو جائے گی۔ جب صورتیں اور نقوش کائنات دل سے محو ہو گئے تو دل میں ایک حقیقت کے سوا کچھ باقی نہ رہے گا[4]

آپ نے فرمایا۔ موجودہ بزرگ لوگ بھی بہت غنیمت ہیں اگرچہ بزرگانِ ماسبق کی طرح نہ ہوں۔

---

[1] مقامات عالیہ ۱۲ [2] رشحات، ۱۴۳ [3] ایضاً ۱۴۲

اکابر نے فرمایا ہے کہ "گربۂ زندہ بہ از شیرِ مردہ" (زندہ بلّی مردہ شیر سے بہتر ہے) [1]

آپ نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کی تفسیر کے سلسلہ میں فرمایا کہ حمد کی ایک ابتداء ہے اور ایک انتہا۔ ابتداء یہ ہے کہ جو نعمت وہ بندہ کو عطا فرماتا ہے تو بندہ اس لئے اس کی حمد کرتا ہے کہ وہ یہ جانتا ہے کہ حمد نعمت کو زیادہ کرتی ہے۔ (لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ اگر تم شکر کروگے تو میں تم کو اور زائد دوں گا) اور انتہا یہ ہے کہ مثلاً اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک قوت عطا فرمائی جس سے وہ حقِ عبودیت کے ساتھ قیام کرتا ہے جیسے نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ اور حج وغیرہ وغیرہ۔ اور ایسی نعمت کے حاصل ہونے پر جس کی وجہ سے اسے قرب اور رضائے حق کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے حمد کرتا ہے بلکہ حمد کی نہایت یہ ہے کہ بندہ یہ جان لے کہ حمد کرنے والا اسی کا مظہر ہے غیر نہیں ہے (اور) بندہ کا کمال یہ ہے کہ وہ اس بات کا یقین کر لے کہ وہ معدوم ہے نہ اس کی کوئی ذات ہے نہ صفت اور نہ فعل۔ (یعنی اپنے کو معدوم محض سمجھ لے) وہ اس تفکر میں اپنے کو مسرور کرتا ہے کہ اس نے (حق نے) اس کو (بندہ کو) اپنی صفات کا مظہر بنا دیا ہے [2]

آپ نے وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ (میرے بندوں میں شکور یعنی شکر گذار بندے بہت کم ہیں) (سورہ سبا۔ رکوع ۲۔ پارہ ۲۲) کی آیت کے سلسلہ میں فرمایا کہ شکور درحقیقت وہ ہے جو نعمت میں منعم کا مشاہدہ کرے اور حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ اگر نعمت سے لذت یاب ہو تو شکر کے منافی نہیں ہے (یہ بھی شکر کا ایک حصہ ہے) اور نہ یہ بھی وصول الی اللہ کا سبب ہے [3]

آپ نے فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا (روگردانی کر ان لوگوں سے جنھوں نے ہم سے اعراض کیا ہے) (سورۂ نجم۔ رکوع ۲۔ پارہ ۲۷) کی آیت کے سلسلہ میں فرمایا کہ اس آیت کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں۔ ظاہری معنی تو یہ سمجھ میں آتے ہیں کہ اعراض کر اس گروہ سے جو منکرین اور غافلین ہیں۔ اور دوسرا گروہ وہ ہیں جو مرتبۂ فنا پر فائز ہو کر شہود میں مستغرق ہے اور ذکر کی صفت ان سے اٹھالی گئی ہے۔ اگر بالفرض ان کو (اعراض کرنیوالوں کو) ذکر سے مکلف بھی کیا جائے تو ذکر ان کے مرتبۂ شہود میں ایک حجاب ہو جائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر مامور ہوئے کہ آپؐ اس گروہ سے اعراض کریں جو ذکر سے اعراض

---

[1] مقامات عالیہ ۴۶ [2] رشحات ۱۳۵۔ [3] ایضاً ۱۳۵

ذکر کے شہود میں مستغرق ہوگیا ہے۔ اور اعراض سے مطلب یہ ہے کہ ان کو ذکر کے لئے مکلف نہ فرمائیں[1]

آپ نے قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ (تم (ان سے) کہو. پھر ان کو جھک مارنے دو) کی آیت کے سلسلہ میں فرمایا کہ (سورہ انعام (رکوع ۱۱۔ پارہ ۷)) اس سے مراد یہ ہے کہ ذات کی طرف متوجہ رہے نہ صفات کی طرف[2]

آپ نے فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ (ان میں سے بعض اپنی (سورہ فاطر رکوع ۴ پارہ ۲۲) جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں۔ اور بعض میانہ رو ہیں اور بعض نیکیوں میں آگے بڑھے ہوئے ہیں) کی آیت کے سلسلہ میں فرمایا کہ ہو سکتا ہے فمنھم ظالم لنفسه سے اشارہ اس گروہ کی طرف ہو جس نے اپنے نفس پر ظلم کیا یعنی جو کچھ اس کی (نفس کی) مراد ہے لذات و شہوات سے اس کو محروم کر دیا ہے اور تمام احوال میں اس کی (نفس) مخالفت کو لازم رکھا ہے۔ تاکہ وہ (نفس) موہبت الٰہی کی قبولیت کے لئے مستعد ہو جائے۔ اور مقتصدین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس تحقیق پر نظر رکھیں تاکہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں اور سابقٌ بالخیرات ہو جائیں[3]

آپ نے سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (یکساں ہے ان کے حق میں کہ تم ان کو (عذاب الٰہی سے) ڈراؤ یا نہ ڈراؤ۔ وہ تو ایمان لانے والے ہیں نہیں۔ (سورہ بقر۔ پارہ الم۔ رکوع ۱) کی آیت کے سلسلہ میں فرمایا کہ شاید اس سے اشارہ نبی آدم کے اس گروہ کی طرف ہے جو اسم مہیمن کے قلب پر واقع ہوا ہے کہ وہ ملائکہ میں سے ایک گروہ ہے جن کو شہود ذاتی میں غایت استغراق کی وجہ سے کسی دوسری چیز کی کوئی خبر نہیں ہے۔ اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ذات حق کے سوا کوئی موجود نہیں ہے۔ جب ان کو کسی چیز کی خبر نہیں ہوتی تو ضرور تا کسی چیز پر ایمان بھی نہیں رکھتے۔ لامحالہ لا یؤمنون ان بزرگواروں کا وصف ہوا[4]

آپ نے لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (آج حکومت کس کی ہے۔ صرف اللہ کی جو بڑا زبردست ہے۔ سورہ مومن۔ رکوع ۱۔ پارہ ۲۴) کی آیت کے سلسلہ میں فرمایا کہ ہو سکتا ہے مُلک سے مراد سالک کا دل ہو یعنی جب اللہ تعالیٰ قہر احدیت سے کسی دل پر تجلی فرماتا ہے تو اس دل میں اپنے غیر و غیریت کا کوئی نشان و اثر نہیں چھوڑتا۔ پھر اس دل میں لمن الملک الیوم کی صدا داخل فرماتا ہے اور جب اس میں اپنے علاوہ کسی کو نہیں دیکھتا تو خود ہی جواب دیتا ہے لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ، سبحانی مَا اَعْظَمَ شَانِی۔ انا الحق اور هَلْ فِي الدَّارَيْنِ غَيْرِي وغیرہ وغیرہ کی صدا بھی اسی مقام سے ہے[5]

---

[1] مقامات عالیہ ۱۳۵ [2] ۱۳۶ [3] ۱۳۶ [4] رشحات ۱۳۶ [5] ایضاً ۱۳۶

آپ نے یَاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ اِلَی اللہِ (اے لوگو! تم اللہ ہی کے محتاج ہو (سورہ فاطر رکوع ۳ پارہ ۲۲)
کی آیت کے سلسلہ میں فرمایا کہ تمام آدمی حق کے محتاج ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے علم قدیم کے ذریعہ
پہلے ہی سے یہ جانتا تھا کہ آدمی بہ تقاضائے بشریت روٹی، پانی اور اسباب دنیوی کا محتاج ہوگا۔
لہٰذا جمال قیومیت کو اشیاء کے مظاہر سے ظاہر فرمایا تاکہ آدمی جن کا بھی محتاج ہو حقیقتاً حق کی
قیومیت کی وجہ سے حق کا ہی محتاج ہو۔[1]

• ایک روز دوران گفتگو بعض حاضرین کو تنبیہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ فضول گھوما کرتے ہو کوئی کام ایسا کرو کہ کوئی تم سے مستفید ہو جائے۔ جہاں تک ہو سکے اپنے کو گم کرنے کی کوشش کرو۔ کیونکہ احدیت کا شہود کثرت میں حاصل ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ کی تفسیر میں کہا ہے کہ ہم نے تم کو کوثر عطا کی یعنی کثرت میں احدیت کا شہود عطا کیا۔[2]

آپ نے اَلْقَنَاعَۃُ کَنْزٌ لَا یَفْنیٰ (قناعت وہ خزانہ ہے جو ختم نہیں ہوتا) کی حدیث کے معنیٰ اس طرح بیان فرمائے کہ ہمارے نزدیک قناعت یہ ہے کہ جب کسی کو جو کی کچی روٹی ملے تو وہ پکی روٹی کی تمنا نہ کرے اور اس کو بھی اتنا ہی کھائے کہ نماز میں ہاتھ پیر ہلا سکے۔ اور فرمایا کہ اس طرح رہنا چاہئے جو کھانا پینا ہمیشہ میسر رہے۔ اور قناعت اس چیز پر کرنا چاہئے جس سے بہتر ممکن نہ ہو۔ پھر اپنا دست مبارک پھیلا کر ارشاد فرمایا کہ بھوک کیلئے مٹھی بھر چاول یا آٹا کافی ہے جس نے ایسا کیا وہ آسودہ ہوا۔ اور اگر کوئی ایسی جگہ پھنس جائے جہاں نہ پانی ہو اور نہ کوئی آبادی اور کھانے کی امید بھی نہ ہو ایسے وقت بھی اس کو کھانے کا خیال نہ آئے اور نہ اس کا دل پریشان و متفکر ہو۔ حقیقتاً ایسے شخص کو ضرور قانع کہا جا سکتا ہے۔[3]

آپ نے فرمایا کہ حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ نے لکھا ہے کہ حَقِیْقَۃُ الذِّکْرِ عِبَارَۃٌ عَنْ تَجَلِّیَۃِ سُبْحَانَہٗ لِذَاتِہٖ بِذَاتِہٖ فِیْ عَیْنِ الْعَبْدِ مِنْ حَیْثُ اِسْمِ الْمُتَکَلِّمِ (حقیقت ذکر سے مطلب اللہ تعالیٰ کی تجلی ہے اپنی ذات کے لئے اپنی ذات کے ساتھ بندہ کی عینیت میں اسم متکلم کی حیثیت سے) اور فرمایا کہ یہ مقام اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک طالب عرصۂ دراز

---

[1] رشحات ۱۳۶ [2] ایضاً ۱۳۶ [3] ایضاً ۱۳۶

تک ذکر کرکے دوامِ آگاہی حاصل نہ کرلے۔ بعدازاں اگر فنائیت میں مستغرق ہو جائے اور اس نسبت کو اپنے سے سلب کرلے تو وہ اللہ کی جانب سے عنایت ہے۔ پھر آپ نے یہ شعر پڑھا؎

یک حملہ مستانہ مردانہ بکردیم ۔۔۔ از علم گذشتیم و بہ معلوم رسیدیم[1]

جب ہم نے ایک مستانہ حملہ مردانہ وار کیا تو علم سے گذر کر معلوم تک پہنچ گئے۔ (یعنی بقا بعد الفنا حاصل ہو گئی)

آپ نے فرمایا کہ اکابرِ طریقت قدس اللہ ارواحہم نے فرمایا ہے کہ ہر برائی اور گالی گلوج جو کوئی تم کو دے تمہیں اس کی حقیقت جان لینا چاہیئے۔ حتیٰ کہ اگر تم کو سور اور کتا وغیرہ بھی کہیں تو تم اس کا یقین کرلو کہ تم میں ان صفات میں سے کچھ نہ کچھ ضرور ہے۔ کیونکہ آدمی ایک نسخہ جامعہ ہے اس میں جس طرح صفاتِ ملکی ہیں اسی طرح صفاتِ سبعی و بہیمی بھی ہیں۔ اکابرین سے ایک صاحب سید الطائفہ حضرت جنید قدس سرہٗ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی اثنا میں حضرت شبلیؒ آئے۔ ان بزرگ نے حضرت جنید کے سامنے ان کی بہت تعریف کی۔ جب وہ اپنی بات ختم کر چکے تو حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ یہ تمام تعریف تم نے اس سُور کی کی، وہ بزرگ اس بات سے نہایت شرمندہ ہوئے کہ محض ان کی تعریف کی وجہ سے شبلی سُور بنا دیئے گئے لیکن حضرت شبلی کے ظاہر و باطن پر اس بات سے کسی قسم کی کراہت کا اثر نہ پیدا ہوا اور نہ انھیں کوئی خیال آیا[2]

آپ نے فرمایا کہ شیخ ابو یزید قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ تیس سال تک میں نے حق سے کہا اور سنا اور خلق یہ سمجھتی رہی کہ میں ان سے کہتا اور سنتا ہوں اس کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ ظاہر ہے وہ مُظہِر سے ہے نہ کہ مُظہَر سے۔[3]

آپ نے فرمایا کہ (ایک بار) شیخ ابو یزید قدس سرہٗ راستہ سے گذر رہے تھے۔ اتنے میں ایک بھیگا کتا سامنے آیا انھوں نے اپنا دامن اس سے سمیٹ لیا۔ کتے نے بزبانِ فصیح ان سے کہا کہ اگر تمہارا دامن مجھ پر پڑ جاتا تو پانی سے پاک ہو جاتا لیکن یہ دامن جو تم نے مجھ سے سمیٹا اور اپنے کو مجھ سے زائد پاک دیکھا تو وہ کون سے پانی سے پاک ہو گا[4]

---

[1] رشحات ۱۳۸ [2] ایضاً ۱۴۰ [3] ایضاً ۱۴۱ [4] ایضاً ۱۴۱

ایک شخص موخر کے دل میں حضرت کی مقدم خدمت میں یہ آیا کہ کیا ہی اچھا ہوتا جو آپ میرے باطن میں تصرف فرماتے۔ حضرت اس کے خطرہ پر مشرف ہو گئے اور فرمایا کہ کمال تصرف تو اس وقت ہو گا جب میں "تو" ہو جاؤں یا "تو" "میں" ہو جائے۔ پھر پیر ہری قدس سرہٗ کا یہ ارشاد زبانِ مبارک سے دہرایا" عبداللہ مردے بود بیابانی۔ رفت بہ طلبِ آب زندگانی۔ ناگاہ فرا رسید بہ خرقانی۔ آنجا بافت چشمۂ آب زندگانی۔ چنداں بخورد کہ نہ وے ماند و نہ خرقانی"[۱] (عبداللہ ایک جنگلی آدمی تھا آب حیات کی تلاش میں نکلا۔ اچانک خرقانی کی خدمت میں پہنچ گیا۔ وہاں اس نے آب حیات کا چشمہ دیکھا اس کو اتنا پیا کہ نہ وہ خود باقی رہا اور نہ خرقانی۔ (یعنی تمام حجابات اٹھ گئے اور عاشق ہمہ تن معشوق ہو کر زبان حال سے یہ کہنے لگا کہ ؎

اتحاد یست میانِ من و تو۔ من و تو نیست میانِ من و تو۔)

آپ نے فرمایا کہ محققین کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ ترقی بعد الموت بھی ہوا کرتی ہے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ کی بات اسی بات کی تصدیق کرتی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ میں تجلیات میں سے ایک تجلی میں شیخ ابوالحسن نوری کے ساتھ اکٹھا ہوا۔ انھوں نے مجھے بوسہ دیا اور مجھ سے سیراب (فیضیاب) ہوئے میں نے کہا کہ تم تو کہتے تھے کہ توحید کا تشنہ غیر سے سیراب نہیں ہوتا (حالانکہ تم مجھ سے سیراب ہوئے وہ میری اس بات سے شرمندہ ہوئے میں نے کہا جب ذوق اوپر سے کچھ حاصل کرتا ہے تو اسفل (نیچے) سے نہیں لیتا۔ اس کے علاوہ محققین کی بہت سی باتیں ہیں جو ترقی بعد الموت پر دلالت کرتی ہیں۔ راقم حروف کہتا ہے کہ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ نے فتوحات میں بعض مقامات پر فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے ترقی بعد الموت کی نفی کی ہے ان میں سے ایک شیخ ابوالحسن نوری بھی ہیں۔ ان کا حال موت کے بعد دو باتوں سے باہر نہیں ہے (ان دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہے) یا انھوں نے علم الیقین کے ذریعہ جان لیا کہ ترقی بعد الموت واقع ہے یا یہ جان لیا کہ واقع نہیں ہے اگر یہ جان لیا کہ واقع ہے تو مدعا ثابت ہے۔ (یعنی ترقی بعد الموت ہے جو مصنف کا مسلک ہے) اور اگر یہ جان لیا کہ واقع نہیں ہے تو یہ

---

[۱] رشحات ۱۴۴

دوسرا علم ہے جو موت کے بعد ان کو حاصل ہوا ہے پس بہر حال ترقی بعد الموت واقع ہے[۱] یعنی یہ بات بھی ان کو موت کے بعد معلوم ہوئی۔ اس سے یہ پتہ چلا کہ ترقی بعد الموت واقع ہے)

آپ نے فرمایا شادی انبیاء و اولیاء کے لئے مناسب ہے کیونکہ وہ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ سے محجوب نہیں رہتے۔ اور عوام الناس کے لئے بھی یہ لائق ہے کہ وہ اس کے ذریعہ مرتبہ حیوانیت کی تکمیل کریں۔ لیکن جو متوسط لوگ ہیں اور طریقت کی آرزو رکھتے ہیں ان کے لئے بالکل غیر مناسب ہے۔ ایک سانس بھی جو ذکرِ الٰہی کے ساتھ اندر سے نکلے ہزار فرزندوں سے بہتر ہے کیونکہ اس میں ہزاروں فائدے ہیں اور اس میں ہزاروں نقصان[۲]

آپ نے فرمایا۔ اگر بالفرض میری عمر پانچ سو سال کی ہو اور اس سب کو میں استغفار میں صرف کردوں تب بھی اس گناہ کا تدارک نہیں ہو سکتا جو مجھ سے صادر ہوا اور وہ شادی کا گناہ ہے[۳]

اگر ان باتوں سے (جو حضرت اقدس سے منقول ہیں) کسی کو یہ خلش پیدا ہو کہ شادی تو ایک پسندیدہ سنت ہے اور اس کی تعریف میں آیات قرآنی ظاہر اور احادیثِ صحیحہ ثابت ہیں پس ان کی نفی جائز نہیں ہے۔ اس خلش کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ نفی بر سبیلِ اطلاق نہیں ہے (یعنی بالکل نفی نہیں ہے بلکہ بعض وجوہ کے اعتبار سے ہے) بلکہ یہ چیز بعض ان لوگوں کے لئے ہے جو ظاہر و باطن دونوں کی تجرید چاہتے ہیں (وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں) مخفی نہ رہے کہ ہر زمانہ میں حکمتِ الٰہی کے مطابق جو کچھ طالبین اور مریدین کے مناسبِ حال اور کام کی مصلحت کے مطابق ہے وہ اولیاء اللہ اور اہل ارشاد کی زبان پر جو وارثان علومِ خاصہ محمدیہ ہیں جاری ہوتا ہے چوں کہ اس زمانہ میں مبتدیان طریقت کے مناسبِ حال شیوۂ تجرد و فراغت لازم تھا اور حضرت اقدس حکیمِ الٰہی اور جامع حِکَم نامتناہی تھے لہٰذا تجرد کا اشارہ فرمایا اور تاہل سے پرہیز کا حکم دیا[۴]

دوسری بار قصبۂ کاشان میں (جو بخارا کی جانب قرشی میں ایک گاؤں ہے) فقیر کو صحبتِ خاص میں مخاطب فرما کر یہ اشعار پڑھے

---

[۱] رشحات ۱۴۵ [۲] ایضاً ۱۴۸ [۳] ایضاً ۱۴۸ [۴] ایضاً ۱۴۸

توم باش اصلا کمال این است وبس ۔ رو دَرو گم شو وصال این است وبس
اے کمان و تیرہا بر ساختہ صید نزدیک وتو دور انداختہ
نحن اقرب گفت من حبل الورید تو فگندہ تیر فکرت رابعید

کمال دراصل یہی ہے کہ اپنے کو فنا کر دو یعنی تمہارا وجود باقی نہ رہے جاؤ اور اس میں گم ہو جاؤ کہ وصال یہی ہے ۔اے وہ جو کہ تیر و کمان تیار کئے ہوئے ہے شکار نزدیک ہے اور تم نے تیر دُور پھینک دیا ہے ۔ (تمہارا شکار یعنی مقصد خود تمہارے پاس ہے تم کو دُور جانے کی ضرورت نہیں) اللہ تو یہ فرماتا ہے کہ ہم تمہاری شہ رگ سے بھی زائد قریب ہیں اور تم یہ سمجھ رہے ہو کہ وہ تم سے الگ ہے ۔اور تم دوسری جانب نظریں اٹھا رہے ہو اور دوسری جگہ اسے تلاش کر رہے ہو پھر عنایت فرماتے ہوئے بہت سی باتیں کیں ۔منجملہ ان کے ایک یہ تھی کہ جب تک تم اپنے حال میں ہو ہم تمہارے حال کی طرف مشغول نہیں ہو سکتے ۔لیکن تم کو یہ جان لینا چاہیئے کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو تم سے نہیں جانا چاہئے تھیں اور وہ تم سے جاتی رہیں اور بہت سی ایسی چیزیں جن کو جانا چاہیئے وہ اس جگہ پر قائم ہو گئی ہیں لیکن تم کو ان کی کوئی خبر نہیں ہے ۔پھر مثال دیتے ہوئے یہ فرمایا کہ خربوزہ جب زمین سے باہر آتا ہے اور پکنے لگتا ہے تو ہر گھڑی ایک خامی (کچاپن) اس سے چلی جاتی ہے اور پختگی (پکاپن) اس کی جگہ لے لیتی ہے ۔اور اسے اس کی کوئی خبر نہیں ہوتی ۔اور کوئی حس اس بات کا ادراک نہیں کر سکتا ۔اور اگر کسان اس سے یہ کہے کہ تیری بہت سی خامی چلی گئی ہے اور بہت سی پختگی اس کی جگہ آگئی ہے تو وہ یقین نہیں کرے گا ۔لیکن جب مرتبۂ پختگی پر پہنچے گا اور اپنے میں نظر کرے گا اور اپنے کو سر سے پیر تک پکا ہوا دیکھے گا تو یہ سمجھ لے گا کہ کسان سچ کہہ رہا ہے ۔اسی اثنا میں آپ پر شدت سے گریہ طاری ہو گیا اور آپ کی چشمہائے مبارک سے موتی کی طرح اشک گر رہے تھے ۔غالباً یہ مخاطب کی گریہ ورقت کی نسبت تھی جو آپ پر منعکس ہو کر ظاہر ہوئی۔[1]

آپ فرمائے تھے کہ مرید کی نسبت جب تک قوی نہ ہو جائے اور اسے مقام تمکین حاصل نہ

---

[1] رشحات ۱۴۱

ہو جائے شیخ کو اسکی خاطر مدارات غمخواری و دلجوئی اور جانب داری کرنا چاہیئے۔ اور مواخذہ نہ کرنا چاہیئے۔ اور اگر اس سے کوئی ایسی بات صادر ہو جو اخلاق کے خلاف ہو تو اس کو بھی برداشت کرنا چاہیئے۔ لیکن جب اس کی نسبت قوی ہوگئی اور اس کو اس راستہ کا یقین حاصل ہو گیا تب اس کی ذمہ داری مرید پر ہے اس کو چاہیئے کہ ہر سانس میں اپنے احوال کا محافظ رہے تاکہ اس سے کوئی ایسی چیز صادر نہ ہو جو کسی دل کی گرانی اور کراہت کا سبب ہو اور اگر اس سے کوئی ایسی بات صادر ہو جائے تو شیخ اس پر مواخذہ کرے اور سزا دے۔[۱]

آپ فرماتے تھے کہ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ شیخ تو دراصل وہ ہے جو مرید کو کھا سکے اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو مرتبۂ شیخی پر نہیں پہنچ سکتا۔ مرید کو کھانے کے معنی یہ ہیں کہ شیخ کو ایسا ہونا چاہیئے جو مرید کے باطن میں تصرف کر سکے اور اس کے اخلاق ذمیمہ کو اخلاق حمیدہ میں تبدیل کر کے حضور و آگاہی کے مقام پر پہنچا سکے۔[۲]

ایک بار حضرت اقدس نے ایک فقیر کو رابطہ کے طریقہ کی تعلیم دی (یعنی شیخ سے کیسے رابطہ قائم کیا جائے) اور یہ شعر پڑھا۔

جائے کن در اندرون خویش را　　دور کن ادراک غیر اندیش را

پھر فرمایا کہ اس غیر اندیش ادراک کو دور کرو تاکہ لوگوں کے دلوں میں جگہ کر لو (یعنی لغو اور لایعنی خیالات کو دور کرو اور جو بات سوچنے کے لائق نہیں ہے اُسے مت سوچو۔ یعنی پورے طور پر اس بات کا خاص خیال رکھو کہ لوگوں کے دلوں میں جس سے مطلب مشائخ طریقت ہیں جگہ کر لو جیسا کہ خواجگان قدس اللہ ارواحہم کا طریقہ ہے کہ ہر سانس کی پاسبانی کرنا چاہیئے تاکہ کوئی ایسی بات واقع نہ ہو جو پیر کے دل کی کراہت کا سبب ہو اور وہ اس مقام پر پہنچ جائے کہ اس کی ساری مراد پیر کی مراد اور پیر کی مراد اس کی مراد ہو جائے اور اس پاسبانی کے سبب وہ ایسی سعادت سے مشرف ہو جائے جس سے زائد متصور نہیں اور وہ فنائی اللہ ہے۔[۳]

آپ فرماتے تھے کہ ذکر تیشہ (پھاوڑے) کی طرح ہے جس سے دل کے کانٹے (خطرات) دور ہوتے ہیں۔[۴]

---

[۱] رشحات ۱۴۰ [۲] ایضاً ۱۴۳ [۳] ایضاً ۱۴۴ [۴] ایضاً ۱۴۵

آپ فرماتے تھے کہ اصل چیز یہ ہے کہ ذکر میں اس حد تک استغراق ہو جائے کہ اسے نہ بہشت کا ذوق رہے اور نہ دوزخ کا خوف۔ اور اس کے لئے خواب و بیداری یکساں ہو۔ شیطان کی کیا مجال کہ ان لوگوں کے قریب پھٹک سکے[۱]

آپ فرماتے تھے کہ معراج دو قسم کی ہے۔ ایک معراج صوری۔ دوسری معراجِ معنوی۔ معراجِ معنوی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اول صفاتِ ذمیمہ سے صفاتِ حمیدہ کی طرف منتقل ہونا۔ اور دوم ماسوا سے اللہ کی جانب منتقل ہونا[۲]

آپ فرماتے تھے کہ سیر کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک سیر مستطیل دوسری سیر مستدیر۔ سیر مستطیل بُعد دربُعد ہے اور سیرِ مستدیر قرب در قرب۔ سیر مستطیل مقصود کو اپنے خارجِ دائرہ سے طلب کرنا ہے اور سیرِ مستدیر اپنے دل کے گرد پھرنا اور مقصود کو خود سے ڈھونڈھنا[۳]

آپ فرماتے تھے کہ علم دو ہیں۔ علم وراثت اور علم لدنی۔ علم وراثت یہ ہے جو عمل سے حاصل ہو۔ جیسا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَنْ عَمِلَ بِمَا عَلِمَ وَرَّثَهُ اللّٰهُ عِلْمَ مَالَمْ يَعْلَمْ، (جس نے عمل کیا اس بات پر جس کو اس نے جانا تو اللہ اس کو اس چیز کا وارث کردے گا جس کو وہ نہیں جانتا) اور علم لدنی یہ ہے جو عمل سے حاصل نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ محض اپنی عنایت بے علت سے بندہ کو کسی علم خاص سے مشرف فرمادے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (ہم نے اس کو اپنے پاس سے علم عطا کیا۔ اور فرمایا کہ اجر کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک اجر ممنون دوسرا اُجرِ غیر ممنون اجر ممنون یہ ہے جو عمل سے حاصل نہ ہو بلکہ محض بخشش ہو۔ اور اجرِ غیر ممنون یہ ہے جو عمل سے حاصل ہو[۴]

آپ فرماتے تھے۔ وہ نہایت جہاں اولیا اللہ پہنچتے ہیں یہ ہے کہ مشاہدہ ان سے غائب نہ ہو۔ (یعنی وہ ہمیشہ تجلیاتِ الٰہی کا مشاہدہ کرتے رہیں) یا یہ کہ شاہد حقیقی میں استغراق کی وجہ سے مشاہدہ ان سے غائب ہو جائے[۵]

آپ فرماتے تھے کہ شہود کے دو معنی ہیں۔ ایک ذات مقدس کا شہود جو لباس مظاہر میں بغیر

---

[۱] رشحات ۱۴۵ [۲] ایضاً ۱۴۶ [۳] ایضاً ۱۴۶ [۴] ایضاً ۱۴۶ [۵] ایضاً ۱۴۷

سے معرّا (خالی) ہے اور دوسرا شہود یہ ہے کہ اس ذات مقدس کا پردہ مظاہر سے مشاہدہ کرے بغیر وصفِ کلی اور یگانگی کے۔ اور اس شہود کو حضرات صوفیا رقدس اللہ ارواحہم "شہود احدیت در کثرت" کہتے ہیں اور حضورؐ بعثت کے بعد اسی شہود میں تھے سے[1]

ایک روز اعزہ میں سے ایک شخص نے حضرت کی مجلس میں عرض کیا کہ اکابر صوفیہ نے تو یہ کہا ہے کہ کوئی وجود وجودِ حق اور ہستی مطلق کے سوا نہیں ہے اور پردہ مظاہر سے ایک ہی ظاہر ہے۔ اس تحقیق کی بنا پر کفر و اسلام کے کیا معنی ہیں؟

یعنی جب صرف ایک وجود واحد ہی ہے تو پھر کفر و اسلام کے مابین تنازعہ و اختلاف کیوں ہے۔ آپ نے ان کے جواب میں مثنوی شریف کے یہ دو شعر پڑھے سے

چوں کہ بے رنگی اسیر رنگ شد — موسیٰ با موسیٰ در جنگ شد[2]
چوں بہ بیرنگی رسی کاں داشتی — موسیٰ و فرعون دارند آشتی

(جب بیرنگی رنگ کی اسیر ہوئی تو موسیٰ نے موسیٰ سے جنگ کی یعنی جب ذاتِ الٰہی رنگ کی اسیر ہوئی تو حضرت موسیٰؑ اور ذات الٰہی دونوں میں کلام ہوا۔ اور وہ دوستی ثابت ہوئیں۔ جب تم بیرنگی کے مقام پر پہنچ جاؤ گے تو تمہارا وجود فنا ہو جائے گا اور صرف ذاتِ واحد باقی رہ جائے گی اور تم کو موسیٰ و فرعون ایک نظر آئیں گے)

ایک روز آپ نے ترک ہستی اور خود پرستی کے سلسلہ میں یہ مصرعہ پڑھا۔ یک قدم بر فرق خود نہ واں دگر در کوئے دوست[3] (ایک قدم اپنے سر پر رکھو اور دوسرا دوست کے کوچہ میں۔)

اس بارہ میں کہ بعدِ صوری اہل رابطہ کے لئے قرب معنوی کے مانع نہیں ہے یہ شعر پڑھا سے

گماں مبر کہ بر فتیم و مہر از دل رفت — بہ خاک پائے عزیزت کہ ہمچناں باقی است[4]

(یہ خیال مت کرو کہ ہم چلے گئے اور تمہاری محبت بھی دل سے جاتی رہی۔ تمہارے خاکِ پا کی قسم وہ محبت اب بھی اسی طرح باقی ہے) اس بارہ میں کہ اہل ظاہر حقیقت عشق سے بے خبر ہیں یہ شعر پڑھا

عشق را بو حنیفہ درس نہ گفت — شافعی را در و روایت نیست[5]

(ابو حنیفہ نے عشق کا سبق ہی نہ پڑھا۔ شافعی کی عشق کے سلسلہ میں کوئی روایت نہیں ہے)

---

[1] رشحات ص ۱۴۷ [2] ایضاً ۱۴۸ [3] ایضاً ۱۴۷ [4] ایضاً ۱۴۸ [5] ایضاً ۱۴۸

طالبین کے ضعف ارادت کے سلسلہ میں یہ شعر پڑھا[۱]

مگو ارباب دِل رفتند و شہر عشق شد خالی جہاں پُر شمس تبریز است کو مردے چو مولنا

(یہ مت کہو کہ دل والے چلے گئے اور شہر عشق خالی ہو گیا۔ دنیا اب بھی شمس تبریز سے بھری ہوئی ہے مولنا روم کا ایسا مرد کہاں ہے)

آپ فرماتے تھے کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید سارا کمال انا الحق کہنے میں ہے۔ کمال تو دراصل یہ ہے کہ انا کو سامنے سے اٹھا دے اور کبھی اسے یاد نہ کرے[۲]

فقرہ۔ اگر تم سے پوچھا جائے کہ توحید کیا ہے تو کہو کہ دل کا خالص کر دینا اور اس کا غیر حق کی ہی سے خالی ہو جانا۔ اگر پوچھا جائے وحدت کیا ہے تو کہو کہ دل کا غیر حق کے وجود کے علم سے خالی ہو جانا۔ اگر پوچھا جائے کہ اتحاد کیا ہے تو کہو کہ ہستی حق میں مستغرق ہو جانا۔ اگر پوچھا جائے کہ سعادت کیا ہے تو کہو کہ دیدِ حق کی وجہ سے اپنے سے چھٹکارا پانا۔ اگر پوچھا جائے شقاوت کیا ہے تو کہو کہ اپنے میں پڑ جانا اور حق سے باز رہنا (یعنی خودی میں پڑ جانا اور خدا سے دُور ہو جانا۔ اگر پوچھا جائے وصل کیا ہے تو کہو کہ اپنے کو وجود حق کے نور کے شہود میں فراموش کر دینا۔ اگر پوچھا جائے فصل کیا ہے تو کہو کہ سِر کا غیر حق سے جدا کر دینا۔ اگر پوچھا جائے کہ سکر کیا ہے تو کہو کہ ایسے حال کا دل پر وارد ہونا کہ دل اس چیز کو پوشیدہ نہ رکھ سکے جس کا چھپانا اس حال کے ظہور سے پہلے واجب ہے[۳]

فقرہ۔ الحمد للہ رب العلمین سبحان اللہ رب العرش العظیم اللھم صل علی محمد النبی الامی وعلی آلہ وسلم، اے خدا اس قدر و عزت کی قسم جو حضور پر نور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تیرے نزدیک ہے اس عاجز فقیر کو بھی اپنے پاس سے اس یقین سے مشرف فرما کہ وہ اس قوت یقینی سے تیرے غیر کے وجود کے شہود و معرفت و محبت سے آزاد ہو کر صرف تیرے وجود و شہود اور تیری معرفت و محبت میں گرفتار ہو جائے[۴]

---

[۱] رشحات ۱۴۸ [۲] ایضاً ۴۶۴ [۳] فقرات خواجہ عبید اللہ احرارؒ (۶۱) [۴] ایضاً (۹۷)

دولتِ معنوی یہ نہیں ہے کہ عرش نشین ہو جائے۔ دولتِ معنوی یہ ہے کہ اپنے دل کو مشاغل کونیہ سے خالی کر دے۔ قلب المؤمن عرش اللہ (مومن کا قلب اللہ کا عرش ہے) پھر اس کو ان چیزوں سے فارغ آزاد۔ اور پاک کر دے جو اس کے لائق نہیں ہے خواہ اس کو عرش پر لے جائیں خواہ فرش پر۔ وہ تو اس مقام پر ہے جہاں نہ عرش ہے نہ فرش۔ اصل چیز تصفیۂ دل ہے شواغل و موانع سے تاکہ وہ (دل) موہبتِ الٰہی (بخشش) کے قابل ہو جائے[1]

قلندری اپنی حقیقت کی تجرید ہے موانع سے اور ان حجابات کو دور کر دینا جو حق اور اس کے درمیان ہوں۔ اور اپنے کو اس طرح گم کر دینا کہ کتنا ہی اپنے کو تلاش کرے لیکن نہ پائے جیسا کہ حضرت شیخ ذوالنونؒ کے ایک مرید نے ابو یزیدؒ سے پوچھا کہ ابو یزیدؒ کہاں ہیں۔ حضرت سلطان العارفین نے کہا کہ میں خود ان کو تیس سال سے ڈھونڈ رہا ہوں لیکن نہیں پا رہا ہوں اگر تم انھیں تلاش کر سکو تو تلاش کر لو[2]

سلطنت و بادشاہی کا کمال یہ ہے کہ اپنے تصرف سے تمام رعایا اور خواص کو اپنے رنگ میں ایسا رنگ لے کہ اس کی نظر جس پر بھی پڑے اپنے سوا کسی کو نہ دیکھے اور رعایا کا کمال یہ ہے کہ خود سے خود میں پورے طور پر خالی ہو جائے۔ اور اپنے بادشاہ کے سوا نہ کسی کو دیکھے اور نہ جانے۔ بلکہ نہ دیکھنے اور نہ جاننے سے بھی خالی ہو جائے اِذَا تَمَّ فَقرھُم فَلَا ھُم اِلَّا اَنَا[3]

اپنے باطن میں خواجگان کی نسبتِ باطنی کی نگہداشت اور شریعت و آدابِ شریعت پر نگاہ رکھنا۔ اور قولاً۔ فعلاً۔ اختیاراً اور حالاً اعتقادِ صحیح رکھنا اور محرمات سے پرہیز کرنا تمام عالم کی نعمتوں سے بہتر ہے[4]

---

[1] فقرات خواجہ عبید اللہ احرار (۹۷) [2] ایضاً (۹۸) [3] فقرات خواجہ احرار ۱۱۵ [4] ایضاً ۱۱۵

قد استراح القلم من تسويد هذه الرسالة الشريفة والعجالة النفيسة بيد الاحقر الافقر الاحوج المفتقر اعنی تقی انور غفر له العلی الاکبر بشفاعة سید البشر الٰی رحمة اللہ تعالٰی یوم الفزع الاکبر من توجه الخاصة الشریفة والدی واستادی شیخی وسندی المولوی الحافظ الشاہ محمد مجتبٰی حیدر القلندر العلوی الکاظمی الکاکوروی ادام اللہ ظله العالی فتحرہ یوم الاحد احدی وعشرین من شہر محرم الحرام سنة الف واربعمائة وست من ھجرۃ سید الثقلین نبی الحرمین امام القبلتین صلی اللہ علیه وعلی آله واصحابه اعوانه وانصارہ واولیائه واتقیاء واتباعه الف الف صلوٰۃ وتحیاته الی یوم الدین۔ قد تحیرت فیك خذ بیدی یا دلیلاً لمن تحیر فیك ۔



۱۶۔ کتب خانہ انوریہ خانقاہ کاظمیہ کاکوری میں دستیاب چند مطبوعات

خانقاہ کاظمیہ کاکوری برصغیر کی خانقاہوں میں ابتدا سے ایک ممتاز اور منفرد مقام کی حامل رہی ہے۔ یہاں کے بزرگوں کی روحانی، علمی و ادبی خدمات کا اعتراف ہمیشہ ملک کے معاصر علماء و صوفیا کو رہا ہے۔ بانی خانقاہ حضرت عارف باللہ شاہ محمد کاظم قلندر ۱۲۲۱ھ؁ سے موجودہ صاحب سجادہ حضرت شاہ محمد مصطفیٰ حیدر قلندر اور ان کے برادر گرامی مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر مدظلہما تک تمام حضرات صاحب درس و تصنیف علما بھی رہے ہیں۔ وقت کے تقاضوں کے پیش نظر بکثرت بیش بہا نگارشات بھی سپرد قلم فرمائے اور صدہا مفید عام تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ بکثرت مصنفات ہنوز مخطوطہ کی شکل میں ہیں۔ زیر نظر فہرست یہاں کے حضرات اور ان کے مسترشدین و متوسلین کی صرف ان چند مصنفات کی ہے جو ہنوز کتب خانہ انوریہ سے دستیاب ہیں۔

۱۔ روض الازہر فی مآثر القلندر ۔ فارسی ۔ حضرت مولانا شاہ تقی علی قلندر قدس سرہٗ

۲۔ نور لاریب فی ترجمۃ فتوح الغیب ۔ فارسی ۔ مولانا شاہ حمایت علی قلندر قدس سرہٗ

۳۔ تصفیہ شرح تسویہ ۔ شرح فارسی حضرت مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر قدس سرہٗ

۴۔ القول المختار فی مسئلۃ الجبر والاختیار ،، ،، اردو ترجمہ مع اصل متن حضرت مولانا ،، ،، ،، ،،

۵۔ زواہر الافکار شرح جواہر الاسرار ،، ،، ،، ،، ،، ،، ،،

۶۔ الدر الملتقط فی شرح تحفۃ المرسلہ ،، ،، ،، ،، ،، ،، ،،

۷۔ تنویر الافق فی شرح تبیین الطرق ،، ،، ،، ،، ،، ،، ،،

۸۔ فیوض العارفین فارسی ،، ،، حضرت مولانا شاہ تقی حیدر قلندر قدس سرہٗ

۹۔ تعلیمات قلندریہ ،، ،، ،، ،، ،، ،، ،،

۱۰۔ رموز الغیب فی ترجمۃ فتوح الغیب اردو مع عربی مولوی محمد عالم صاحب قیصری کاکوروی

۱۱۔ الکہف والرقیم فی شرح بسم اللہ الرحمٰن الرحیم شرح از شاہ محمد وہاج الدین قلندر کاکوروی (ڈپٹی کلکٹر) اردو ترجمہ مع عربی از حضرت شاہ تقی حیدر قلندر کاکوروی

۱۲۔ تحریر الانور فی تفسیر القلندر ۔ فارسی حضرت حافظ شاہ علی انور قلندر قدس سرہٗ

۱۳۔ فاتح الابصار — فارسی حضرت شاہ علی انور قلندر قدس سرہٗ
ترجمہ اردو حضرت مولانا شاہ تقی حیدر قلندر قدس سرہٗ

۱۴۔ الدر الیتیم فی بیان ایمان آباء النبی الکریم — عربی حضرت شاہ علی انور قلندر قدس سرہٗ
اردو حضرت شاہ علی حیدر قلندر

۱۵۔ سانت رس المعروف بہ لغات الاسرار۔ حضرت شاہ محمد کاظم قلندر قدس سرہٗ
شرح و اردو ترجمہ۔ حضرت مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر مدظلہٗ

۱۶۔ امرت رس۔ حضرت شاہ تراب علی قلندر تراب کاکوروی قدس سرہٗ
مقدمہ و شرح حضرت مولانا شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر مدظلہٗ

۱۷۔ مطالب رشیدی۔ حضرت شاہ تراب علی قلندر قدس سرہٗ
اردو ترجمہ حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ حیدر قلندر مدظلہٗ

۱۸۔ ہمارے نبیؐ اردو " " "

۱۹۔ الکبریت الاحمر فی تحقیق القلندر۔ اردو۔ شاہ محمد وہاج الدین قلندر (ڈپٹی کلکٹر)

۲۰۔ مناقب المرتضیٰ من مواہب المصطفیٰ۔ اردو حضرت مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندر قدس سرہ

۲۱۔ نفائس المنن فی فضائل سیدنا ابی الحسن۔ اردو "

۲۲۔ تسکین الفواد بذکر خیر العباد اردو حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر قدس سرہ

۲۳۔ رفع الحجاب عن فصل الخطاب۔ اردو مولوی ایوب احمد صاحب نبیرہ استاذ العلماء مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی

۲۴۔ تذکرہ گلشن کرم اردو مولوی حافظ تقی انور علوی کاکوروی

۲۵۔ مقالات انور مسعود انور علوی کاکوروی

۲۶۔ رشحات قیصری اردو

۲۷۔ ابونواس ادب اردو

۲۸۔ انتخاب کلام خسرو کاکوروی اردو

۲۹۔ جلوۂ بینش۔ اردو۔ مظہر عزیز صاحب (ڈپٹی کلکٹر)

۳۰۔ بہارستان تراب۔ اردو۔ ادیب سحر طراز منشی امیر احمد علوی کاکوروی (ڈپٹی کلکٹر)

۳۱۔ عباسیان کاکوری۔ " مولوی محمد حسن صاحب عباسی کاکوروی مرحوم

۳۲۔ تنبیہ المفترین۔ " مولوی محمد عاصم صاحب قیس کاکوروی مرحوم

مؤلف کی تیسری معرکۃ الآراء کاوش!

حضرت مسند الوقت شاہ ولی اللہ دھلویؒ کا شہرۂ آفاق، نادر و نایاب اور مکمّل ملفوظ (جس کا ایک قدیم مگر ناقص و نامکمّل نسخہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے)۔

"اَلْقَوْلُ الْجَلِی فِی ذِکْرِ آثَارِ الْوَلِی" للشیخ محمّد عاشق پُھلتیؒ (مکمّل) کا سلیس اردو ترجمہ معہ تشریحات و اصطلاحات زیرِ طبع ہے۔

497